امام احمد رضا
خطوط کے آئینے میں
از قلم
ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
باہتمام
البرکات رضا فاؤنڈیشن ممبئی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

بسم الله الرحمن الرحيم

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا

فرش پہ ماتم اٹھے وہ طیب وطاہر گیا

سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا، مرشد اعظم حضور مفتی اعظم شاہ محمد مصطفیٰ رضا، مناظر اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خان اور حضرت مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن علیہم الرحمۃ والرضوان کی سیرت وکردار، علم وعمل، فکر ونظر اور مسلک ومشرب کی کھلی کتاب تھے۔

ال رسول وولدِ اولادِ غوث حضرت سید شاہ

عبدالعلیم رضوی (قادری صاحب) بمبئی

(خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند ومجاہد ملت علیہما الرحمہ)

۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱/ نومبر ۲۰۰۷ء کو آپ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

آپ کے ارادتمند وعقیدتمند اس کتاب کے ذریعہ آپ کی روح مبارک کو خراج عقیدت ومحبت پیش کرتے ہیں۔ خدا سے یہ دعا کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلندتر فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے ان کی روحانی توجہات وبرکات سے ہم غرباء اہل سنت کو مالامال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من جانب

جملہ مریدین ومتوسلین حضور سید شاہ عبدالعلیم قادری رضوی (عرف قادری صاحب) بمبئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام احمد رضا

خطوط کے آئینے میں

از قلم

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

باھتمام

البرکات رضا فاؤنڈیشن، ممبئی

تقسیم کار

اسلامک پبلشر

Ph:(011)23284316, Fax: 23284582

کتاب	:	امام احمد رضا، خطوط کے آئینے میں
تالیف	:	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی
تصحیح	:	مولانا مفتی سجاد حسین مصباحی مالدوی
طباعت	:	بار اول ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء
ناشر	:	البرکات رضا فاؤنڈیشن، ممبئی
صفحات	:	۴۶۴
تعداد	:	گیارہ سو
قیمت	:	۱۵۰ روپے

مؤلف کتاب سے رابطہ کا پتا

GHULAM JABIR SHAMS MISBAHI

201, Ghazala Galaxy, Nr. Kurnal Shoping Compex,

Neya Nagar, Mira Road(E), Mumbai-401107

Tel : 56293619 Mob: 09869328511

E-mail: ghulamjabir@yahoo.com.

انتساب:

☆ غوث صمدانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی

☆ عطائے رسول ہند الولی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

☆ مخدوم جہاں حضر مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری

☆ امام ربانی مجد دالف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سر ہندی

☆ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی

☆ شریعت وطریقت کے بحرذخار حضرت شیدشاہ آل رسول احمدی مارہروی

☆ خاتم المحققین و المدققین حضرت شاہ نقی علی خاں بریلوی

☆ محبّ رسول تاج الفحول حضرت شاہ عبد القادر عثمانی بدایونی

☆ شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی الجیلانی کچھوچھوی

☆ عارف باللہ عاشق رسول حضرت شاہ عبد العلیم آسی غازی پوری

☆ مجدد برکاتیت حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں ماہر روی

☆ تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی

کے نام

ع چہ عجب شاہاں راگر بنوازند گدارا

شمس مصباحی ردولوی

بفیضِ روحانی:

تاجدار اہل سنت مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ

محمد مصطفٰے خان قادری برکاتی

قدس سرہ

بنگاہ لطف و کرم:

تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم حضرت مفتی شاہ

محمد اختر رضا خان ازہری قادری برکاتی

مدظلہ العالی

ہدیہ :

اپنے والد گرامی **قاضی عین الدین** رشیدیؔ

جو انگوٹھا ٹیک ہیں۔ مگر قانون داں ایسے کہ اچھے اچھے بیرسٹر گھبرائیں۔ علم دوست، علماء نواز اور صحبت صلحاء علماء کا یہ عالم کہ چھوٹے موٹے عالم بات کرنے سے منہ چرائیں۔

اور اپنی اماں جی **قاضی شمس النساء** رشیدیؔ

جو واقعی پاس پڑوس کی بزم مستورات کا سورج ہیں علم و عمل میں فضل و کمال میں، تقویٰ و طہارت میں، حیاداری اور خودداری میں، ایسے دیدہ و رباپ اور ایسی پاکباز مقدس ماں، جن کی گاڑھی محنت اور دینی تربیت نے اس خاکسار کو اس منزل پر لا کھڑا کیا،

کی خدمات بابرکات میں

دو جہاں میں دونوں کے دامن و آنچل کے سایہ کا طلب گار:

شمس مصباحیؔ بورنوی

نذر:

علم و ادب کے متوالوں کے نام
راہ تحقیق کے مسافروں کے نام
ہدایت و حق کے متلاشیوں کے نام
نئی نسل کی دینی امنگوں کے نام

اور

اپنی حیات کی کیاری کے پانچوں پھول
جوہی، رمّان، جولی، ریّان، جومی

کے نام

شمس مصباحی پورنوی

مشتملات

(الف)

(ب)

کلیات مکاتیب رضا (اول و دوم)

اربابِ علم و دانش کی نظر میں

مرتب: محمد شرافت حسین رضوی، ایم، اے

☆ خطوط

☆ تاثرات

☆ تبصرے

☆ تنقیدیں

☆ تعارف

خطوط:

تاثرات:

تعارف، تبصرے، تنقیدیں:

حیاتِ رضا کی نئی جہتیں

آرا و تبصرے

(مطبوعہ: برکاتِ رضا فاؤنڈیشن ۲۰۰۷ء)

مرتب: مولانا محمد مجیب الرحمٰن نوری

خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا (اول دوم)

(مطبوعہ: برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، بمبئی ۲۰۰۸)

مرتب: مولانا مجیب الرحمٰن نوریؔ

پرواز خیال

(مطبوعہ: کراچی، لاہور ۲۰۰۵)

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

کی درج ذیل

تین کتابیں عنقریب منظر عام پر آرہی ہیں

(۱) امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

(مقالہ پی۔ایچ۔ڈی)

(۲) تین تاریخی بحثیں

(۳) خط اور جواب خط

☆

فاسق وفاجر...... چور وقزاق...... شرابی وفریبی

لچے شہدے...... دیوث خائن...... بے عمل وبدکردار

جھوٹ، غیبت، چغلخوری

ان جیسی صفتوں کے افراد...... سماج میں بدترین افراد کہلائے

یہی لوگ

فقیروں کے آستانوں

درویشوں کی خانقاہوں میں پہنچے

تو بہترین داعی اور مصلح بن کر اٹھے

دور حاضر کی خانقاہیں اور بارگاہیں

بے فیض کیوں ہیں؟

بے اثر کیوں ہیں؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۱۸)

حدود قلم

از قلم: علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ، مرید کے (پاکستان)

سلطنت قلم کی حدود ناپید ہیں، آفاق میں اسی کی حکومت ہے۔ بحر و بر میں اسی کا چرچا ہے۔ مادی و روحانی شہنشاہوں پر اسی کا حکم جاری ہے۔ قلم کے سامنے حکمراں سرنگوں ہیں، اس کی رفتار کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کبھی یہ چیونٹی سے کم چلتی ہے اور کبھی میزائلوں کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ تاہم آغاز میں سبک رفتار ہوتی ہے۔ بعد میں صبا رفتار، اور پھر جوں جوں اس کے اثرات وثمرات کا دائرہ وسعت اختیار کرتا جاتا ہے تو پھر آبشاروں کی روانی اور ماہ و نجوم کی کہکشاں شرمانے لگتی ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں اگر کسی نے قلم کی آبرو کو چار چاند لگا دیئے ہیں، تو وہ ہے امام احمد رضا کی ذات ستودہ صفات۔ گو قبل ازیں اس سلسلہ میں حضرت سید علی ہجویری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت حضرت شرف الدین یحیٰی منیری، امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قلم کے ذریعہ دین اسلام کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم کیا۔ ان نامور شخصیات کے معتقدین بھی انہیں کی تقلید میں اصلاح قوم وملت کے لئے قلم ہی کے ذریعہ شب و روز کوشاں ہیں۔

فی زمانہ بیشتر اہل علم جہاں اپنے قلم کو آبروئے ملت کی حفاظت کے لئے حرکت میں لارہے ہیں اگر ان کے نام گنواؤں تو ایک دفتر تیار ہوں۔ لہٰذا اس سے صرف نظر کرتے ہوئے دورِ حاضر کے ابھرتے ہوئے نوجوان قلمکار حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی زیدہ وعملہ کی قلمی کاوشوں کو خراج تحسین ومحبت پیش کرنا ہے۔ انہوں نے اپنی چھتیس سالہ عمر میں وہ نمایاں کام انجام دیئے ہیں۔ جو دیگر نوجوان علماء وفضلاء کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ اگر پرورشی اور تعلیمی زمانہ کو منہا کر دیا جائے ،تو اس وقت ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء (جمادی الاول ،جون) تک صرف اٹھارہ سال بنتے ہیں، جو انہوں نے قلم کی خوشبو سے قارئین کی مشامِ جاں کو مشکبار فرمائے اور اس مختصر عمر میں اٹھارہ سے زیادہ مختلف علوم وفنون کی ڈگریاں اور اسناد حاصل کیں۔ بلکہ ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری سے بھی سرفراز ہوئے۔ اس وقت تک آپ کی متعدد کتب ومقالات پاک وہند میں طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اور کئی منتظر اشاعت ہیں۔ باوجود اس کے ان کا راہوار قلم سرپٹ دوڑتا جا رہا ہے۔ خدا کرے یہ کبھی رکنے نہ پائے۔

حضرت ڈاکٹر شمس مصباحی زید مجدہ قاضی ڈولہ ہری پور، پورنیہ، بہار، انڈیا میں ۱۸ اپریل ۱۹۷۰ء میں پیدا ہوئے اور حسن اتفاق یہ کہ راقم الحروف کی پیدائش کی بستی بھی ''ہری پور''، ضلع قصور، پاکستان میں ہوئی۔ مقام ولادت کی یہ مطابقت ہمیں کہاں سے کہاں تک لے آئی۔ ایمانی و روحانی رشتے کی کشش کا کیا کہنا ۔ یہ فطری تعلق کتنی جاذبیت رکھتا ہے۔ فافہمو وتدبروا۔

مولانا موصوف سے میری پہلی ملاقات مرکزی دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، میں ہوئی۔ استاذ الاساتذہ حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی اور شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہما الرحمہ حیات تھے۔ دارالانتظام میں نشست ہوئی۔ اساتذۂ جامعہ

نے آپ کی عزت افزائی کی اور دعاؤں سے نوازا اور وہ لاہور کی گلی گلی گھوم کر اپنا علمی مواد اکٹھا کرتے رہے۔ یہ پہلا موقع تھا، جب آپ پاکستان تشریف لائے تھے۔

زیرِ نظر گراں قدر کتاب ''امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں'' پیش خدمت ہے۔ جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر راقم السطور نہیں چاہتا کہ آپ میری طرف متوجہ رہیں، بلکہ میرا تو یہ نقطۂ نظر ہے:

یا الٰہی حشر تک سنتا رہوں

نعت حضرت مدحت احمد رضا

رضا اکیڈمی لاہور جو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر اہل سنت کی سینکڑوں تصانیف لاکھوں کی تعداد میں چھاپ کر بین الاقوامی سطح پر مفت تقسیم کر رہی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہ عظیم الشان تحریری اور اشاعتی کارنامے کا سہرا محب امام احمد رضا محترم مکرم الحاج مقبول احمد ضیائی قادری مدظلہ کے سر جاتا ہے۔ یہ انہیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ''امام احمد رضا خطوط کے آئینے میں'' شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پروردگار عالم سے ہماری دعا ہے کہ حاجی صاحب موصوف اور اراکین رضا اکیڈمی کو وہ بہتر سے بہتر مواقع اور توفیق عطا فرمائے کہ وہ مسلک محبت کا پیغام تادیر نشر کرتے رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

طالب دعا

محمد منشا تابش قصوری، مرید کے

۸/ ماہ صیام ۱۴۲۷ھ/ ۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء

☆

زندگی ہے......تو جھمیلے ہیں

اور حیات ہے......تو مسائل

زندگی سے اکتا جانا......یا جھمیلوں میں ڈوب جانا

مسائل کا حل نہیں

پیڑ!

زمین سے دیکھو تو بلند نظر آتے ہیں

اور بلندی سے دیکھو، تو بالکل چھوٹے دکھائی دیتے ہیں

تم!

اپنے آپ کو اتنا بلند کر لو

یہ مسائل خود بخود پست ہو جائیں گے

سنو!

اقبال کیا کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۲۳)

پیش گفتار

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

بانی وسربراہ

مرکز برکات رضا ایجوکیشنل وچیریٹیبل ٹرسٹ

میرا روڈ ممبئی

☆

وہ!

جن کی عربی شاعری عربوں نے سنی

تو بولے ''یہ شاعر یقیناً عربی ہیں''

بتایا گیا کہ ''یہ ہندی ہیں''

عربوں کو حیرت ہوئی...... کہنے لگے ''پیدائشی ہندی ہیں، فطرتاً عربی ہیں''

یہ شہادت مصری علماء و شعرا نے دی

رو بہ زوال فارسی کی جگہ اردو لے رہی تھی...... انہوں نے فارسی میں مدحت سرائی کی

زبان دانوں کی نظروں سے ان کے اشعار گذرے

تو یہ بار بار دھراتے رہے...... لطف ملتا رہا

اردو میں ان کی نعتیں مقبول عام ہیں...... مشہور آفاق ہیں

اسماعیل یوسف کالج، ممبئی کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر کلیم ضیاء نے کہا:

''ان کی شاعری کا جواب نہ ہند میں ہے، نہ پاک میں، وہ لاجواب تھے''

یہ ساری نغمہ سرائیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تھیں

اور نغمہ سرا تھے

امام احمد رضا

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۲۴)

پیش گفتار

''امام احمد رضا، خطوط کے آئینے میں'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ نہ تو کسی تحقیق کا نتیجہ ہے، نہ تلاش کا۔ ہاں! معمولی سی محنت ضرور کیا ہوں۔ تالیف کی وجہ آگے آئے گی۔

یہ کتاب دو حصوں یعنی ''الف'' اور ''ب'' پر مشتمل ہے۔ ''الف'' میں پیش گفتار سمیت ۱۴ رتحریریں ہیں۔ جن میں خطوط رضا کو زیر بحث لا کر گفتگو کی گئی ہے۔ سید وجاہت رسول قادری کے مضمون کو چھوڑ کر یہ سب مقالات و مضامین میری کتاب ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' کی اشاعت سے پہلے کے ہیں۔ اور جب ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' چھپ کر سامنے آئی، پھر ''حیاتِ رضا کی نئی جہتیں'' چھپی، پھر اس کے بعد ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' بصد انداز زیبائی چھپ کر رونما ہوئی، تو صاحبان علم و اخلاص کو لگا کہ صحن علم و ادب میں جیسے دبے پاؤں بہار آگئی۔ اہل نظر نے قدردانی فرمائی، خطوط، تاثرات، تبصرے، تنقیدیں اور مضامین و مقالات لکھ کر ہمیں ارسال کیا ان تحریروں میں خطوط رضا، حیاتِ رضا، فکر رضا کا جائزہ باندازِ دیگر لیا گیا ہے جو بلاشبہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اسی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ان سب تحریروں کو عزیزم مکرم مفتی محمد شرافت حسین رضوی، نورالاسلام کالج، گونڈی، ممبئی اور محب مکرم حضرمولانا مجیب الرحمٰن

نوری ناظم تعلیمات جامعہ قادریہ کنز الایمان ، اندھیری ، ممبئی نے مرتب کردیا ہے ۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی کتاب پر اتنی عظیم وضخیم تحریریں اتنی سرعت وعجلت میں لکھی گئی ہیں ۔ یہ تحریریں امام احمد رضا کی نثر نگاری کے حوالے سے ماخذ کا کام کریں گی ۔

☆ مجموعہائے خطوط رضا کا تعارف و تفصیل

پیش گفتار چھوڑ کر خاکسار کا دوسرا مضمون ہے ۔ دراصل یہ اس مقدمہ کا مرکزی حصہ ہے ، جو ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد اول کی ابتداء میں شامل ہے ۔ بعد میں یہ سہ ماہی ''رفاقت'' پٹنہ اور ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی میں شائع ہوا ہے ۔ حقیقتاً یہ مضمون مطالعے اور خاصے کی چیز ہے ۔ جو بسیار تلاش وتحقیق ، جاں کاہی وکوہ کنی اور عرق ریزی و پتا ماری کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئی ہے اس مضمون نے بہت سے اہل علم وہنر کو متاثر کیا اور ان کی معلومات میں اضافہ کیا ہے ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے لفظوں میں یہ فاضلانہ اور محققانہ ہے ۔ دار العلوم قادریہ چریا کوٹ کے مہتمم حضرت علامہ عبد المبین نعمانی کے بقول: یہ چشم کشاں ہے اور ڈھیر ساری معلومات کا مرقع ہے ۔

☆ دعوت حق ، مکتوبات رضا کی روشنی میں :

یہ مضمون علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے اثر خامہ کا خوبصورت نمونہ ہے ۔ زبان وبیان پر قدرت ، اسلوب کی انفرادیت ، اظہار مافی الضمیر کا انوکھا پن ، ترسیل وابلاغ کی دلکشی ، پیرائے بیان کی ادائے دلنواز اور مثبت معروضی منطقیانہ مدلل انداز سے وہ ایسی فضا پیدا کردیتے ہیں کہ حقیقت تک قاری کی رسائی بآسانی ہوجاتی ہے ۔ یہی وہ خوبی وکمال ہے ، جو ان کی تحریر و قلم کو علماء و محققین کی صف میں ممتاز کرتی ہے ، اور اظہار مدعا کے تو وہ سدرۃ المنتہیٰ پر فائز نظر آتے ہیں ، کتاب میں مشمولہ مضمون اس بات کا ثبوت ہے ۔

☆ محدث بریلوی کا ذوق عبادت، مکتوبات کے آئینے میں:

یہ مضمون مفتی نظام الدین رضوی کا ہے۔ مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں فاضل استاذ ہیں۔ صدر شعبہ افتاء ہیں۔ ضلع دیوریا و گورکھپور کے قاضی ہیں، محقق مسائل جدیدہ ہیں۔ جدید مسائل کے افہام و تفہیم کے لئے ملک و بیرون ملک کی علمی و فقہی مجلس مذاکرہ اور سیمینار میں شرکت فرماتے رہتے ہیں، خالص درسگاہی اور دارالافتائی آدمی ہیں۔ مگر اردو زبان وادب پر علی الکمال قدرت اور شگفتگی ان کی تحریر میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ خود متقی، متدین، پارسا، پرہیزگار، اور عبادت گذار ہیں، امام احمد رضا کے ذوق عبادت کا انہوں نے جائزہ لیا ہے، جس کے عقب سے خود ان کا ذوق عبادت نمایاں ہو کر سامنے آگیا ہے، یہ مضمون ہر مسلمان کو دیدۂ عبرت سے پڑھنا چاہیے۔

☆ مکاتیب رضا میں انشاء پردازی کی خوبیاں:

یہ تبصرہ نما تحقیقی مقالہ علامہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کا ہے۔ سید صاحب قبلہ صاحب علم ہیں۔ صاحب نسبت ہیں۔ اہل قلم ہیں۔ رائے صائب اور فکر ثاقب کے مالک ہیں۔ ذکی الحس، قوی الارادہ ہیں۔ زبان و قلم میں تاثیر و طاقت ہے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کی صدارت کی ذمہ داری جب سے سنبھالی ہے۔ اس کی دعوت کی سرگرمیاں، اس کی موثر آواز، اس کا ریسرچ نیٹ ورک، عالمی رابطہ اور اشاعتی کوششوں کو فرش سے اٹھا کر عرش تک اچھال دیا ہے۔ اب ان کی شخصیت بین الاقوامی شہرت و مقبولیت کی حامل بنتی جارہی ہے۔

شروع ہی سے وہ میرے تحقیقی کاموں میں حددرجہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ پذیرائی و ہمت افزائی کرتے رہے ہیں۔ ''کلیات مکاتیب رضا'' چھپی، تو ان کی خوشی کا

ٹھکانہ نہ رہا۔ غور سے پڑھا، محبت سے دیکھا، تعارف وتبصرہ لکھنے بیٹھے، تو ایک ضخیم تحقیقی مقالہ تحریر کر ڈالے، اب اس کی حیثیت تعارف وتبصرہ سے زیادہ تحقیقی مقالہ کی ہے، اس لئے ان کے مقالے کو تاثرات وتبصرے کے بجائے مقالات کے ضمن میں ضم کر دیا۔ نثر نگاری، مکتوب نگاری، انشاء پردازی، انشائی ادب کا یہ مقالہ سب سے وزنی ہے۔ نئے لکھنے والے اس سے کئی چراغ روشن کر سکتے ہیں۔

☆ فاضل بریلوی کے تین مطبوعہ خطوط (پس منظر):

یہ مضمون پروفیسر محمد ایوب قادری کا ہے۔ پروفیسر موصوف اصل متوطن آنولہ، یوپی۔ کے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں جا رہے تھے، امام احمد رضا کے وہ نہ تو ہم خیال وہم مسلک تھے، نہ تو عقیدت مند۔ تاہم انہوں نے سچ کو سچ ہی سمجھا ہے اور حق کو حق ہی بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ ان کی علمی دیانت ہے، مضمون مختصر ہے۔ مگر اس سے بہت کچھ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اہل بصیرت غور کریں، تو اور بھی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں، امام احمد رضا کی فکر وفتویٰ کا بے غبار چہرہ آئینہ ہو کر سامنے آسکتا ہے۔ الزامات کے ڈھیر سارے دھبوں سے ان کا دامن بے داغ نظر آسکتا ہے اور اختلافات کی بہت سی دیواریں گر سکتی ہیں۔

☆ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری:

یہ تحریر ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف اردو زبان وادب کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مشہور نثر نگار اور ناقد ہیں اپنی ایجاز بیانی اور اختصار نویسی میں جامعیت کے گل بوٹے اگاتے ہیں۔ یہ ان کا خاص وصف ہے۔ اسلامیات پر بھی گہری نظر ہے۔ گاہ بگاہ طنز ومزاح سے اپنی تحریر کو نمک پارہ بنا دیتے ہیں، نئے لکھنے والوں کے لئے ان کی تحریر واسلوب میں حکمت وبصیرت کا بہت سا سامان موجود ہوتا ہے۔

نژادنو میں جو لوگ تحریر و قلم کا ستھرا ابھرتا ہوا ذوق رکھتے ہیں، بزرگ قلم کار ڈاکٹر موصوف کو ان کی سرپرستی اور تربیت کرنی چاہیے۔

☆ **ملک العلماء، مکتوبات رضا کے آئینے میں:**

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی گنتی ہند و پاک کے ممتاز اہل قلم میں ہوتا ہے۔ امام احمد رضا پر وہ برسوں سے برابر لکھتے چلے آرہے ہیں، عام موضوعات کے علاوہ، وہ ان علوم وابحاث کو بھی چھوتے ہیں، جن کے جاننے والے اب تقریباً ناپید ہیں۔ اس اعتبار سے وہ خاص امتیاز کے حامل ہیں۔ امام احمد رضا اور ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین رضوی عظیم آبادی کے درمیان دلی تعلقات اور قلبی لگاؤ عالم آشکار ہے۔ اس پر انہوں نے بطور خاص روشنی ڈالی ہے، اس علمی کساد بازاری میں ڈاکٹر موصوف جو کچھ لکھتے ہیں، وہ ان کے لئے توشۂ آخرت ہوتا ہے۔ موصوف کو لکھتے رہنا چاہیے۔ تحریر کی جوت جگاتے رہنا چاہیے۔

☆ **امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں:**

حضرت علامہ مولانا مصطفےٰ خان مہتابی کے حال واحوال تک اپنی رسائی نہیں۔ چنانچہ تعارفی جملے لکھنے سے قاصر ہوں۔ مگر ان کا مضمون ظاہر کرتا ہے کہ وہ ذی علم شخصیت کے مالک ہیں۔ اسلوب میں انفرادیت ہے، برجستگی ہے۔ ادب کی چاشنی ہے۔ مدّعا کی ترسیل میں کامیاب ہیں۔

☆ **امام احمد رضا کی انشاء پردازی، مکتوبات کے آئینے میں:**

☆ **امام احمد رضا کی مکتوب نگاری، فکر وفن کے آئینے میں:**

یہ دونوں مضامین مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری کے ہیں ۔ جو سہ ماہی

''افکار رضا''، ممبئی اور ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی میں شائع ہوئے۔ مولانا نوجوان فاضل ہیں۔ مخلص، متحرک، صاحب لیاقت اور دردمند ہیں۔ رانچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے۔ ''امام احمد رضا کی انشاء پردازی'' یہ مقالہ ابھی چھپا نہیں ہے۔ مقالہ کے حجم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انتھک محنت کی ہے۔ یہ ضخیم و عظیم مقالہ چھپ جائے، تو امام احمد رضا کی نثر نگاری و انشاء پردازی اور کئی جہتیں ابھر کر سامنے آئیں گی۔ مندرجہ بالا مضامین پر انہوں نے اپنی سی کوشش کی ہے۔ جو بہر حال قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔

☆ ملک العلماء، مکتوبات رضا کی روشنی میں:

خاکسار کا یہ مضمون اس وقت کا ہے۔ جب رنگین و تخلیقی نثر لکھنے کا شوق تھا۔ اب مزاج، مذاق، منہاج بدل چکا ہے۔ سادہ نگاری سے مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ سادگی پیرایۂ بیان اہل علم کے علاوہ عوام کو بھی بھاتی ہے۔ مدعاء نگارش تفہیم و ترسیل ہے۔ نہ اپنی لیاقت کی نمود و نمائش۔ اسلوب تو ہر حال میں جھلک ہی جاتا ہے۔ خیر یہ بھی بطور تتمہ و تکملہ نہیں، برنگ طفیلیہ شامل کتاب ہے۔

☆ غیر مطبوعہ خطوط کا جائزہ

یہ مضمون گرامی قدر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی مرتبہ کتاب ''غیر مطبوعہ خطوط رضا'' کے جائزے پر مبنی ہے جو پچھلے سال ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی، اور سالنامہ ''یادگار رضا''، ممبئی میں چھپ چکا ہے۔

(ب)

☆ کلیات مکاتیب رضا

اس میں جو مضامین و تحریرات ہیں، وہ سب ''کلیات مکاتیب رضا'' کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں، تلاش بسیار، بڑی عرق ریزی، انتھک محنت اور نہایت تحقیق کے بعد یہ کتاب سامنے آئی ہے، ۲۰۰۵ء میں ہی اس کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں، پہلے کلیر شریف، ہندوستان سے، پھر لاہور، پاکستان سے۔ جب یہ کتاب اہل علم تک پہنچی، تو بے ساختہ مبارک بادیاں دیں، دعاؤں سے نوازا، تاثرات لکھے، تبصرے قلمبند کئے، تنقیدیں لکھیں اور ہمیں ارسال کیا، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تاثر و تنقید، قبول ورد، مدح و قدح، خامی و کمی، خوبی و خامی کی نشاندہی سب قبول ہے۔ سب کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرتا ہوں اور شکر گذار بھی ہوں، ان چیزوں کی اشاعت کی غرض، امام احمد رضا کی مکتوب نگاری، نثر نگاری اور انشاء پردازی پر مواد فراہم کرنا ہے۔

☆ حیات رضا کی نئی جہتیں

یہ کتاب میری پی ایچ ڈی کے دراصل باب سوم پر مشتمل ہے طویل ہونے کی وجہ سے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا اور مختصراً مقالہ تحقیق میں پیش کر دیا گیا ہے

☆ خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا

خطوط مشاہیر کلیات ہی کا دوسرا پارٹ ہے کلیات مرسلہ خطوط کا مرقع ہے اور خطوط مشاہیر موصولہ خطوط کا مرقع ہے۔ دونوں مرقعوں سے امام احمد رضا کی شخصیت

روز روشن کی طرح ابھر کر سامنے آتی ہے۔ محققین چاہیں تو دونوں کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کی بسیط سوانح حیات مرتب کر سکتے ہیں۔ جو راست ماخذ پر مشتمل ہوگی اور ساتھ ہی ان دونوں کتابوں سے امام احمد رضا کا زمانہ اپنے تمام احوال و مسائل کے ساتھ آئینہ ہو کر سامنے آتا ہے۔

☆ پرواز خیال

میرے اداس لمحوں کی یادگار ہے۔ جب اس کا مسودہ تیار ہوا، تو ایک سے زیادہ صاحبان علم و قلم کو بغرض سے اصلاح روانہ کیا گیا۔ تین جگہوں سے جواب تیکھا اور مایوس کن ملا۔ ایک دو جگہ خاموشی رہی، البتہ دو بالغ نظر دانشوروں نے اپنی گراں قدر تقدیم و تقریظ سے کتاب کو سند اعتبار عطا کر دی۔ یہ میری خوش نصیبی ہے۔ ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا؟ استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی مظفر پور نے بھر پور پذیرائی فرمائی۔ میرے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے یہ ان کا حسن ظن ہے۔ خدا ان کے ظن کو سچائی کا جامہ پہنائے۔ مخدوم محترم حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ نے نہ صرف تقدیم ارقام فرمائی، بلکہ ان کے ایماء پر اراکین ادارہ مسعودیہ لاہور شاخ نے ۲۰۰۵ء ہی میں کتاب شائع بھی کر دی۔ خاکسار ان تمام کرم فرمائیوں کے لئے سراپا سپاس ہے۔

☆ وجہ تالیف:

مکتوب، مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس آئینہ میں اس کا حسن و قبح ، بھلا، برا، سیاہ و سفید سب کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ اس اعتبار سے مکتوب نگار کو سمجھنے کے

لئے مکتوب اہم ماخذ قرار پاتا ہے، امام احمد رضا کے مکاتیب ان کے حیات ہی میں چھپنا شروع ہو گئے تھے۔ مجموعی شکل میں بھی اور انفرادی صورت میں بھی۔ مگر سب چھپ چھپ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے، نایاب ہو گئے۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول کے آخر میں بطور ضمیمہ کچھ خطوط، مکتوبات امام احمد رضا مرتبہ مفتی محمود احمد قادری، اکرام امام احمد رضا مرتبہ مفتی برہان الحق رضوی خال خال چھپتے رہے۔ صاحبان علم وعقیدت کی زینت نگاہ بنتے رہے۔ ان مجموعوں میں شامل خطوط کچھ ذاتی نوعیت کے زیادہ تھے۔ ان تینوں کتابوں میں خطوط کی تعد ۱۰۰ بھی نہیں۔

چنانچہ اہل قلم کو شکایت ہوئی کہ امام احمد رضا کے خطوط دستیاب نہیں، کام کیوں کر کیا جائے۔ شکوہ گذاروں میں اپنے بھی تھے اور بیگانے بھی، آغاز کار میں خود مجھے بھی یہ شکایت تھی۔ لیکن پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اصرار آمیز مشورہ سے 'امام احمد رضا کی مکتوب نگاری' پر کام شروع کر دیا۔ فضل الٰہی نے یاوری فرمائی، صاحب تصرف واختیار بزرگوں کا فیضان نظر شامل حال رہا، ذاتی طور پر بھی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ شوق جنوں انگیز میں زلف یار کی یوں مشاطگی کی، الجھے ہوئے کاکل، بکھرے ہوئے گیسو کو اس طرح سنوارا کہ خطوط رضا کا ایک دبستان تیار ہو گیا۔ للہ الحمد علی احسانہ۔

''کلیات مکاتیب رضا'' اول، دوم میں مشمولہ خطوط کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو سے زائد ہے۔ تیسری جلد بھی ہے، جو ابھی چھپی نہیں ہے، یہ پہلا موقع ہے، خطوط رضا کی اتنی بڑی تعداد اہل علم وتحقیق کی میز تک پہنچی ہے، غالب گمان ہے۔ شکایت کنندگان کی شکایت اس کتاب سے رفع ہو چکی ہوگی۔ اب اہل قلم کام کریں۔ خطوط رضا کا جائزہ لیں اور وہ تمام پہلو تلاش کریں، جو غالب، اقبال، سرسید، ابوالکلام آزاد، حالی، شبلی، سرسید سلیمان ندوی، اور دیگر ممتاز مکتوب نگاروں کے خطوط میں تلاش کئے

جاتے ہیں، قلم کاروں نے مکاتیب رضا کا اگر عادلانہ جائزہ لیا، ہمدردانہ تجزیہ کیا، حقیقت پسندانہ مطالعہ کیا، تو بہتر سے بہتر نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ نثر نگاری ومکتوب نگاری میں امام احمد رضا کا وہ بلند مقام ومرتبہ متعین کیا جاسکتا ہے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔

بہتر نتائج کی بات میں نے اس لئے کہی ہے کہ جدید تحقیق کے مطابق امام احمد رضا کو دوسو سے زائد علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی یا کم از کم پچپن علوم تو طے ہے۔ ان علوم میں ان کی تصانیف ونگارشات بھی ہیں، حواشی وتعلیقات بھی، ملفوظات ومکتوبات بھی، اور آثار وباقیات بھی، اس تناظر میں بہتر نتائج کی بات بے جا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی خط نگاری میں جو اسلوبیاتی رنگارنگی ہے، جو موضوعاتی تنوع ہے۔ بنگاہ انصاف دیکھیں تو وہ کہیں اور نہیں ہے، یہ ادعا نہیں، حقیقت ہے۔ کنگن ہاتھ کو آرسی کیا، ذرا جھانک کر دیکھیں۔

بلند مقام ومرتبہ کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے امام احمد رضا ایک ہزار کتابوں کے مصنف تھے۔ جب کہ متذکرہ مکتوب نگاروں میں کوئی ایسی ایک بھی شخصیت نہیں ہے، جس کی تعداد کتب سوتو دور کی بات، دودرجن تک بھی نہیں پہنچتی۔ یونہی ان مکتوب نگاروں کے مجموعہائے خطوط اور تعداد خطوط سے امام احمد رضا کے خطوط کے مجموعے اور تعداد زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے، یہ تو صرف کمیت کی بات ہے۔ جہاں تک کیفیت کا معاملہ ہے۔ تو وہ اہل علم پر خوب واضح ہے۔ لہٰذا امام احمد رضا کو ان کا صحیح مقام ملنا چاہیے، قابل توجہ امر یہ بھی ہے جنہوں نے دس بیس یا سو صفحہ لکھے ہوں اور جنہوں نے سو دوسو نہیں، ہزار صفحات لکھے ہوں۔ یونہی جنہوں نے دس بیس کتاب تصنیف کئے ہوں اور جنہوں نے دوچار سو نہیں، ہزار کتابیں لکھ ڈالی ہوں۔ پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جنہوں نے پانچ دس علم وفن پر اپنے نقوش چھوڑے ہوں اور جنہوں نے دوسو علوم وفنون میں اپنی

نگارشات وتحقیقات کا انبار لگا دیئے ہوں۔ یہ وہ وجوہ وامور ہیں، جو قلم کاروں کو اس بات کا انتباہ دیتے ہیں کہ وہ دونوں میں جو تناسب قائم کریں، جائزہ لیں، موازنہ کریں تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ دیانت کا تقاضہ پورا کریں، تقابل وموازنہ بنگاہ حقیقت کریں تا کہ صحت مند نتیجہ منتج ہو سکے۔

خطوط رضا میں مندرج آیات، احادیث، فقہی عبارات کی تخریج، رجال وشخصیات، اماکن ومقامات کا اشاریہ جات اور حواشی وتعلیقات کا کام میرے لئے مشکل نہیں تھا، نہ اب ہے۔ لیکن وقت اور حالات کی ناآسودگی نے نہ کرنے کا موقع دیا، نہ اب دیتی ہے۔ حتی المقدور جو کچھ ہوتا ہے پیش کر دیا جاتا ہے۔ مگر کام کرنے کی ضرورت اب بھی ہے، بلکہ اب تو کام کرنے کے امکانات بہت حد تک بہت زیادہ روشن ہو گئے ہیں۔ جب قلت مواد کا شکوہ تھا، بحمدہ تعالیٰ اب مواد کی فراوانی ہے، اولوالعزم نوجوان فضلاء اور مخلص محققین اٹھیں اور کام کریں۔

☆ خطوط رضا پر کام کرنے کی تجاویز وعناوین:

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اپنے تبصرے میں تجویز دی ہے۔ درج ذیل گوشوں پر کام ہونا چاہیے۔

- ☆ خطوط رضا میں منقولہ آیات واحادیث اور فقہی نصوص کی تفصیلی تخریج۔
- ☆ رجال وشخصیات اور اماکن ومقامات کے اشاریہ جات کی ترتیب۔
- ☆ خطوط رضا کی روشنی میں سوانح امام احمد رضا کی ترتیب وتدوین۔

یہ تینوں تجاویز بڑی اہمیت کی حامل ہیں، خطوط کی روشنی میں جو سوانح مرتب ہوتی ہے، وہ سوانحی ادب میں اہم سے اہم تر مانی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت باعتبار

سند و ماخذ کے نہایت معتبر و مستند قرار دی گئی ہے۔

ڈاکٹر امجد رضا امجد، پٹنہ نے ''کلیات مکاتیب رضا'' غور وانہماک سے پڑھی ہے نگاہ نقد ونظر سے بھی دیکھی ہے۔ انہوں نے کچھ تنقیدی حملے وحربے بھی استعمال کئے ہیں۔ جو مجھے بہت اچھے لگے، ان حملوں اور حربوں نے مجھے زیر لب مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ڈاکٹر امجد صاحب نے جو شقوق و نکات ابھارے ہیں۔ وہ اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ ان کو عنوان بنا کر خطوط رضا پر کام کیا جائے، مثلاً:

☆ امام احمد رضا کے شب و روز کی مصروفیات ☆ احباب کے تذکرے ☆ مختلف رسائل کی تصنیف اور ان کی اشاعت کی کیفیت ☆ عہد بہ عہد جسمانی عوارض اور علاج و معالجہ کی تفصیلات ☆ مختلف مقامات کے اسفار کی کیفیت ☆ مختلف امراض کے لئے نقوش ووظائف اور طبی ادویات ☆ طبیبانہ مہارت ومعلومات ☆ پسند و ناپسند اشیاء ☆ مکتوب الیہ کو بھیجی گئی کتب وتعویذات ☆ تحقیق مسائل کے لئے دور دراز شہروں سے کتابیں یا ان کی عبارات کی طلبی ☆ الفاظ کی تحقیق ☆ عہد رضا کی علمی، سماجی، مذہبی اور سیاسی کیفیات ☆ مختلف افراد کو بھیجے گئے تاریخی قطعات ☆ بڑوں کا ادب واحترام ☆ چھوٹوں پر شفقت ☆ بہ فرق مراتب القابات کے استعمال کا انداز ☆ اخبار بینی کا معمول ☆ اسلام مخالف تحریکات کی یورش اور اس کے سد باب کے لئے آپ کی قربانیاں، وغیرہ۔

خطوط رضا پر کام کرنے کی مزید جہتیں:

☆ امام احمد رضا کے اردو خطوط:

☆ خطوط رضا میں قرآنی آیات کی کثرت ☆ قرآنی فکر و نظریہ ☆ تفسیری نکات و مباحث ☆ احادیث کی کثرت استعمال اور تشریح و توضیح ☆ نصوص فقہ سے نقل و استناد ☆ فقہائے سلف سے اختلاف اور مختلف فیہ مسائل و روایات میں تطبیق و توفیق ☆ علم کلام و مناظرہ سے متعلق مباحث کا خلاصہ و نتیجہ ☆ ہیئت و ریاضی پر کمال وعبور ☆ اعتقادی و نظریاتی مسائل و مباحث کا منصفانہ جائزہ ☆ سیاسی نقطہ نظر کا تحلیلی جائزہ ☆ معاشی واقتصادی اصلاحات وامکانات ☆ نظام بینک کاری کا قیام و طریقہ کار ☆ اصلاحی مساعی جمیلہ ☆ فن اصلاح سخن ☆ سماجی و عصری ادراک وحسیت ☆ عالمی تغیرات وانقلابات پر نظر وانتقاد ☆ مختلف اسالیب پر قدرت اور ان کے نمونے ☆ مادہائے تاریخ کے استخراج پر کمال واستحضار ☆ ہم عصر صحافتی رویوں کا ادراک ☆ تعزیت نگاری کا منفرد انداز ☆ طبی نسخہ جات وتعویذات ☆ رضا اور اقبال کا تقابلی مطالعہ ☆ کسی بھی مشہور مکتوب نگار کے مکتوبی ذخیرہ سے خطوط رضا کا تقابلی و تحقیقی جائزہ ☆ اردو کے عناصر خمسہ اور امام احمد رضا ☆ اساتذہ سخن اور امام احمد رضا ☆ طنز و ظرافت ☆ محاورات وضرب الامثال کا برمحل و برجستہ استعمال ☆ دعوت حق و تحریک اتحاد اسلامی کے لئے بلیغ کد و کاوش۔

امام احمد رضا کے عربی خطوط:

☆ ترتیب و تدوین ☆ علمی وادبی حیثیت کا تعین ☆ عربیت

ولفظیات پر مہارت وقدرت ☆ زیر بحث مسائل کی تحقیق ووضاحت ☆ مندرجہ آیات واحادیث ونصوص فقہ ودلائل کا احاطہ ☆ رجال وشخصیات اوراماکن کا انڈیکس ☆ مکتوب الیہم کا تعارف وجائزہ ☆ عربی دنیا سے امام احمد رضا کا تعارف ورابطہ ☆ علماء عرب بریلی میں ☆ علماء عرب امام احمد رضا کی نظر میں ☆ علماء عرب پر امام احمد رضا کے اثرات ونتائج ☆ نثری ومنظوم قطعات تاریخ ☆ مشہور عرب مکتوب نگاروں سے مکاتیب رضا کا تقابل وموازنہ۔

امام احمد رضا کے فارسی خطوط:

☆ تالیف وترتیب ☆ علمی وادبی ولسانی خصوصیات کا جائزہ ☆ زیر بحث مسائل ومعاملات کا معروضی مطالعہ ☆ شخصیات واماکن کا اشاریہ ☆ مکتوب الیہم کا مقام ومرتبہ ☆ علماء فارس وفارسی داں علماء ہند میں آپ کی حیثیت ☆ مادہائے تاریخ ☆ فارسی مکتوب نگاروں سے تقابلی مطالعہ۔

خطوط رضا کی خصوصیات:

میری پی ایچ ڈی کے مقالے کا ایک باب ہے ''امام احمد رضا کی خط نگاری کے خصوصیات وامتیازات''۔ اس میں میں نے خطوط رضا کی خصوصیات کا جائزہ اورامتیازات کے احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں صرف دو خصوصیت کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں، جو وہاں نہیں ہے۔

ایک تو یہ کہ خطوط رضا کا آئینہ ہمیں یہ دکھاتا ہے۔ امام احمد رضا کو نہ تو جلب منفعت سے غرض تھی، نہ حصول زر کا جذبہ اور نہ مال دنیا کی محبت وطلب۔ جبکہ ان کے

معاصرین کے خطوط میں زر، زن، زمین کی گونج خوب سنائی دیتی ہے۔ امام احمد رضا کا دامن ان باتوں کی آلودگیوں سے پاک نظر آتا ہے، بلکہ کسی نے پیش کش بھی کی ہے تو ان کی غیور طبیعت نے ٹال دیا، ڈانٹ دیا ہے۔ خطوط میں مثالیں موجود ہیں۔ یہاں مثالوں کا اندراج طول مبحث کا باعث ہوگا، ان کی شانِ بے نیازی پر ایک بھرپور مقالہ راقم نے لکھا، امام احمد رضا کانفرنس کراچی ۲۰۰۷ء میں پڑھا اور ماہنامہ ''معارف'' رضا کراچی میں چھپا بھی ہے، اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

دوم یہ کہ خطوط رضا کا مطالعہ ہمیں یہ کہنے پر ابھارتا ہے۔ ۱۴ بر س کی عمر سے زندگی کی آخری گھڑی تک کہیں کسی موڑ پر پوچھی گئی کسی بات کا جواب دینے سے وہ عاجز و قاصر نظر نہیں آتے۔ عنوان کوئی بھی ہو، سوال کیسا بھی ہو، چاہے وہ سوال کسی بھی فن میں ہو، نثر میں ہو یا نظم میں ہو، وہ ایسا جواب دیتے ہیں کہ سائل نہ صرف مطمئن ہوتا ہے، بلکہ حیران و ششدر رہ جاتا ہے، کہیں کہیں تو وہ سائل کے سوال میں کئی کئی سوالات از خود اٹھا دیتے ہیں، جو خود سائل کے ذہن میں نہیں ہوتے۔ پھر وہ ایسا جواب قلم بند کرتے ہیں کہ مذکور، محذوف، مقدر سب کا احاطہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ مگر یہ سب مکتوب الیہ کے ذہن و ظرف کو سامنے رکھ کر ہوتا ہے، یہ ایک ایسی خوبی و خصوصیت ہے، جو ان کے ہمعصر مکتوب نگاروں میں ناپید نہیں، تو نادر ضرور ہے۔

سید سلیمان ندوی مشہور ادیب و مورخ تھے، ڈاکٹر محمد اقبال کو ان سے بڑی عقیدت تھی، دونوں کے درمیان خاص تعلقات تھے، ڈاکٹر اقبال جب مسئلہ تالۂ زمان میں الجھے، تو اس مسئلے کی وضاحت کے لئے ندوی صاحب کو لکھا: علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سلیمان ندوی کے اور کون ہے، سوال و جواب اور خط و کتابت کا یہ سلسلہ مارچ ۱۹۲۸ء سے شروع ہو کر کم و بیش چھ سال تک جاری رہا،

مگر اس جوئے شیر کی پنگھٹ سے اقبال سیراب نہ ہو سکے، اور نہ فرہاد کا تیشہ اقبال کے کوئی کام آسکا، پروفیسر شبیر احمد غوری علیگڈھ نے اس مسئلہ پر محاکمانہ اور فیصلہ کن رائے کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بہر حال علامہ (اقبال) جس اضطراب ذہنی میں مبتلا تھے، اس سے نجات پانے کے لئے ان کی نگہ انتخاب سید صاحب (سلیمان ندوی) پر پڑی اور یہی ان کی بنیادی کوتاہی تھی۔ انہوں نے اپنے ملکہ مردم شناسی پر اپنے جذبہ عقیدت مفرطہ کو غالب آجانے دیا۔ سید صاحب کا علم و تبحر، ان کا تاریخی مطالعہ، ان کا ادبی ذوق ہر چیز اپنی جگہ مسلم، مگر: ع ہر مردے و ہر کارے۔

آخر تو سید صاحب اسی ادارے (ندوۃ العلماء) کے نمائندے تھے، جہاں سے معقولات کو سب سے پہلے دیس نکالا ملا تھا'' ...... وہ (ڈاکٹر اقبال) کم و بیش چھ سال سید سلیمان ندوی سے استفادہ کی کوشش کرتے رہے، مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات سے زیادہ نہیں نکلا'' (ماہنامہ ''برہان'' دہلی، دسمبر ۱۹۷۲ء بحوالہ اقبالیات از شبیر احمد غوری، مطبوعہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۸ء ص: ۳۵)

اقبال و سید صاحب کے مابین اس چھ سالہ خط و کتابت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، وہ تو آپ نے پڑھ لیا۔ ایک اور دو ٹوک تحریر پڑھئے، غوری صاحب لکھتے ہیں:

''مگر علامہ (اقبال) سید سلیمان ندوی کے اس درجہ عقیدت مند تھے کہ ان سے اس نئے خیال کی تصویب کرائے بغیر اپنانا نہیں چاہتے تھے، ادھر سید صاحب نے جو اس سنگلاخ وادی کے کبھی راہ رو نہیں رہے تھے۔ عافیت خاموشی ہی میں سمجھی، مگر علامہ نے اس خاموشی کو ''تصویب'' سمجھ لیا اور پھر جو اس فکری بے راہ روی کے قلزم ناپیدا کنار میں غوطہ لگایا، تو آخر تک اسی گرداب میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے اور ساحل نجات تک

رسائی آخر تک ممکن نہ ہوسکی۔ (نفس مصدر ص:۳۶)

پروفیسر شبیر احمد غوری کی کتاب ''اقبالیات'' نہایت دلچسپ بحثوں پر مشتمل ہے، معلومات افزا تحقیقی مواد ہے، غوری صاحب نے اس میں ڈاکٹر اقبال، سید سلیمان ندوی اور نیاز فتحپوری کے علاوہ اوروں کی بھی خبر لی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے یہی اقبال، سید سلیمان ندوی، نیاز فتحپوری امام احمد رضا کے علم وفن اور گہرائی و گیرائی کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھئے: امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، مرتبہ مولانا یاسین اختر مصباحی اور یہی غوری صاحب امام احمد رضا کو اسلامی فکر وفلسفہ اور ہیئت وریاضی کا آخری دانائے راز قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''...... جب ایسے ہمت شکن ماحول میں ہمیں فاضل بریلوی کی علمیت کا تجزیہ کرنے کا موقع ملتا ہے، تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ:

ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

یہ میری بدقسمتی اور اس سے زیادہ دوں ہمتی و کوتاہی تلاش وجستجو ہے کہ ان جواہر پاروں کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن جو بھی جواہر پارہ ملا، اس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ محض مصنف علام (امام احمد رضا) کی تعلّی شاعرانہ نہ تھی، ایک حقیقت نفس الامری ہے''۔ (مسلم علم الہیئت، ایک جائزہ از شبیر احمد غوری، مطبوعہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۸ء ص:۳۷۷)

امام احمد رضا کے خطوط، ملفوظات، تصانیف، حواشی، تعلیقات، مکتوبات، چھان ماریئے، کہیں کوئی عجز عن الجواب، خموشی، تاخیر یا تضاد بیانی نظر نہیں آئے گی، کاش! بحث زمان کا مسئلہ امام احمد رضا کے عہد میں پیدا ہوا ہوتا اور اقبال ان سے رجوع کرتے، تو اقبال یقیناً فکری بے راہ روی کے گرداب میں ہاتھ پاؤں نہیں مار رہے ہوتے

اور ساحل نجات کا کنارہ ان کو مل گیا ہوتا۔

آخر میں محبّ مکرم حضرت مولانا محمد مجیب الرحمٰن نوری و عزیز گرامی مفتی شرافت حسین رضوی اور مفتی سجاد حسین مالدوی کا میں مشکور ہوں کہ انہوں نے نہایت محبت اور محنت سے کتاب کی تصحیح و ترتیب میں اپنے علم و ہنر، ذوق و شوق کا مظاہرہ فرمایا اور کٹھن مرحلوں میں دستگیری فرمائی۔ میرے شکریہ کے خصوصی مستحق محبّ گرامی حضرت مولانا محمد مظہر حسین علیمی معاون ایڈیٹر سہ ماہی "سنی دعوت اسلامی"، ممبئ و مدرس جامعہ غوثیہ ممبئ، جو میرے آڑے وقتوں میں خنداں پیشانی سے کام آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اس کا بے پناہ اجر عطا فرمائے۔

غلام جابر شمس مصباحی بن قاضی عین الدین رشیدؔ غفرلہما

مجموعہائے خطوط رضا کا تعارف

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

بانی وسربراہ

مرکز برکات رضا ایجوکیشنل وچیریٹیبل ٹرسٹ

میرا روڈ، ممبئی

(کلیات مکاتیب رضا جلد اول، ص:۲۸ تا ۴۲)

(سہ ماہی ''رفاقت'' پٹنہ اپریل تا جون ۲۰۰۳ء ص:۳۶ تا ۵۴)

(ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی ۲۰۰۵ء ص:۱۶۵ تا ۱۷۴)

☆

وقت ہوا......اذان دی

دعا پڑھی......تو حدیث کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

''جو جہاں اذان دیتا ہے، وہاں کی چیزیں کل قیامت میں ان کے
حق میں گواہی دیں گی''

میں نے یہاں اذان دے کر پیڑ پودے...... پربت پہاڑ
شجر حجر...... چرند پرند اور فضا کو...... گواہ بنالیا
یہ واقعہ پنچٹی گھاٹ......دھواں دھار......جبل پور کا ہے
علماء اور احباب ہمراہ تھے
عصر حاضر میں علماء اپنے شاگردوں سے اذان دلواتے ہیں
اور مشائخ اپنے مریدوں سے
علماء و مشائخ اذان دینا کسر شان سمجھتے ہیں
لیکن وہاں آج وقت کا مجدد اذان دے رہا تھا
کون؟......امام احمد رضا بریلوی

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۵)

بظاہر عام اہلِ علم کی نگاہوں میں خطوطِ رضا کے دو تین ہی مجموعے ہیں۔ جب کہ یہ مجموعے ایک درجن سے بھی زائد ہیں۔ مجموعوں کے مرتبین میں مکتوب نگار سمیت کئی حضرات نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان کے دونوں صاحبزادے حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا و مولینا مصطفیٰ رضا، ان کے تلامذہ و خلفاء اور ان کے احباب و متعلقین بھی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے مجموعہ کا تعارف مختصراً کر دیا جائے۔ تعارف و تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱ مراسلت سنت وندوہ، مرتبہ حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا خان، موضوع اصلاحِ ندوہ صفحات ۲۴ مطبع نظامی، بریلی، تعداد مکتوب ۵۔ ۱۸۹۵ء

یہ ان کا اولین مجموعہ مکاتیب ہے جو مکتوب نگار کی حیات میں ہی ۱۳۱۳ھ میں مطبع نظامی بریلی سے چھپا تھا۔ اس میں کل پانچ خطوط ہیں۔ ۳/ امام احمد رضا کے قلم سے نکلے ہیں جو مولانا سید محمد علی مونگیری ناظم ندوہ کے نام مرسل ہوئے ہیں اور ۲/ خط ناظم ندوہ کے امام احمد رضا کے نام ہیں یعنی اس میں مکتوب اور جواب مکتوب دونوں موجود ہیں۔ بلحاظ تاریخ دونوں میں ہوئی مراسلت کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام ناظم ندوہ محررہ ۲۹/ شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۲) مکتوب ناظم ندوہ بنام امام احمد رضا محررہ ۳۰/ شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام ناظم ندوہ محررہ ۵/ رمضان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء
(۴) مکتوب ناظم ندوہ بنام امام احمد رضا محررہ ۱۱/ رمضان ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء

(۵) مکتوب امام احمد رضا بنام ناظم ندوہ محررہ ۱۵؍رمضان ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء

۲۹؍شعبان، ۵؍اور ۱۵؍رمضان کو لکھے گئے۔ یہی وہ تین خط ہیں جنہیں مفتی محمود احمد قادری نے اپنی تالیف ''مکتوبات امام احمد رضا'' میں جمع کیے ہیں۔ جو ص ۸۸ تا ۱۲۰ پر موجود ہیں۔

۲ اطائب الصیب علی ارض الطیب، مرتبہ، مولینا سید عبدالکریم قادری بریلوی، موضوع فقہ، مسئلہ تقلید صفحہ ۴۸، مطبع اہلِ سنت و جماعت، بریلی ۱۳۱۹ھ

پیش نظر مجموعہ خطوط، امام احمد رضا اور مولینا طیب عرب مکی جو مدرسۂ عالیہ رام پور کے پرنسپل تھے، کے درمیان ہوئی خط و کتاب کا مجموعہ ہے۔ زیرِ بحث موضوع مسئلہ تقلید ہے۔ اس میں خطوط کی تعداد نو ۹ ہے۔ ۵؍امام احمد رضا کے ہیں اور ا؍مولینا واعظ الدین اسلام آبادی کے، یہ چھ خط مولینا مکی کے نام بھیجے گئے تھے اور ۳؍خط مولینا طیب عرب مکی کے ہیں جو امام احمد رضا کے نام آئے تھے۔

یہ جملہ خط و کتابت عربی زبان میں ہوئی تھی۔ افادۂ عام کی غرض سے حضرت مولینا سید عبدالکریم قادری نے اردو میں ترجمہ کیا تھا اور اسی زمانے میں شائع اس لیے کر دیا گیا کہ مولینا مکی امام احمد رضا کے رد میں ''ملافظۃ الاحباب'' نامی کتاب چھپوا رہے تھے۔ مجموعہ مذکورہ بعد میں فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱؍میں ضم کر دیا گیا ہے۔ جو ص ۳۱۱ تا ۳۴۳ پر موجود ہے۔ پھر مفتی محمود احمد قادری نے امام احمد رضا کے پانچوں عربی خطوط مع اردو ترجمہ ''مکتوبات امام احمد رضا'' ص ۱۳۱ تا ۱۵۶ میں شامل کر دئے ہیں۔ خاکسار کے سامنے قدیم و جدید سبھی نسخے ہیں۔ خطوں کی تاریخی ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکتوب مولینا طیب مکی بنام امام احمد رضا محررہ ۱۴؍جمادی الاخری ۱۳۱۹ھ

(۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی محررہ ۲۰؍جمادی الاخری ۱۳۱۹ھ

(۳) مکتوب مولینا طیب مکی بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی محررہ ۲؍شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

(۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا طیب مکی محررہ ۵؍شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

(۶) مکتوب مولینا طیب مکی بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۷) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا طیب مکی محررہ ۹؍ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

(۸) مکتوب مولینا واعظ الدین بنام مولینا طیب مکی محررہ ۹؍ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

(۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا طیب مکی محررہ ۱۱؍ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

۳ دفع زیغ وزاغ، مرتبہ، حضرت مولانا سلطان احمد سلہٹی، موضوع ''فقہ''
صفحات ۲۰ مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی ۱۳۲۰ھ تعداد مکتوب ۳۔

گنگوہ کے مولینا رشید احمد حلت غراب کے قائل تھے۔ جواز غراب پر ان کا ایک فتویٰ ''خیر المطابع'' میرٹھ میں ۲؍اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ مسلمانوں نے ''خیر المطابع'' کا تراشہ بھیج کر امام احمد رضا سے حکم شرعی معلوم کیا تو انہوں نے عدم جواز کا فتوی دیا۔ پھر دونوں میں مراسلت شروع ہوئی چنانچہ ۷؍شعبان ۱۳۲۰ھ کو امام احمد رضا نے ایک طویل رجسٹری خط مولینا گنگوہی کو ارسال کیا۔ مولینا گنگوہی نے رجسٹری لینے اور جواب دینے سے انکار کر دیا البتہ اطلاع کے لیے ایک کارڈ بھیج دیا۔ جس پر تاریخ درج نہیں ہے۔ کارڈ موصول ہوا تو امام احمد رضا نے پھر ایک طویل مکتوب ۱۱؍شعبان کو روانہ کیا۔ جس کا جواب شاید ادھر سے کچھ نہیں ملا۔

حضرت مولینا سلطان احمد سلہٹی نے ان خطوں کو مرتب کیا۔ اور یہ مجموعہ ''دفع زیغ

وزاغ'' اور ''رامیان زاغیان'' کے تاریخی نام سے مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی کے اہتمام سے چھپ کر عام ہوا۔ ۱۳۲۷ھ کو اس کا دوسرا ایڈیشن حضرت مولینا حکیم حسنین رضا خان کے خاص اہتمام سے نکلا۔ یہ رسالہ ''رسائل رضویہ'' حصہ اول مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۸۸ء اور مطبوعہ ادارہ اشاعت تصنیفات رضا، بریلی میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ راقم کے مطالعہ میں اس کا دوسرا ایڈیشن اور لاہور و بریلی کا نسخہ بھی ہے۔ ان نسخوں کی عبارتوں میں قدرے تکرار نظر آتی ہے۔ مذکورہ نسخوں کی روشنی میں خاکسار نے تینوں خطوں کو مرتب کر دیا ہے۔ ترتیب یہ ہے۔

(۱)　مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا رشید احمد گنگوہی　محررہ　۷ر شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

(۲)　مکتوب مولینا رشید احمد گنگوہی بنام امام احمد رضا　محررہ　(تاریخ درج نہیں ہے)

(۳)　مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا رشید احمد گنگوہی　محررہ　۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

۴　**ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری**، محررہ امام احمد رضا موضوع فقہ سیاست مسئلہ مسجد شہید کانپور، صفحات ۴۰ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی ۱۳۳۱ھ، تعداد مکتوب ۲

۳۰ر ذی القعدہ کو امام احمد رضا سے ایک سوال ہوا۔ سائل مولینا سلامت اللہ صاحب نائب منصرم ''مجلس مؤید الاسلام''، لکھنؤ تھے۔ مسئلہ مسجد شہید کانپور سے متعلق تھا۔ امام احمد رضا نے جواب لکھا۔ اور ساتھ ہی چند امور کی وضاحت بھی چاہی۔ سائل موصوف نے ۳ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو وضاحت طلب امور کی تشریح لکھ بھیجی اور اپنے خط میں لکھا۔

''استفتاء موصول ہوا، مشکور فرمایا۔ ہم کو اصل مسئلہ کے متعلق جناب کی رائے سے آگہی ہوگئی مگر جناب کے استفسارات کے باعث ضرور ہوا کہ امور مستفسرہ کا جواب دیا جائے ان کو مفصل لکھ کر ارسال کرتا ہوں......'' ؎۱

اس کا جو جواب امام موصوف نے دیا وہ کتاب کے صفحہ ۸ سے صفحہ ۴۰ تک مرقوم ہے۔ اس میں پچاس دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔ صفحہ ۴۰ کے بعد صدر الشریعہ مولینا امجد علی اعظمی کی ''قامع الواہیات من جامع الجزئیات'' مع تذئیل......'' کے عنوان سے ہے۔ یہ رسالہ اسی زمانہ میں مطبع مذکور سے طبع ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد اسے ''فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ'' جلد ۱۶، ص ۳۶۵ تا ۴۰۰ طبع لاہور میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ امام احمد رضا کی فقہی و سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں صرف دو خط ہیں۔ ایک مستفتی کا اور دوسرا مفتیٔ علام کا۔

۵ اجلی انوار الرضا، مرتبہ حجۃ الاسلام مولینا حامد رضا خان، موضوع فقہ، مسئلہ اذان ثانی جمعہ، صفحہ ۲۴، مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی، ۱۳۳۴ھ تعداد مکتوب ۴۔

اس مجموعۂ خطوط کی اشاعت کی تقریب یوں ہوئی۔ حضرت مولینا معین الدین اجمیری اہل سنت کے مشہور عالم دین تھے۔ اور امام احمد رضا کے سیاسی حریف، ۳۵ر صفحات پر مشتمل ان کی ایک کتاب ہے۔ ''القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان عند المنبر'' ؎۲ جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی اندرونِ مسجد ہو۔ میرے خیال میں کتاب کا اسلوب غیر علمی اور غیر متمدن ہے۔ ان کا یہ رسالہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ رسالہ کی لوح پر یہ عبارت درج تھی:

''حسب الحکم فضیلت مآب خان بہادر مولینا مولوی حافظ حاجی محمد انوار اللہ فاروقی معین المہام امور مذہبی، بصدر الصدور صوبہ جات دکن دامت برکاتہم بانی جامعہ نظامیہ''

امام احمد رضا اذان ثانی بیرون مسجد کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے شیخ الاسلام مولینا فاروقی کو کئی خطوط اس لیے ارسال کیے کہ "حسب الحکم......" کا انتساب کہاں تک صحیح ہے۔ انہوں نے پہلا خط ۱۲ / رمضان ۱۳۳۳ھ کو روانہ کیا۔ جس کا جواب حضرت شیخ نے ۳۵ / دن کے بعد دیا۔ جو غیر مؤرخ ہے۔ دوسرا خط ۱۸ / شوال کو بھیجا گیا۔ کامل ۱۰۰ دن انتظارِ جواب کے بعد ۲۹ محرم ۱۳۳۴ھ کو امام احمد رضا نے پھر تیسرا خط ارسال کیا۔ مؤخر الذکر دونوں خط کا جواب شاید نہیں آیا۔ انہیں خطوط و مراسلت کا مجموعہ ہے "اجلی انوار الرضا" اسے حجۃ الاسلام نے ترتیب دیا۔ اور سنہ مذکورہ میں ہی مطبع مذکور سے شائع ہوا۔ مفتی محمود احمد قادری نے اسی سے تینوں خطوط رضا نکال کر "مکتوباتِ امام احمد رضا" میں درج کیے ہیں۔ جو صفحہ ۸۷ تا ۸۷ مطبوع ہیں۔ خط اور جواب خط کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام شیخ الاسلام	محررہ	۱۲ / رمضان ۱۳۳۳ھ
(۲) مکتوب شیخ الاسلام بنام امام احمد رضا	محررہ	(تاریخ درج نہیں ہے)
(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام شیخ الاسلام	محررہ	۱۸ / شوال ۱۳۳۳ھ
(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام شیخ الاسلام	محررہ	۲۹ / محرم ۱۳۳۴ھ

۶ **الطاری الداری لھفوات عبدالباری،** ۳ حصے، مرتبہ مفتی اعظم مولینا مصطفیٰ رضا خان، موضوع "دین وسیاست" مجموعی صفحات ۲۸۲، مطبع حسنی پریس بریلی، ۱۳۳۹ھ، مجموعی تعداد مکتوب ۴۳۔

ترتیب واشاعت کا پس منظر: قیام الملت والدین حضرت مولینا شاہ عبدالباری فرنگی محلی، اہل سنت کے معروف عالم دین، بلند پایہ روحانی پیشوا، فرنگی محل لکھنؤ کی مذہبی روایات کے امین اور آخری علمی تاجدار تھے۔ حضرت مولینا اور امام احمد رضا باہم دوست

اور ایک دوسرے کے قدر شناس تھے۔ حضرت مولینا ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء میں اٹھی ہوئی تحریک ترک موالات، تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ امام احمد رضا خان ان کی اس حمایت و سرگرمی سے بیزار و ناخوش تھے۔ ان کی نگاہ میں یہ حمایت و سرگرمی غیر شرعی تھی۔ اس ناخوشی و بیزاری کے تصفیہ کے لیے دونوں میں مراسلت کی ابتداء ہوئی۔ بعد میں خط کتابت کے لہجوں میں تیزی وتندی بھی آئی اور تلخیاں بھی پیدا ہوئیں۔ پیش نظر مجموعہائے مکاتیب انہیں تلخ وتیکھی حقیقتوں کی یادگار ہیں۔

یہ مراسلتی افہام وتفہیم کا سلسلہ ۱۶؍رمضان ۱۳۳۹ھ کو شروع ہوا۔ اور ۲؍صفر ۱۳۴۰ھ کو تمام ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولینا نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔ ان کا توبہ نامہ روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ ۱۱؍رمضان ۱۳۳۹ھ، ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء ص ۳ کالم ۴ کی اشاعت میں شائع ہوئی[۳] امام احمد رضا اس مجمل ومبہم توبہ نامہ سے مطمئن نہ ہوسکے۔ ان کا اصرار رہا کہ حضرت مولینا تفصیلی توبہ نامہ شائع کریں۔ بالآخر حضرت مولینا نے ان تمام باتوں سے تفصیلا رجوع فرمالیا۔ جن پر امام احمد رضا کو اصرار واعتراض تھا[۴] یہ تھی محبت، یہ تھے اختلافات اور یہ تھا اخلاص، دونوں بزرگوں میں۔

"الطاری الداری" کے تینوں حصوں میں خطوط کی تعداد ۴۳ ہے، جس میں ۲۴ خطوط امام احمد رضا کے ہیں، تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

☆ حصہ اول صفحات ۵۶، خطوط ۵۔

اس میں تین خطوط حضرت مولینا ریاست علی خان شاہجہاں پوری کے ہیں۔ جو امام احمد رضا کو بھیجے گئے ہیں۔ دو خطوط مع تحریر متوسط و تحریر مفصل امام احمد رضا کے ہیں، جو مولینا شاہجہاں پوری کے نام ہیں۔ مکتوب الیہ گو مولینا شاہجہاں پوری ہیں۔ مگر مخاطب براہ راست مولینا شاہ عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ ہیں۔ تاریخی ترتیب یہ ہے:

(۱) مکتوب مولینا ریاست علی خاں بنام امام احمد رضا محررہ ۲۷/ جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲) مکتوب مولینا ریاست علی خان بنام امام احمد رضا محررہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا ریاست علی خان محررہ ۱/ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۴) مکتوب مولینا ریاست علی خان بنام امام احمد رضا محررہ (تاریخ درج نہیں ہے)

(۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا ریاست علی خان محررہ ۲/ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱

(مع تحریر متوسط و تحریر مفصل)

☆ حصہ دوم، صفحات ۸۸، تعداد خطوط ۱۹، امام احمد رضا کے ۱۰ حضرت مولینا عبدالباری کے نام اور حضرت مولینا کے ۹/ امام احمد رضا کے نام ہیں۔ آئینہ تاریخ تحریر یہ ہے۔

(۱) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۹/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۵) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۷) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۴/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۸) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۹/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۹/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۰) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۹/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۱) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۱/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۶/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۳) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۹/ شوال المکرّم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۰/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۳/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۴/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۷) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۳/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۸) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۱۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۹/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

☆ حصہ سوم، صفحات ۱۳۸، تعداد خطوط ۱۹

اس میں ۱۲/خط امام احمد رضا کے حضرت مولینا کے نام ہیں۔ اور حضرت مولینا کے ۷/خط بنام امام احمد رضا ہیں۔ ترتیب اس طرح ہے۔

(۲۰) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۱) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱۹/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۲) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۱/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۳) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۲۶/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۴) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۸/ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۱/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۲/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۷) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۳/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۸) مکتوب مولینا عبد الباری بنام امام احمد رضا محررہ ۵/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبد الباری محررہ ۸/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۰) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۱) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۲/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۱۴/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۳) مکتوب مولینا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۵) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۶/محرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

(۳۷) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲۵/محرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

(۳۸) مکتوب امام احمد رضا بنام مولینا عبدالباری محررہ ۲/صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

"الطاری الداری" کے تینوں حصوں میں خطوط کی تعداد ۴۳ ہوئی، مولینا ریاست علی کے ۳/حضرت مولینا عبدالباری کے ۱۶/اور امام احمد رضا کے ۲۴ خطوط ہوئے۔ حضرت مولینا عبدالباری کے بھی خطوط امام احمد رضا کے نام ہیں۔ امام احمد رضا کے ۲۲/خطوط حضرت مولینا عبدالباری کے نام ہیں۔ جو حصہ دوم و سوم میں ہیں۔ حصہ اول میں مولینا شاہجہاں پوری کے تینوں خط امام احمد رضا کے نام ہیں اور امام احمد رضا کے دونوں خط مولینا شاہجہاں پوری کے نام۔

"الطاری الداری"، مع سہ حصص مفتی اعظم مولینا مصطفیٰ رضا کے قلم سے ترتیب پائی، اور "حسنی پریس" بریلی سے اسی زمانہ میں شائع ہوئی جب سے یہ کتاب تقریباً نایاب ہے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں انجمن ارشاد المسلمین لاہور سے نکلا تھا [۵] ۔مگر ہندوستان میں دستیاب نہیں۔ "الطاری

الداری'' میں شامل خطوط رضا کی تیسری اشاعت بھی ہے۔اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۷ **حق کی فتح مبین:** مرتبہ سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی، موضوع فقہ و سیاست، صفحات ۸، مطبع صبح صادق، سیتاپور، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، تعداد مکتوب ۲۔

اس ہشت ورقی رسالہ میں صرف دو مکاتیب ہیں۔ جو ۲۴ اور ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو علی الترتیب مارہرہ کے معروف روحانی پیشوا اور مایہ ناز عالم دین سید شاہ اولاد رسول کے نام ارسال ہوئے ہیں۔اس کے موضوعات ومباحث وہی ہیں۔ جو ''الطاری الداری'' کے ہیں۔رسالہ مذکور مطبع صبح صادق سیتاپور سے حضرت سید ارتضیٰ حسین کے اہتمام میں شائع ہوا تھا۔اس کا ذکر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم کی ایک کتاب میں بھی ملتا ہے۔! اس کی دوسری اشاعت نظر سے نہیں گذری۔

۸ **بعض مکاتیب حضرت مجدد:** مرتبہ، حضرت مولینا سید عرفان علی بیسلپور، صفحات ۱۶، مطبع حسنی پریس بریلی، تعداد مکتوب ۱۳۔

''بعض مکاتیب حضرت مجدد'' خود مکتوب الیہ مولینا سید عرفان علی نے مرتب کیا۔ حضرت مولینا حکیم محمد حسنین رضا خاں کے اہتمام میں مطبع مذکور سے شائع ہوا۔ پہلی بار اس کی تعداد اشاعت ایک ہزار تھی۔ قیمت ایک روپیہ فی نسخہ رکھی گئی تھی۔البتہ سنہ اشاعت مذکور نہیں۔اس میں کل تعداد خط ۱۳ر ہے۔''شب برأت'' کے گشتی مراسلہ کے علاوہ بارہ خطوط ''مکتوبات امام اہل سنت'' مشمولہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد ۱، صفحہ ۳۰۸ تا ۳۲۰ میں بھی شامل ہیں۔ ''بعض مکاتیب'' پر سنہ اشاعت مذکور نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ ان خطوط کی پہلی اشاعت کون سی ہے۔ پھر یہ تمام صحائف ''مکتوبات امام احمد رضا'' صفحہ ۱۹۶ تا ۲۰۸ مرتبہ، مفتی محمود احمد قادری میں بھی منقول ہیں۔ جو ''حیات اعلیٰ حضرت'' سے عکس لیا گیا ہے۔

۹ مکتوباب امام اہل سنت: مرتبہ، ملک العلماء مولینا شاہ سید محمد ظفر الدین رضوی عظیم آبادی صفحہ ۶۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی، ۱۹۵۵ء، تعداد مکتوب ۵۷۔

''مکتوبات رضا'' کا یہ مجموعہ دراصل ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول میں، بطور ضمیمہ شامل ہے۔ جو صفحہ ۲۴۴ سے ۳۲۰ تک ہے۔ تعداد خط ۵۷ ہے۔ یہ مجموعہ اس اعتبار سے اولین اور اہم ہے کہ اس میں خطوط رضا کی اتنی بڑی تعداد سب سے پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں اس کی اشاعت کا سہرا مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی کے سر ہے۔ بعد میں ہندو پاک سے اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس میں شامل خطوط چار آدمیوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ تعداد و تفصیل یہ ہے۔

☆ ملک العلماء مولینا سید محمد ظفر الدین کے نام ۴۳

☆ حضرت مولینا سید عرفان علی بیسلپوری کے نام ۱۲

☆ حضرت مولینا الحاج محمد لعل خان مدراسی کے نام ۱

☆ حضرت مولینا خلیفہ تاج الدین کے نام ۱

کل میزان = ۵۷

پھر یہ مراسلات و مفوضات رضویہ مفتی محمود احمد قادری کی ''مکتوباتِ امام احمد رضا'' میں بھی نقل ہوئے ہیں۔ جسے ''مکتبہ نبویہ'' لاہور اور ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' بمبئی نے علی الترتیب ۱۹۸۶ء / ۱۹۹۰ء میں طبع کیے ہیں۔ ملک العلماء کے نام اصل خطوط کا عکس ''نوادرات'' کے زیر عنوان دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۰ اکرام امام احمد رضا: مرتبہ، برہان ملت حضرت مولینا محمد برہان الحق رضوی جبلپوری، صفحات ۱۶۴، مطبوعہ مجلس العلماء، مظفر پور، بہار، ۱۹۹۰ء تعداد مکتوب ۲۰۔

زاہد صوفی عالم دین مولینا عبدالکریم صدیقی جبلپوری امام احمد رضا کے دوست تھے۔ مگر دونوں میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مولینا موصوف کے نامور فرزند مولینا شاہ محمد عبدالسلام جبلپوری نے امام احمد رضا سے کسب فیض کیا تھا۔ ان کے سعادت مند بیٹے حضرت مولینا محمد برہان الحق رضوی جو بعد میں ''برہان ملت'' کے لقب سے معروف ہوئے۔ امام احمد رضا کے تلمیذ رشید اور خلیفہ عزیز تھے۔ جبلپور کا یہ صدیقی گھرانہ امام احمد رضا کا گویا اپنا گھرانہ تھا۔ ''اکرام امام احمد رضا'' کے مطالعہ سے یہی تاثر ملتا ہے۔ یہ قربت و محبت ظاہر کرتی ہے کہ طرفین سے خط و کتابت کا طویل سلسلہ رہا ہوگا۔ مگر سب تو نہیں، کچھ کچھ پیش نظر مجموعہ میں موجود ہے۔

۱۹۷۸ء میں یہ مجموعہ برہان ملت کے قلم سے ترتیب پایا۔ بعد میں یہ ترتیب پروفیسر محمد مسعود احمد کی نگاہ سے گذری۔ تو جدید فنِ تدوین کی روشنی میں پروفیسر موصوف کے زہرہ نگار قلم نے کتابت کے رخ پر غازہ مل دیا۔ زیر نظر مجموعہ ۱۹۸۱ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور سے پہلی بار شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۰ء میں مجلس العلماء مظفر پور نے چھاپا۔ یہی طبع ثانی خاکسار کے سامنے ہے۔ تین مکتوب الیہ کے نام اس میں ۲۰ ر خطوط ہیں۔ مجموعی ترتیب یہ ہے۔

(۱) مکاتیب امام احمد رضا	بنام شاہ محمد عبدالسلام جبلپوری	۱۴
(۲)	بنام قاری بشیر الدین جبلپوری	۱
(۳)	بنام مولینا محمد برہان الحق رضوی	۵
	میزان =	۲۰

''مکتوبات امام احمد رضا'' کے مرتب نے شاہ عبدالسلام کے نام ۱۴ ر خطوط کو اپنی

تالیف میں نقل کیے ہیں۔ انہی کے نام سے انہوں نے چار خطوط کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یوں یہ تعداد ۱۸ر ہوگئی۔ اب کل تعداد ۲۴ر ہو جاتی ہے۔ میری دریافت میں اس خاندان کے نام اور بھی خطوط ہیں۔ جن کی تعداد ۳۵ر سے بھی زائد ہیں۔ جن کو میں نے اُن کی اپنی اپنی جگہ ترتیب دے دی ہے۔

۱۱ ''مکتوبات امام احمد رضا'' مرتبہ مفتی محمود احمد قادری مظفر پوری

صفحات ۲۰۸ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۸۶ء تعداد مکتوب ۹۱۔

امام احمد رضا کے خطوط مختلف وقتوں میں، مختلف صورتوں میں چھپتے رہے ہیں۔ ان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی، مجموعی شکل میں بھی اور انفرادی صورت میں بھی۔ مگر اتنی کثیر تعداد کا اور کوئی دوسرا مجموعہ نہیں۔ اس میں ۱۱ر مکتوب الیہ کے نام ۹۱ر خطوط ہیں۔ گو ان میں سے بیشتر خطوط کے مراجع و مصادر ما سبق کے مجموعے رہے ہیں۔ بلحاظ ترتیب اصل ماخذ کی رسائی کچھ اس طرح کی جا سکتی ہے۔

☆ بنام سید شاہ محمد میاں مارہروی، ار خط، ماخذ، سالنامہ ''اہل سنت کی آواز'' مارہرہ مطہرہ جلد سوم ص ۲۲۔ یہ شمارہ فقیر کی نظر کے سامنے ہے۔

☆ بنام حضرت مولینا محمد محمود جان، جام جودھپوری گجرات، ار خط، اس کا قلمی نسخہ فقیر کے پاس ہے۔ جسے فروری ۱۹۹۷ء میں گجرات کے دورانِ سفر حاصل کیا گیا۔

☆ بنام شاہ محمد عبد السلام جبلپوری، ۱۸ر خط ۱۴ر کا ماخذ ''اکرام امام احمد رضا'' بقیہ چار مرتب کی نئی دریافت۔

☆ بنام ملک العلماء مولینا سید محمد ظفر الدین رضوی، ۴۳ر خط، ماخذ ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول۔

☆ بنام شیخ الاسلام مولینا انوار اللہ فاروقی حید رآبادی، ۳ ؍خط، ماخذ ''اجلی انوار الرضا''۔

☆ بنام مولینا سید محمد علی مونگیری، ۳ ؍خط، ماخذ ''مراسلت سنت وندوہ''۔

☆ بنام حضرت مولینا الحاج محمد لعل خان مدراسی، ۱ ؍خط ماخذ '' حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اول۔

☆ بنام حضرت مولانا خلیفہ تاج الدین لاہوری ۱ ؍خط، ماخذ '' حیاتِ اعلیٰ حضرت'' جلد اول

☆ بنام حضرت مولینا سید محمد عرفان علی بیسلپوری، ۱۲ ؍خط، ماخذ '' حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول یا ''بعض مکاتیب حضرت مجدد''۔

☆ بنام مولینا اشرف علی تھانوی، ۳ ؍خط، یہ تینوں مرتب کی اپنی دریافت ہیں۔ البتہ ۱۰ سوالات واستفسارات پر مشتمل اول خط محررہ ۲۰ ؍ذی القعدہ ۱۳۲۸ء کا قلمی نسخہ ناچیز کے قلمی ذخیرے میں موجود ہے۔

☆ بنام مولینا طیب عرب مکی، ۵ ؍خط ماخذ، ''الطائب الصیب علی ارض الطیب'' رسالہ منفردہ یا فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱۔

ماخذ ومراجع کی طرف یہ اشارہ میں نے قیاساً کیا ہے۔ بعید نہیں کہ مرتب موصوف کے پیش نظر خطوط کی اصل کا پیاں رہی ہوں۔ حضرت مرتب کی ''تقدیم'' اور ناظم مکتبہ نبویہ لاہور، علامہ اقبال احمد فاروقی کا مضمون بعنوان '' صاحب مکتوب'' نے کتاب کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا بمبئی نے ۱۹۹۰ء میں چھاپا ہے۔ یہی اشاعت میرے پیش نظر ہے۔

زیر نظر مجموعہ کی ترتیب میں حسن ترتیب موجود نہیں۔ اس میں کئی سہو وسقم در آیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۵۷ پر ''اضافات ...... و ...... مزید مکتوبات'' کی ذیلی سرخی سے تعداد خطوط کے بڑھ جانے کا اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ یونہی صفحہ ۱۹۶ پر ملک العلماء کی ایک وضاحتی عبارت اور صفحہ ۲۰۸ پر ملک العلماء کا اختتامیہ بھی چھپ گیا ہے۔ اس پر سوال و جواب قائم کر کے ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی نے اپنے ایک مضمون میں دلچسپ بحث کی ہے۔ ۷

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفتی محمود احمد قادری کی کاوش و ترتیب قابل ستائش ہی نہیں، لائق صد ستائش ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اور گھپ اندھیرے میں جگنو کی روشنی بھی مینارۂ نور کا کام کرتی ہے۔ انگریزی کا مشہور مقولہ ہے۔ Something is better than nothing.

۱۲ ''مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات و تعاقبات'' مرتبہ، مفتی محمود احمد قادری / پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، صفحات ۳۳۲، تعداد مکتوب ،۲۲، مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۸۸ء۔

یہ مجموعۂ مراسلات، درصل ''الطاری الداری'' کی بہ نوع خاص جدید کاری ہے۔ جس میں صرف وہ ۲۲ / خطوط دیکھے جا سکتے ہیں۔ '' جو امام احمد رضا نے حضرت مولینا عبدالباری فرنگی محلی کو امضاء کیے تھے۔ مولینا ریاست علی خان شاہ جہاں پوری کے نام بھیجی گئی ''تحریر متوسط و تحریر مفصل'' بھی اس میں شامل ہے۔ یہ اخذ و انتخاب حضرت مفتی محمود احمد صاحب کے حسن انتخاب کا نتیجہ ہے۔ گو اب اس کی اشاعت معیوب سمجھی جاتی ہے۔ قریب ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل پروفیسر محمد مسعود احمد کی مبسوط و محقق، مؤرخانہ، اور حقیقت پسندانہ تحریر جو ''تنقیدات و تعاقبات'' کے نام سے موسوم ہے، کتاب کی اہمیت و افادیت میں چار چاند لگاتی ہے۔ اور مباحث کتاب کے سمجھنے سمجھانے میں ایک

استاذ کامل کا رول ادا کرتی ہے۔ ''تقدیم'' پروفیسر فاضل زیدی نے لکھی ہے ''تقریب'' پروفیسر عبدالباری کے قلم سے نکلی ہے ''افتتاحیہ'' تجزیہ نگار کے اثر خامہ کا نتیجہ ہے اور ''ناشرنامہ'' ناظم مکتبہ علامہ اقبال احمد فاروقی نے قلم بند کیا ہے۔

۱۳ کلیات مکاتیب رضا اول، دوم

اس کی تفصیلات اس کتاب کے حصہ ''ب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۴ غیر مطبوعہ خطوط رضا مرتبہ: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی قادری کتاب گھر بریلی

اس کا حال خاکسار کے مضمون 'غیر مطبوعہ خطوط رضا کا جائزہ' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔

مراجع و حواشی :

(۱) ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری مطبع اہل سنت والجماعت بریلی ۱۳۳۱ھ ص:۴

(۲) نوٹ: مکتوب اول اور اس کا جواب جو ''اجلی انوار الرضا'' میں ص:۵ تا ۷ پر ہے، اس کا عکس کتاب ''حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی، شخصیت، علمی و ادبی کارنامے'' ص:۳۲۸، ۳۲۹ پر چھاپا گیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر کے عبدالحمید اکبر کا تحقیقی مقالہ ہے۔ جس پر انہیں پونہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریت کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔ خدا معلوم کس ضرورت کے تحت ایک طویل ترین عرصہ کے بعد ۲۰۰۰ء کو مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن سے دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ (شمس مصباحی)

(۳) الف، حق کی فتح مبین سید شاہ محمد میاں مارہروی مطبع صبح صادق سیتاپور

ب، الطاری الداری مولانا مصطفےٰ رضا خان مطبع اہلسنت و جماعت بریلی ۳/۲۶

(۴) شمع ہدایت، مفتی محمد عبدالحفیظ، مفتی آگرہ، طبع کراچی، ص:۹۴ بحوالہ تنقیدات وتعقبات ص:۱۴۶

(۵) سید محمد جمال الدین ڈاکٹر برطانوی راج میں مذہب وسیاست مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳ء ص:۲۶

(۶) سید محمد جمال الدین ڈاکٹر برطانوی راج میں مذہب وسیاست مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳ء ص:۷۱

(۷) سہ ماہی ''افکار رضا'' ممبئی شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء ص:۱۹

دعوت حق، مکتوبات رضا کی روشنی میں

علامہ ارشد القادری قدس سرہ
بانی ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ

سالنامہ ''معارف رضا'' کراچی
شمارہ دوازدہم ۱۹۹۲ء ص: ۹۰ تا ۹۸

☆

خیر کی دعوت دینے والے......حرص میں مبتلا ہیں......لباس ان کے اجلے ہیں

صورت بھولی......اور چہرہ تقدس میں ڈوبا ہوا

مگر!

وہ خود یا تو حسن کے اسیر ہیں......یا دولت کے پجاری

بیرون Bright ہے اندرون Dark

ان کا ناقص......فاضل بے بدل ہے......غیروں کے فاضلوں کو وہ بے سند سمجھتے ہیں

انہیں گوارا نہیں......کہ کسی کا قد نکل آئے......وہ ہرگز پسند نہیں کرتے

کہ کسی کا گھوڑا......ان کے گدھوں سے آگے نکل جائے

وہ!

آواز تو دیتے ہیں، محبت کی، اخلاص کی، تقرب الی اللہ کی، عملی جہاد کی

اور جب وقت آن پڑتا ہے......تو وہ منہ چھپا لیتے ہیں......ریت میں شتر مرغ کی طرح

الٰہی!

یہ ہیں تیرے پاسبان حرم

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۷۰)

دعوت حق

مکتوبات رضا کی روشنی میں

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
بانی ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ

میرے اس مقالے کا ماخذ ''مکتوبات امام احمد رضا'' نامی کتاب ہے۔ جسے اہل سنت کے مشہور مورخ حضرت مولانا محمود میاں صاحب قادری نے مرتب فرمایا اور جومحل پبلی کیشنز جامع مسجد دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

اس مجموعہ مکاتیب میں سے جن مکتوبات کا تعلق میرے اس مقالہ سے ہے وہ صرف چھ ہیں۔ تین مکتوبات تو وہ ہیں جو شیخ الاسلام علامہ شاہ انوار اللہ خان صاحب بانی جامعہ نظامیہ حیدر آباد کے نام لکھے گئے ہیں اور تین مکتوبات مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء کے نام مرقوم ہیں۔

تعارفی تمہید کے بعد اب مقالے کے عنوان کی طرف آپ کی گرانقدر توجہ مبذول کراتے ہوئے عرض پرداز ہوں کہ جولوگ امام احمد رضا کی زبان پر شدت پسندی اور تلخ بیانی کا الزام عائد کرتے ہیں، وہ عصبیت کی عینک اتار کر دیدہ انصاف سے ان خطوط کی زبان ملاحظہ فرمائیں جن کے اقتباسات ذیل میں پیش کر رہا ہوں اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھیں کہ دعوت کی زبان اور فتوے کی زبان میں زمین و آسمان کا

فرق ہے۔ کیونکہ دعوت کا تعلق مسئلے کا افہام و تفہیم سے ہے، جب کہ فتوے کی منزل اتمام حجت کے بعد آتی ہے۔ امت کے ایک دردمند مصلح اور دین کے ایک عظیم مجدد کی حیثیت سے امام احمد رضا کو اصلاح مقاصد کے سلسلے میں ان دونوں مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ مسئلہ کے افہام و تفہیم اور دعوت کے مرحلے میں زبان کی فروتنی اور نیازمندی دیکھنے کے قابل ہے، دل اگر پتھر کی طرح سخت نہیں ہے تو پیرایۂ بیان کی لجاجت مخاطب کو پانی پانی کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن حجت تمام ہو جانے کے بعد جہاں فتوے کی زبان انہوں نے استعمال کی ہے وہ بالکل وہی ہے جو شرعی تعزیرات کے مزاج کا فطری تقاضا ہے۔

جو لوگ صرف فتویٰ پڑھ کر زبان کی سختی کا شکوہ کرتے ہیں وہ دوسرے لفظوں میں اپنے ناقص مطالعہ کا پردہ فاش کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اس زبان کا بھی مطالعہ کریں جو دعوت اور اتمام حجت کے مرحلے میں امام احمد رضا نے استعمال کی ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد اب شیخ الاسلام حضرت علامہ شاہ انوار اللہ صاحب کے نام امام احمد رضا کے خطوط کے اقتباسات پڑھئے اور زبان کی لجاجت اور عاجزی کا پیرائیہ بیان ملاحظہ فرمائیے۔

اس کئی سطری خط کا پس منظر یہ ہے کہ اذان ثانی کے مسئلے میں اپنے زمانے کے مشہور فاضل مولانا معین الدین صاحب اجمیری نے القول الاظہر کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جو امام احمد رضا کے موقف کی تردید میں تھا اس رسالہ کی پیشانی پر ''حسب حکم شیخ الاسلام حضرت علامہ شاہ انوار اللہ صاحب'' کا فقرہ مرقوم تھا۔ اس تعلق سے امام احمد رضا نے حضرت شیخ کو یہ مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا۔

پہلا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بشرف ملاحظہ والائے حضرت بابرکت، جامع الفضائل، لامع الفواضل، شریعت آگاہ طریقت دستگاہ، حضرت مولانا الحاج مولوی محمد انوار اللہ صاحب بہادر بالقابہ العز۔ سلام مسنون، نیاز مشحون مجلس ہمایوں۔

یہ سگ بارگاہ بیکس پناہ قادریت غفرلہ، ایک ضروری دینی غرض کیلئے مکلّف اوقات گرامی ہے۔ پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے ایک رسالہ القول الاظہر مطبوعہ حیدر آباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مرسلہ آیا۔ جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے۔ یہ نسبت اگر صحیح نہیں تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا کیا موقع ہوگا۔

کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں استکشاف حق کیلئے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں۔ بفضلہٖ عزوجل ذات والا میں وہ سب آشکار ہیں۔ علم و فضل، انصاف، عدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی، پھر بحمدہ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہ بیکس پناہ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منہ تو کیا قابل ہاں سرکار کا کرم ضرور شامل ہے۔

اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت و وقعت، قلب فقیر میں ہے مولیٰ عزوجل اور زائد کرے۔ یہ اور زیادہ امید بخش ہے۔

اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور خالص کریمانہ جواب لے۔ یہاں تک کہ حق کا مالک حق واضح کرے. فقیر بارہا لکھ چکا اور اب بھی لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی بے تامل اعتراف حق کرے گا۔ یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک عار ہے مگر عند اللہ اور عند العقلا باعث اعزاز و وقار ہے۔ اور حضرت تو ہر فضل کے خود اہل

ہیں۔ وللہ الحمد!

امید ہے کہ ایک غلام بارگاہ قادری طالب حق کا مامول یہ حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے مقبول ہو۔ الھم آمین بالخیر یا ارحم الراحمین۔

اگر چہ یہ ایک نوع جرات ہے کہ رجسٹری جواب کیلئے تین آنے کے ٹکٹ ملفوف نیاز نامہ ہیں۔ والتسلیم مع التکریم۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ۔

۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۷۹)

انصاف فرمائیں! شیخ اسلام مولانا انوار اللہ خاں صاحب امام احمد رضا کے بزرگوں میں نہیں ہیں۔ بلکہ معاصرین میں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نیاز مندی اور فروتنی کے اظہار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ الفاظ و بیان کی لجاجت اپنی جگہ پر ہے، مزید انعطاف قلب کے لئے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار واسطے بھی دیئے جارہے ہیں۔ کلمہ حق کی سربلندی کی حرص میں کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کسی کے آگے جھک سکتا ہے۔ معاصرت کی تاریخ میں بے نفسی کا اس سے زیادہ واضح نمونہ ہمیں اب تک نہیں مل سکا۔

پھر امام احمد رضا کی یہ شان احتیاط بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ القول الاظہر کی لوح پر حسب الحکم کا دلخراش فقرہ دیکھ کر کاغذ قلم بھی سنبھالا، تو دفاع کیلئے نہیں، بلکہ یہ تحقیق کرنے کے لئے کہ حضرت شیخ کی طرف سے اس فقرے کا انتساب صحیح بھی ہے یا نہیں؟ یہیں سے امام احمد رضا کے احتساب کی یہ سرشت سمجھ میں آتی ہے کہ تحقیق کے سارے مراحل سے گزرنے کے بعد ہی انہوں نے کسی کے خلاف قلم کی تلوار اٹھائی ہے۔ اسکے پیچھے طبعت کا کوئی جذبہ انتقام کارفرما نہیں ہے بلکہ حقائق کا تقاضا پورا کیا ہے۔

اپنے تبصرہ کے آخری مرحلے میں امام احمد رضا کے اس خط کی زبان کی طرف بھی اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرنا چاہوں گا کہ یہ اسّی برس پہلے کی اردو زبان ہے۔ فتوے کی زبان بھی ہم نے پڑھی ہے لیکن خط کی یہ شگفتہ عبارت پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ زبان کے مختلف اصناف پر امام احمد رضا کو کتنی عظیم دسترس حاصل تھی۔

دوسرا خط

حضرت شیخ الاسلام نے امام احمد رضا کے اس مکتوب کا جواب چونتیس دن کے بعد عنایت فرمایا۔ حضرت شیخ کا جواب اگر چہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن جواب الجواب میں امام احمد رضا نے جو مکتوب انہیں لکھا ہے اس کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حسب الحکم کے انتساب کی صحت سے انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے جواب میں امام احمد رضا کو مشورہ دیا کہ اس مسئلے میں آپ سکوت اختیار فرمائیں۔ جیسا کہ خط کے ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔

پہلا اقتباس

بشرف ملاحظہ حضرت بالقابہ دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ بہ عین انتظار ۳۴ دن کے بعد تشریف لایا۔ حضرت نے اس کے بارے میں ترک مکالمہ کے بعض وجوہ تحریر فرمائے ہیں۔

دوسرا اقتباس

”ایک سنی مسلمان کی غلط فہمی اور وہ بھی ایسی کہ اس کا دفع فرض خصوصا جب کہ وہ درخواست کر رہا ہے کہ میرے شبہات کی تسکین ہو جائے، میں قبول حق کیلئے حاضر ہوں۔ اس کو یہ جواب کہاں تک مناسب ہے کہ تو نہ بول یہ مصلحت کے خلاف ہے۔ طلب حق میں وقت صرف کرنا بے ضرورت نہیں ہوسکتا۔ مگر نیازمند نے حضرت سے

مطارحہ نہ چاہی تھی۔

حضور پر نور سیدنا و سیدکم مولانا و مولیکم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واسطہ عظیمہ دے کر اس اجازت کی درخواست کی تھی۔ کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور کریمانہ جواب لے۔ یہ مسئول کسی طرح قابل رد نہ تھا خصوصاً اس حالت میں کہ حضرت کے اسی رسالہ مجازہ کے ص ۳ میں تصریح ہے کہ سائل کا سوال رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔''

مکتوب شریف کے اس اقتباس میں خاص طور پر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ دینی مصالح پر مبنی ایک جائز درخواست کے مسترد کردیئے جانے کے باوجود اسکا کوئی ناخوشگوار ردعمل تحریر سے ظاہر نہیں ہوتا۔ تکریم وادب کا لب ولہجہ مثل سابق اپنی جگہ برقرار ہے۔ اس خط میں ''نیازمند'' اور ''کریمانہ جواب'' کے الفاظ جتنے عاجزانہ اور ملتجیانہ ہیں اہل ادب سے مخفی نہیں۔

تیسرا اقتباس

رسالہ القول الاظہر میں اندرون مسجد خطبہ کی اذان کی بابت اجماع کا دعویٰ کیا گیا تھا، امام احمد رضا نے اپنے جوابی مکتوب میں اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔

''ابھی اجماع ہی کی نسبت عرض کرنا ہے کہ اجماع کا ذکر حضرت نے اپنے کرمنامہ میں بھی فرمایا اور واقعی اجماع ایسی چیز ہے کہ اس کے بعد پھر نزاع کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لہذا پہلے اس کی نسبت فقیر مستفیدانہ سوال پیش کرتا ہے اور الحمد للہ! کہ حضرت کے نزدیک سوال کا رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

خصوصاً سائل بھی ایک سگ بارگاہ قادری ہے جو اپنے اور حضرت کے اور ثقلین کے مولیٰ وآقا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واسطہ دے رہا ہے۔ اب حضرت جیسے غلام سرکار غوثیت، کریم النفس سے یہ سوال زنہار متوقع نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔"

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

١٨ شوال المکرم ١٣٣٣ھ

(مکتوبات امام احمد رضا ص:٦٨)

اس کے بعد امام احمد رضا نے اجماع کے دعوے پر بیس ایسے قاہر سوالات معروض خدمت کئے کہ وہ سوالات ہی اجماع کے دعوے کو مسمار کرنے کے لئے کافی تھے۔لیکن افسوس کہ ان سوالات کا بھی کوئی جواب بارگاہ شیخ سے موصول نہیں ہوا۔لیکن طالبان حق کو یہ روشنی ضرور ملی کہ حق کا احترام شخصیت کے احترام سے کہیں بالاتر ہے۔ اوراس کے ساتھ آئین جوانمردی کا یہ راز بھی آشکار ہوا کہ اگر کسی مقام پر ادب کا تقاضا اعتراض کی زبان کھولنے سے مانع ہو تو سوال کے ذریعہ بھی حقیقت تک پہنچنے کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بعد تحیۂ مسنونہ سنیہ۔گزارش نیاز مند کی پہلی رجسٹری کا جواب تو ٣٥ دن میں مل گیا تھا لیکن اس دوسری رجسٹری کو آج سو دن کامل ہوئے ١٨ شوال کو گئی تھی۔آج ٢٩ محرم الحرام ہے یہ تو احتمال نہیں کہ جناب جواب سوالات پر مطلع ہو کر حق اپنی طرف سمجھ لیں اور جواب سے اغماض فرمائیں۔کہ جناب اس رسالہ میں تصریح فرما چکے ہیں۔کہ سوال سائل کارد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔اور یہ احتمال اس سے بھی بعید تر ہے کہ حق اس نیاز مند کی طرف سمجھ کر قبول سے عدول ہو کہ ترک صواب ترک جواب سے بدرجہا بدتر ہے۔ جناب کے فضائل ان دونوں احتمالوں کو گنجائش نہیں دیتے۔لاجرم یہی شق متعین ہے کہ ہنوز رائے شریف متردد ہے۔ایسی حالت میں تاخیر بیجا نہیں۔

نکو گوا گر دیر گوئی چہ غم۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

فقیر احمد رضا عفی عنہ

۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

(مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی ص ۸۸)

اس آخری خط کا رنگ خاص طور پر ملاحظہ فرمانے کے قابل ہے کہ انتظار کی جھنجھلاہٹ میں بھی احترام وتکریم کا پیرائیہ بیان اپنی جگہ پر ہے۔ امام احمد رضا پر شدت پسندی اور سخت کلامی کا الزام عائد کرنے والے ان کے ساتھ اگر انصاف کر سکتے ہوں تو اس حسن ظن کی داد دیں کہ "لا جرم یہی شق متعین ہے کہ ہنوز رائے شریف متردد ہے۔ ایسی حالت میں تاخیر بیجا نہیں۔"

شیخ الاسلام علامہ شاہ انوار اللہ خاں حیدر آبادی کے نام امام احمد رضا کے خطوط پر میرا تبصرہ ختم ہوگیا۔ اب آپ مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوہ کے نام امام احمد رضا کے خطوں کی زبان کا خاص طور پر جائزہ لیں حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ امام احمد رضا کا اختلاف صرف علمی سطح کا تھا۔ اسی لئے تحریر میں ان کی شخصیت کی عظمت کا اعتراف سطر سطر سے نمایاں ہے۔

لیکن مولانا محمد علی مونگیری چونکہ عقیدہ کے الزام میں ملوث تھے۔ اس لئے آپ واضح طور پر محسوس فرمائیں گے کہ انکے خط میں امام احمد رضا کی تحریر کا رنگ کافی بدلا ہوا ہے۔ اس کے باوجود "جاں پر سوز" اور "سخن دلنواز" کی خوشبو سے پورا خط معطر ہے۔

پہلا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

بگرامی ملاحظہ مولوی صاحب نامی مراتب، سامی مناقب مولوی سید محمد علی صاحب ناظم ندوہ ادامہ اللہ بالہدیٰ والمواہب

بعد ماھو المسنون ملتمس۔ بعض خدام اجلہ علمائے اہل سنت کے سوالات محض بنظر انتضاح حق حاضر ہوئے ہیں۔ اخوت اسلامی کا واسطہ دے کر بہ نہایت الحاح گزارش کہ للہ خالص انصاف کی نگاہ سے غور کامل فرمایا جائے۔ واقعی عرض ہے کہ ان میں کوئی غرض نفسانیت ملحوظ نہیں، صرف تحقیق حق منظور ہے۔ لہٰذا باوصف خواہش احباب ہنوز ان کی اشاعت نہ کی کہ اگر آپ حضرات بتوفیق الٰہی جل وعلا خود ہی اصلاح مقاصد و دفع مفاسد فرمالیں تو خواہی نخواہی افشائے زلات کی کیا حاجت؟''

خط کے اس اقتباس میں پردہ پوشی اور خیر اندیشی کا یہ جذبہ خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ملزمین کو عوام کی نگاہوں میں رسوا کرنے کے بجائے خود انہیں اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود معاصرین امام احمد رضا کو جارح کہتے ہیں۔

دوسرا اقتباس

''مولانا! للہ رجوع الی الحق بہتر ہے یا تمادی فی الباطل؟ مولانا! ہم فقرا کو آپ کی ذات خاص سے علاقہ نیاز ہے۔ خود اپنے علم نافع اور فہم ناصح سے تامل فرمائیں۔ ان اغلاط کی مشارکت میں براہ بشریت خطافی الفکر واقع ہوئی ہو، تو رجوع الی الحق آپ جیسے علمائے کرام وسادات عظام کیلئے زین ہے نہ کہ معاذ اللہ عار وشین''

اس اقتباس میں ریشم کی طرح نرم، شبنم کی طرح لطیف وشفاف اور ورق گل کی طرح شاداب وخوش رنگ پیرائے بیان کی نزاکتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا اقتباس

''مولانا! اس وقت ہم فقرا کا آپ کی جناب میں یہی خیال ہے کہ بوجہ سلامت نفس بعض چالاک صاحبوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا ہوا ہے ورنہ عیاذاباللہ آپ کو ہرگز مخالفت واضرار مذہب اہل سنت پر اصرار مقصود نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعض اکابر علماء کی طرح فوراً بہ طیب خاطر مدافعت فرمائیں گے۔ مبارک وہ دن کہ ہمارے معزز عالم آل

پاک سید لولاک اپنے جد اکرم ﷺ کی طرف مراجعت اور تلبیس مبتدعین و تدلیس متصلمین سے بالکلیہ مجانبت فرمائی۔ الٰہی! صدقہ مصطفی ﷺ کا ان کی آل کو ان کی سنت ان کی جماعت پر مستقیم فرما اور فریب و مغالطہ اصحاب بدع و ہوا سے بچا۔ بجاہ سید المرسلین۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

فقیر احمد رضا عفی عنہ از بریلی ۲۹؍شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ
(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۸۹)

دوسرا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا دام فضلکم ہدیہ مسنونہ مہداہ

نامہ نامی آیا ممنونی لایا۔ مظنون تھا کہ یہ قبل وصول نیاز نامہ صرف پرچہ سوالات دیکھ کر تحریر ہوا ہے۔ فقیر کی گزارش کا جواب اقرب الی الصواب عطا ہوگا۔ لہذا تین دن منتظر رہا۔ اب جانا کہ ساری گزارشوں کا یہی پاسخ تھا کہ سوال نہ سنیں گے۔ جواب نہ دیں گے۔"

دوسرا اقتباس

"مولانا! مکرما! بحمدہ تعالیٰ یہی جان کر تو گزارش کی تھی کہ ملازمان سامی نہ صرف مومن بلکہ عالم صافی صوفی صفی ہیں، اسی بنا پر امید کی تھی اور ہنوز یاس نہیں کہ مذہب اہلسنت کے صریح ضرر پسند نہ فرمائیں۔ آپ نے سوالات بالاستیعاب ملاحظہ فرمائے، تو غور نہ فرمایا یا غور فرمایا تو انہیں تحریرات کتب و مضامین ندوہ سے نہ ملایا ورنہ یہ آپ جیسے فضلا پر مخفی رہنے کی بات نہ تھی۔"

تیسرا اقتباس

"یہ عام بد مذہبوں سے جو اتحاد، اتفاق، اختلاط ائتلاف پکارا جارہا ہے۔ للّٰہ احادیث و اقوال ائمہ و نصوص کتب عقائد وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ کس قدر بدخواہی دین و سنت

میں ڈوبا ہوا ہے۔ احادیث و اقوال ائمہ تو اگر ضرورت دے گئی تو بحمد اللہ تعالیٰ سبھی سن لیں گے۔ بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''فساد مبتدع زیادہ تر از فساد صحبت صد کافر است''

چوتھا اقتباس

مولانا! خدارا انصاف! آپ یا زید یا اور اراکین مصلحت دین و مذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت شیخ مجدد؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو و باطل جانئے اور جب وہ حق ہے اور بے شک حق ہے، تو کیوں نہ مانئے۔ جس سے ظاہر کہ کافروں کے بارے میں فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین کا حکم ایک حصہ ہے تو بدمذہبوں کے باب میں سو حصے سے بھی زیادہ ہے۔

مولانا! ارشدک اللہ باللہ العزیز الجبار و بحق دین الاسلام و بحق النبی المختار ﷺ کہ پرچہ سوالات کو اول تا آخر بنظر غور صاف قلب سے ملاحظہ فرمائیے۔

پانچواں اقتباس

''مولانا! میں آپ کو سنی فاضل نہ جانتا تو بار باریوں بالحاح گزارش نہ کرتا۔ پھر عجب عجب ہزار عجب کہ آپ نظر نہ فرمائیں یا سچے خادم سنت و اہل سنت کی گزارشوں کو معاذ اللہ تعصب و نفسانیت کے سوئے ظن پر لے جائیں۔ میں بہ شہادت رب العزت کہتا ہوں۔ وکفی باللہ شہیدا کہ فقیر کے اعتراضات زنہار زنہار تعصب و نفسانیت پر مبنی نہیں۔ صرف دین حق کی حمایت اور اہل سنت کی خیر خواہی مقصود ہے۔ بغرض باطل یہ فقیر نالائق ننگ خلائق نفسانیت بھی کرتا تو حضرت افضل العلماء تاج الفحول محبّ رسول مولانا مولوی محمد عبد القادر بدایونی کو معاذ اللہ نفسانیت پر کیا حامل تھا۔ فرض کرو کہ آپ ان کی صفات ملکیہ سے آگاہ نہیں تو کیا استاذ المدرسین بقیۃ الماہرین جناب مولانا مولوی محمد

لطف اللہ صاحب کو بھی ندوہ سے تعصب ونفسانیت ہے۔

خدارا کسی ضدی عائی کی نہ سنئے اپنے سچے خیر خواہوں کی بات پر کان رکھئے۔ چلئے یہ بھی مانا کہ یہ سب کسی کے خیال میں نفسانیت پر ہوں مگر جو بات کی گئی ہے اسکو بغور ملاحظہ تو فرمالیجئے۔" (مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی ص ۲۶)

تیسرا خط

"مولانا! آپ کے سچے نیاز مند کو ہر گز یہ یقین نہ تھا کہ باوصف یاد دہانی آیات قرآن واحکام ربانی ان محدود سوالوں کے جواب سے بھی پہلوتہی فرمائی جائے گی۔ میں پھر دست بستہ ہزار منتوں کے ساتھ کتاب اللہ وکتاب الرسول یاد دلاتا اور ستر سوالوں کا جواب آپ اور جملہ اراکین اوران آٹھ کا فوری جواب آپ جیسے عالم مکین سے مانگتا ہوں۔ خدارا انصافی نگاہ سے جواب دیں تو دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ حق ابھی کھل جائے گا جب تک سوالوں پر غور نہیں شب درمیان ہے۔ ان پر نظر ہو سکے وہ دیکھئے آفتاب حق روشن وعیاں ہے۔" (مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی ص ۱۰۱)

اپنے ان مکتوبات گرامی میں امام احمد رضا نے جس جذبہ اخلاص خیر اندیشی اورانکسار وتواضع کے ساتھ اتمام حجت کے مراحل سے اپنے آپ کو گزارا ہے۔ اس کی مثال کسی مصلح کی زندگی میں مشکل ہی سے ملے گی۔ بجائے اس کے کہ امام احمد رضا کی اس ادائے دلنوازی اوراس کرشمہ دل سوزی پر لوگ اپنی جان چھڑکتے اپنے محسن ہی پر طعنہ زن ہو گئے اگر امام احمد رضا کی ناز برداری یادرکھنے کے قابل ہے تو لوگوں کی ہٹ دھرمی بھی بھولنے کی چیز نہیں ہے۔

محدث بریلوی کا ذوق عبادت مکتوبات کے آئینے میں

مفتی نظام الدین رضوی مصباحی
استاذ و صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارکپور

سالنامہ ''معارف رضا'' کراچی
شمارہ دوازدہم ۱۹۹۲ء ص: ۷۷ تا ۸۹

☆

لوگ سفر کرتے ہیں روز......

کار، موٹر، ریل، ہوائی جہاز کی ضرورت ان کی اہمیت، کب تک؟......

منزل آتے ہی......نہ اس کی ضرورت

نہ اس کی اہمیت

سامان سفر میں مسافر، بیڑی، سگریٹ بھی رکھتے ہیں......جو عادی ہیں

کاغذ کا ڈبہ یا پیکٹ......بڑی عزت و اہمیت کا حامل ہے

بیگ، بریف کیس میں جگہ پاتے ہیں

بیڑی سگریٹ ختم......کھوکھا اور پیکٹ کھڑکی سے باہر

سفر ختم ہوا......سرائے، مہمان خانے GUEST HOUSE میں قیام

کیا

مدت پوری ہوئی......ان قیام گاہوں کی اہمیت ختم ہوئی

پھر سفر شروع ہوا......واپسی کا

زندگی سفر میں ہے......مسلسل......ہر سفر کی تیاری ہے......نہیں، تو صرف

سفر آخرت کی

اے مسافرو!

یہ دنیا!

مستقل قیام گاہ ہے یا محض ایک مسافر خانہ؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۰)

محدث بریلوی کا ذوق عبادت
مکتوبات کے آئینے میں

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

میں اس ذات گرامی کی زندگی کے لیل ونہار اور عملی نمونے آپ کی نگاہوں کے سامنے لانا چاہتا ہوں جس کو میری محروم نگاہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا، لیکن اس کے مکتوبات کے جھلکتے آئینوں میں اس کے جمال جہاں آرا کا نظارہ ضرور کیا ہے اور وہ عکس ہائے رنگا رنگ دیکھے ہیں جن میں اس کی جلوت بھی ہے اور خلوت بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، سفر بھی ہے اور حضر بھی، غم والم کے جان گداز مظاہر بھی ہیں اور فرح و سرور کے دلنواز مناظر بھی، شباب کے اسوے بھی ہیں اور پیری کے نمونے بھی۔ یہ سب اس ذات والا صفات کے پرتو جمال ہیں، بلکہ آئینہ خدوخال ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی گہرائی میں اتر کر دیکھئے تو وہ اتباع سنت کی پرنور شعاعیں اور ایمان کو تازگی دینے والی محبوب ادائیں ہیں، ایک ایک عکس اپنی جگہ حب الٰہی کا در آبدار ہے اور عشق رسالت کا

نور گہر بار، وہ خود نغمہ سرا ہیں:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

لیکن ان حقائق و معارف کا صحیح وجدان اہل بصیرت ہی حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ مجھ جیسا کوتاہ نظر، ظاہر بیں۔

حدودِ عشق کی منزل خدا جانے کہاں تک ہے
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے

ہم نے ان عکوس کی روشنی میں آپ کی زندگی کے شب و روز کا جہاں تک مشاہدہ کیا ہے اس کے لحاظ سے ان کا ہر ہر لمحہ اور ایک ایک آن اتباع رسول کا زندہ شاہکار ہے۔ اب بطور نمونہ خاص کر آپ کے ذوق عبادت کے تعلق سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں: جن سے یہ واضح ہوگا کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں کس طرح ڈھال رکھا تھا۔

(۱) نماز کی پابندی:

نماز وہ عظیم عبادت ہے جس کا رتبہ اعمال میں سب سے بڑا ہے، سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے ''اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک'' بتایا۔

ارشاد فرماتے ہیں:

وجعلت قرة عینی فی الصلاة ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔(۱)

سفر، حضر ہر جگہ، وقت پر اس کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا اور اس سے غفلت ولا پروائی پر عذاب نار کی دھمکی سنائی گئی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! اسلام میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سی چیز پیاری ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔

ومن ترک الصلاۃ فلادین لہ والصلاۃ عماد الدین .(۲)

''جس نے نماز چھوڑی اس کیلئے دین نہ رہا اور نماز دین کا ستون ہے''۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ (سرکار نے تین بار یہی فرمایا اور ہر بار) صحابہ نے عرض کیا خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں! تو آپ نے فرمایا تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اسے جنت میں داخل فرماؤں گا اور جو اس کے غیر وقت میں پڑھے گا چاہوں تو اس پر رحم کروں اور چاہوں تو اسے عذاب دوں (طبرانی، سند صالح)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ **فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون** ''خرابی ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔''

ارشا فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھیں۔ (بزاز ومحی السنہ) یہ اللہ کے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات طیبات ہیں جنہوں نے ایک طرف اپنی امت کو نماز کی محافظت وپابندی کا یہ درس دیا اور دوسری طرف اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز صحابہ کرام کیساتھ اس کے وقت میں ہی ادا

فرمایا کرتے تھے۔

امام احمد رضا ان ہی رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار تھے اس لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہتے سنا وہی کہنے لگے (۳) اور جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے صلوا کما رائتمونی اصلی کا عکس زیبا جھلکتا ہے۔ اور سفر و حضر ہر جگہ آپ نماز کے اوقات میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سجدہ ریز نظر آتے ہیں جیسا کہ واقعات ذیل شاہد ہیں۔

(۱) ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے عیدالاسلام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمہ کی دعوت پر جبل پور کا سفر بیماری کی حالت میں کیا، آغاز سفر کا ذکر حضرت برہان ملت علیہ الرحمہ یوں کرتے ہیں۔

''صبح چار بجے اعلیٰ حضرت اور خادم برہان گاڑی پر (بریلی ریلوے) اسٹیشن کیلئے روانہ ہوئے، میں نے عرض کیا حضرت عین نماز کے وقت گاڑی روانہ ہوگی، نماز فجر کہاں ادا کی جائے گی؟ اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ ''انشاء اللہ پلیٹ فارم پر''

اسٹیشن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی چالیس منٹ لیٹ ہے، پلیٹ فارم پر جا نماز، چادریں رومال بچھا لئے گئے اور بعونہ تعالیٰ کثیر جماعت نے اعلیٰ حضرت کے پیچھے نماز فجر ادا کی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔ (۴)

(۲) حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اپنے رفقا کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کے استقبال کیلئے کٹنی تک چلے آئے تھے آگے کا واقعہ حضرت برہان ملت یوں لکھتے ہیں۔

''ٹرین چار بجے کٹنی پہنچی۔ اعلیٰ حضرت کیلئے وضو کا انتظام کیا گیا، فرمایا نماز فجر کہاں ہوگی؟ عرض کیا سلیمنا باد میں، لیکن صرف تین منٹ گاڑی ٹھہرتی ہے حضور وضو فرمائیں۔ خادم حاضر ہوتا ہے۔ میں انجن کی طرف بڑھا، دیکھا ڈرائیور مسلمان ہیں اور وہ

بھی اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کر کے جا رہے ہیں، مجھ سے مصافحہ کیا، میں نے کہا
سلیمنا باد میں نماز فجر ادا کرنا ہے، پوچھا کتنا وقت لگے گا؟ میں نے کہا ۱۲ یا ۱۵ منٹ۔ کہا
میں لیٹ کر دوں گا۔ گارڈ بھی مل گیا اس نے بھی اطمینان دلایا، گاڑی بڑے وقت پر سلیمنا
باد پہنچی، پلیٹ فارم پر جانماز چادریں، رومال بچھا کر تقریباً ۳۰۰ کی جماعت ہوئی، پوری
ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے اعلیٰ حضرت اطمینان کے ساتھ وظیفہ سے فارغ ہو کر گاڑی
میں تشریف لائے۔(۵)

(۳) ''جبل پور کے قیام کے دوران اعلیٰ حضرت کے معمولات سے
حضرت برہان ملت نے ایک یہ بھی شمار کیا ہے کہ نماز کیلئے پانچوں وقت مسجد پیدل
تشریف لاتے۔''(۶)

ان دنوں عید الاسلام اس مسجد میں نماز ادا فرمانے جاتے یہ قدیم کوتوالی کی
طرف ہے اس کا فاصلہ آپ کے دولت خانہ سے پانچ سو قدم سے زیادہ ہے۔ ایک نحیف
وناتواں کے لئے اتنا فاصلہ بھی بہت ہے بلکہ یہ فاصلہ استطاعت سے کہیں زیادہ ہے۔

(۴) جبل پور سے واپس ہو کر ۲۲ رجب ۳۷ھ کو اعلیٰ حضرت نے بریلی سے
حضرت عید الاسلام کو یہ اطلاع نامہ بھیجا۔ ''شب دوشنبہ ۸ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی پر آیا'' راہ
میں بڑی نعمت، بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا، شاہجہانپور ۶-۳۳ پر آمد تھی
کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف ۸/ منٹ کے قیام۔ مگر گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ ۱۵ منٹ
لیٹ ہو کر شاہ جہاں پور پہنچی اور ۱۰ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان تمام نماز اچھے وقت ادا ہوئی، وللہ
الحمد۔ موٹر بلحاظ ہمراہیاں (جو استقبال کیلئے اسٹیشن پر کثیر تعداد میں آئے تھے) بہت آہستہ
خرامی کے ساتھ بہ دیر مکان پر پہنچا، فقیر نے ابتداء بہ مسجد کی، نماز عشاء ہوئی''(۷)

(۵) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۵۲ برس کی عمر میں دوسری بار سفر حج

کیا، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد آپ ایسے علیل ہوئے کہ دوماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے جب کچھ رو بہ صحت ہوئے تو ۲۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو زیارت روضہ انور کے لئے مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر جدہ سے بذریعہ کشتی رابغ پہنچے اور وہاں سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اونٹ کی سواری کی، اب آگے کا واقعہ خود اعلیٰ حضرت کی زبانی سنئے۔

''راہ میں جب ''بیر شیخ'' پر پہنچے ہیں منزل چند میل باقی تھی اور وقت فجر تھوڑا۔ حمالوں (اونٹ والوں) نے منزل ہی پر روکنا چاہا اور جب تک وقت نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقاء اتر پڑے، قافلہ چلا گیا، کرچ کا ڈول پاس تھا، لیکن رسی نہیں اور کنواں بھی گہرا۔ عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا بحمد اللہ تعالیٰ نماز ہوگئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے اتنے میل پیادہ (پیدل) کیونکر چلنا ہوگا، منہ پھیر کر دیکھا تو ایک حمال (اونٹ والا) محض اجنبی، اپنا اونٹ لئے میرے انتظار میں کھڑا ہے، حمد الٰہی بجالایا، اس پر سوار ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم یہ اونٹ کیسا لائے؟ کہا ہمیں شیخ حسین نے تاکید کردی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ (دیکھا کہ) میرا اپنا حمال اونٹ لئے کھڑا ہے، اس سے پوچھا، کہا کہ جب قافلے کے حمال نہ ٹھہرے، میں نے (دل میں) کہا شیخ کو تکلیف ہوگی قافلے میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔

یہ سب میرے سرکار کرم کی وصیتیں تھیں۔ صلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم وعلیہ وعلی عترتہ قدر رافتہ ورحمۃ ورنہ کہاں یہ فقیر، اور کہاں سردار رابغ شیخ حسین جن سے جان نہ پہچان۔ اور کہاں وحشی مزاج حمال اور ان کی یہ خارق العادات روشیں'' (۸)

سبحان اللہ! یہ ہے ذوق نماز اور شوق عبادت! کہ نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے دل بے قرار اور بے چین ہوگیا، وقت سے نماز ادا ہوگئی تو دل کو قرار مل گیا اور

جان میں جان آگئی، مہینوں کی طویل علالت اور ضعف شدید کے باوجود ہر طرح کی کلفت ومشقت سے بالکل بے پرواہ ہوکر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر ''احب العبادات'' نماز کو چھوڑنا گوارانہ فرمایا، یہ عاشق رسول اسے ''نعمت عظمیٰ'' سمجھتا ہے اور خدائے پاک کی اس نوازش پر وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے۔ یقیناً جو چیز خدائے ذوالجلال کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو، بہت ہی زیادہ پیاری ہو وہ ایک ''مومن کامل'' کے لئے ''نعمت عظمیٰ'' ضرور ہوگی۔

اور قربان جایئے۔اتباع سنت کے اس جذبہ کامل پر کہ آپ سوا ماہ کے بعد باہر سے اپنے وطن عزیز میں پہونچے تھے لیکن بچوں سے ملنے سے پہلے کشاں کشاں خانہ خدا میں حاضر ہورہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں سے ملنے میں جماعت فوت ہوجائے۔یہ ہے نماز کی محافظت۔اور یہ ہے شوق سجدہ۔

(۲) بیماری کی حالت میں نماز

نماز بڑی سے بڑی بیماری اور انتہائی کمزوری کی حالت میں بھی معاف نہیں ہوش وحواس اگر باقی ہیں تو ہر حال میں اسکی ادائیگی بعض خاص صورتوں کے سوا فرض قرار دی گئی ہے البتہ اس کی ادائیگی کے طریقوں میں نرمی اور آسانی کا یہ لحاظ کیا گیا ہے کہ کھڑا ہونا مشکل ہو تو عصا کے سہارے نماز پڑھو، بیٹھنے کی سکت نہ ہو۔تو کسی چیز سے ٹیک لگالو، اس کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹے ہی لیٹے اشارے سے اس کا سجدہ بندگی بجالاؤ، ارشاد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صلی قائما، فان لم تستطع فقاعدا، فان لم تستطع فعلی جنب تومی ایماء (۹) ''کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر یہ

بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر اشارے سے ادا کرو۔"

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہی رہا ہے کہ اپنی بیماری اور ضعف و کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل کی مکمل عملی تصویر تھی، قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہو کر ہمہ تن شوق مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں، بدن میں طاقت نہیں تو عصا کے سہارے قیام ہو رہا ہے اسی کے سہارے رکوع و سجود ادا ہو رہے ہیں۔ لیکن کبھی راحت نفس کیلئے نماز نہیں چھوڑتے۔
حضرت مولانا عبد السلام صاحب علیہ الرحمہ کے نام اپنے ایک مکتوب (مورخہ ۴ ربیع الآخر ۳۴ھ) میں آپ لکھتے ہیں:

"ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد کمر و مثانہ وسرو غیرہا امراض کالازم ہو گئے ہیں، قیام وقعود، رکوع وسجود بذریعہ عصاء ہے مگر الحمد اللہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے کثرت عبادت روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل نامتناہی شامل حال ہو الحمد اللہ رب العالمین" (اکرام ص ۱۲۸)

اعلیٰ حضرت کے قیام جبل پور کے دوران ایک روز حضرت عبد السلام نے عرض کیا" جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے، بریلی شریف میں کبھی کبھی نماز میں رکوع و سجود میں عصاء کا سہارا لینا پڑتا تھا، یہاں نہیں دیکھا۔ (اکرام ص ۹۸)

اعلیٰ حضرت اپنے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس مرض کے ساتھ ہی شدت کھانسی وزکام اور بلغم میں لزوجت ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشواری جدا ہوتا، کھانسی اس قدر شدت کی، اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد، ان کو ان جھٹکوں کی اصلاً خبر نہ ہوتی، یہ وہ مرض تھا کہ بائیس دن میں بازو کا گوشت صحیح پیمائش سے سوا انچ گھل گیا، رانوں کا ابتدائی حصہ اتنا رہ گیا جتنے بائیس

دن پہلے بازو تھے۔ شدت قبض و ہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک (جاری) ہے۔ اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال (دست) شروع ہوئے۔ اس نے بالکل گرادیا۔ نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے اس پر سے اس پر بیٹھے بیٹھے جانا تین تین بار ہمت سے ہوتا۔ الحمدللہ کہ اب تک فرض و وتر، اور صبح کی سنتیں بذریعہ عصاء کھڑے ہی ہوکر پڑھتا ہوں مگر جو دشواری ہوتی ہے۔ دل جانتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے۔ ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے۔ دو دو قرع کی قدر رکی رہتی ہے پھر باذنہ تعالیٰ چلنے لگتی ہے"۔ (اکرام ص ۱۱۴، ۱۱۵ خلاصہ بلفظہ)

شریعت کا قانون ہے کہ جب تک مریض کسی چیز کے سہارے قیام وقعود اور رکوع وسجود پر قادر ہو اس سے نماز معاف نہیں ہے اور نہ ہی اسے رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کی اجازت ہے اس لئے آپ نفس پر مشقت وتکلیف برداشت کر کے نماز کو تمام شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں مگر محبوب کی "آنکھوں کی ٹھنڈک" نماز میں کوئی کمی گوارا نہیں کرتے۔ یہ اتباع سنت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جس کی نظیر آج کے زمانے میں نظر نہیں آتی۔

(۳) جماعت کا التزام

احادیث کریمہ میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی پر بڑا زور دیا گیا ہے، مؤکد انداز میں طرح طرح سے اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کے ترک کو تعزیز شدید کا باعث قرار دیا گیا ہے ایک حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کے متعلق یہاں تک فرمایا۔

ثم اخال ف الی رجال لا یشھدون الصلوۃ فاحرق بیوتھم

(میں نے ارادہ کرلیا کہ) جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔ ان کے گھران

کے سمیت آگ سے جلا دوں۔

ایک حدیث میں سرکار نے فجر وعشاء کی جماعت کی اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی: **ولو تعلمون مافیھما لاتیتموھما ولوحبو اعلی الرکب** ’’اگر تمہیں نماز فجر وعشاء کا ثواب عظیم معلوم ہو جائے، تو یقیناً تم لوگ ان نمازوں کیلئے آؤ گے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر، یا پیٹ کے بل گھسیٹ کر (یعنی گرتے پڑتے) آنا پڑے۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اور دوسرے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (مشاہدہ کی روشنی میں) یہ فیصلہ ہے کہ: **ما یتخلف عن الصلاۃ الا منافق قد علم نفاقہٗ ام مریض ان کان المریض لیمش بین رجلین حتی یاتی الصلوٰۃ** نماز جماعت سے صرف دو شخص پیچھے رہتے ہیں۔ ایک تو منافق جس کا نفاق لوگوں پر ظاہر و آشکار ہو چکا ہو، اور دوسرے بیمار، بے شک بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے بیچ میں ان پر ٹیک لگا کر چلتے ہوئے مسجد میں حاضر ہوتا۔

یعنی جس مریض کی یہ حالت ہوتی کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ان کے سہارے کسی طرح مسجد تک پہنچ سکے۔ وہ بھی عہد رسالت وعہد صحابہ میں مسجد میں حاضر ہو کر شریک جماعت ہوتا اور جو مریض انتہائی ضعیف اور کمزوری کی وجہ سے اسی طور پر بھی حاضری سے معذور ہوتا وہی جماعت سے پیچھے رہ جاتا۔ یا پھر کوئی کھلا منافق ہی پیچھے رہتا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرض وصال میں ایک بار اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لگن (نہانے کا برتن) میں پانی

رکھو۔ہم نے پانی رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ پھر کھڑے ہونے لگے تو غشی طاری ہوگئی۔ افاقہ ہوا تو پھر وہی بات پوچھی ہم نے وہی جواب دہرایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا، کھڑے ہونے کے وقت غشی طاری ہوئی، افاقہ کے بعد پہلے ہی کی طرح سوال و جواب ہوئے غسل فرمایا، غشی آئی، افاقہ ہوا، اور اس بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کیا نہیں، اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !لوگ نماز عشاء کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کررہے ہیں اس مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر بھیجی کہ وہ نماز پڑھادیں، تو انہوں نے نماز پڑھائی، بیماری کے دنوں میں وہی نماز پڑھاتے رہے۔

لما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وجدمن نفسه خفته فخرج بین رجلین احدهما العباس لصلوة الظهر. قال (ابن عباس) الذی کان مع العباس هو علی رضی الله عنه.

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپ نماز ظہر کیلئے دو آدمیوں کے بیچ میں (ان کے سہارے) چل کر تشریف لے گئے۔دو آدمیوں میں سے ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وقام بهادین بین رجلین و رجلاه تخطان فی الارض

آپ دو آدمیوں پر ٹیک لگا کر ان کے بیچ میں ادھر ادھر جھکتے ہوئے یوں چل رہے تھے کہ آپ کے قدم نازمین سے گھسٹ رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مرض وصال کا ہے:

لما مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم منه الذی توفی فیه ان احادیث

کو ذہن میں رکھ کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کا جائزہ لیجئے تو اس میں نمایاں طور پر صحابہ کرام بلکہ خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا عکس جمیل جھلکتا ہوا نظر آئے گا، اور آپ محسوس کریں گے کہ اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر ماہ رسالت اور اس کے نجوم ہدایت سے جو کسب نور کیا تھا وہ نور خود ان کی ذات انور میں جگمگا رہا ہے۔ بڑھاپے کا زمانہ ہے کثرت کار ہجوم افکار نزول بلایا و شدت امراض کے باعث آپ کے قویٰ ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ نقاہت اور کمزوری حد درجہ کو پہنچ چکی ہے، چند قدم چلنے کی بھی بدن میں طاقت نہیں رہ گئی۔ گویا:

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان ان کی

مگر اس مرد باخدا کے عزم و حوصلہ کی بلندی کا عجب حال ہے کہ وہ تمام دشواریوں، مجبوریوں اور معذریوں کے باوجود قرب مولیٰ کے شوق میں جانب منزل یوں رواں دواں ہے کہ:

ان کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ہوگا کسی گلی میں میلہ لگا ہوا
ضعف مانا، مگر اے ظالم دل
ان کے رستے میں تو تھکا نہ کرے

وہ منزل ''مسجد'' ہے جہاں اتباع رسول کا جذبہ صادق انہیں کھینچ لئے جا رہا تھا، آپ بھی اس کا ایک منظر ملاحظہ کیجئے۔

''اجل نزدیک، اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ نعم الوکیل'' چار دن کم پانچ مہینے ہوئے، آنکھ دکھنے آئی اور اس پر اطوار مختلفہ وارد ہوئے، ضعف قائم ہوگیا، سیاہ

خیالات نظر آتے ہیں، آنکھیں ہمہ وقت نم رہتی ہیں۔ اول تو مہینوں کچھ لکھ پڑھ ہی نہیں سکا، اب یہ (حال) ہے چند منٹ نگاہ نیچی کرنے سے آنکھ بھاری پڑجاتی ہے۔ کمزوری بڑھ جاتی ہے۔ پانچ مہینے سے مسائل و رسائل سب زبانی بتا کر لکھے جاتے ہیں۔ بارہویں ربیع الاول کی شام سے ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ عمر بھر میں نہ ہوا تھا نہ اللہ تعالیٰ کسی سنی کو اس میں مبتلا کرے۔ پچھتر گھنٹے کامل اجابت نہ ہوئی، پیشاب بھی بند ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ نے فضل فرمایا مگر ضعف بدرجہ، غایت ہے، نواں روز ہے بخار کا دورہ ہوا، ضعف کو اور قوت بخشی، روز تجربہ کیا مسجد تک جانے آنے کے تعب سے فوراً بخار آجاتا ہے مجبورانہ کئی روز سے یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھا کر چار آدمی لے جاتے اور لاتے ہیں ظہر کو جاتا اور مغرب پڑھ کر آتا ہوں طالب دعا ہوں''

(۲تا۵) اس بیماری کا تذکرہ آپ کے مختلف خطوط میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، آپ نے یہ خطوط ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ جناب مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ، احمد آباد گجرات اور مجاہد کبیر حضرت مولانا حاکم علی صاحب علیہ الرحمہ موتی بازار لاہور، پاکستان کے ضروری استفسار یا اہم دینی مکتوب کے جواب میں ارقام فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا حاکم علی صاحب کے استفسار کے جواب میں آپ نے رسالہ مبارکہ نزول آیات فرقان، سکون زمین و آسمان تصنیف فرمائے ہیں۔ وہی کیفیت اب تک ہے اب بھی اسی طرح چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر مسجد لے جاتے اور لاتے ہیں۔

حضرت مولانا احمد بخش صاحب کے جواب میں ایک مبسوط فتویٰ تحریر فرمایا ہے اس کے شروع میں تاخیر کا عذر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا، ایسا مرض کبھی نہ

ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ لکھوا دیا، اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا، مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا، زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعف شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے فرض وتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں، باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے وہاں تک چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے ہیں اور لاتے، اور باقی امراض کہ کئی برس سے کاللازم بدستور ہیں کبھی ترقی، کبھی تنزل **و الحمد لله علی کل حال واعوذ بالله من حال اهل النار، حاش لله استغفر الله معاذ الله.** یہ بطور شکایت نہیں بلکہ صرف معذرت کیلئے اظہار واقعیت، اس کے وجہ کریم کو حمد ابدی ہے۔

(۶) حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتوب (نوشتہ ۵ محرم شریف سن ۳۷ھ) میں اپنا حال اس طرح لکھتے ہیں۔

''۲۲/ ذیقعدہ سے آج ۲۲/ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کیلئے لوگ کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱/ محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں۔ لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں نقاہت و ضعف اب بھی بشدت ہے دعا کا طالب ہوں''۔

(۷) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ماہ وصال و مرض وصال میں حضرت عبدالاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی حوادث سے دوچار ہوئے آپ نے تعزیت کیلئے عدم حاضری کی وجہ ذکر کرتے ہوئے تفصیل سے اپنی جانکاہ اور انتہائی صبر آزما و حوصلہ شکن بیماریوں کا حال پر ملال لکھا ہے اسی کا ایک مختصر اقتباس یہ ہے:

''شدت قبض و ہیجان ریاح کا سلسلہ اب تک ہے۔ ۱۴/ محرم کو پہاڑ (بھوالی) سے واپس آیا لاری والے میرے احباب تھے۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ لاری

میں میرے لئے پلنگ بچھا کر لائے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت آرام سے آنا ہوا۔ یہاں جب تک آیا ہوں اتنی قوت باقی تھی کہ عشا سے ظہر تک کی نمازوں کو چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے گئے، عصر بھی مسجد میں ادا کی پھر بخار آ گیا اور اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی۔ پندرہ روز سے اسہال شروع ہوئے۔ اس نے بالکل گرا دیا ہے۔ آٹھویں دن جمعہ کی حاضری تو ضرور ہے، مکان سے مسجد تک جانے میں وہ تعب ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سنتیں بھی بدقت تمام پڑھی جاتی ہیں اور اس تکان سے عشاء تک بدن چور رہتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے۔ لہذا بادل ناخواستہ حاضری سے معذور ہوں"۔

یہ مکتوب ۹ رصفر ۱۳۴۰ھ کو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے املا کیا اور اس کے صرف دو ہفتہ بعد ۲۵ رصفر کو ظہر کے وقت آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان خطوط کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اتباع سنت کا بے پناہ شوق تھا، کہنے کو تو وہ یہ کہتے ہیں:

حشر میں کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا

لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

لیکن سرکار علیہ التحیۃ والثنا سے ان کی وارفتگی، عشق کا عالم یہ ہے کہ دنیا میں ہی آپ کے ایک ایک قول وفعل پر عمل کیلئے دیوانہ وار مچل رہے ہیں۔ بدن میں طاقت نہیں لیکن جماعت میں شرکت کیلئے بے چین ہیں۔ کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کو کسی بھی حال میں وسعت کے باوجود جماعت سے غیر حاضری گوارا نہ تھی۔ لوگوں کے سہارے کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ یہ آمدورفت بھی آپ کے لئے سخت کلفت ومشقت کی باعث ہے۔ یہ سب اس جذبہ شوق میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے صحابہ بھی بیماری وناتوانی کی حالت میں دوآدمیوں کے بیچ میں چل کر جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے اور ایک دفعہ خود حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ بلاشبہ اعلیٰ حضرت کا یہ مثالی کردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی اسی سنت کے اتباع میں تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ادا جو آپ کے دوآدمیوں کے بیچ میں چل کر جانے میں تھی کرسی پر جانے میں ادا نہیں ہوتی اس لئے اعلیٰ حضرت بسا اوقات دوآدمیوں کے بیچ میں چل کر بھی مسجد تشریف لے گئے تا کہ محبوب کی وہ ادا بھی ادا ہو جائے۔

ایک عاشق کیلئے ادائے محبوب میں مشابہت کا جو لطف ہے وہ صرف متابعت میں کہاں؟

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اعلیٰ حضرت کے مکتوبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ دنوں انتہائی ضعف اور کمزوری کی بناء پر مسجد میں حاضر نہ ہو سکے مگر یہ اس لئے تھا کہ شریعت نے بے بسی کی حالت میں حاضری کا مکلف ہی نہیں کیا ہے خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے بھی اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے البتہ سرکار کا یہ عمل عذر کی وجہ سے بادل ناخواستہ تھا اس لئے یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد سے اپنی غیر حاضری کو دل سے گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اسے اپنی محرومی سمجھتا ہے۔ وہ بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ اپنے قرۃ العین ودرۃ الزین (حضرت ملک العلماء) کو لکھتا ہے کہ: "مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا"

خدا کی قسم! یہ امام احمد رضا قدس سرہ کے اتباع سنت کا وہ بے مثال نمونہ ہے جسے دیکھ کر عہد رسالت وعہد صحابہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جاتی ہے۔

(۴) صحرا میں اذان کی صدا

اذان اہم شعائرِ اسلام سے ہے حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے ایک حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لایسمع مدی صوت الموذن جن والانس و حتی اشهد له یوم القیمه (رواه البخاری)

''موذن کی آواز پہنچنے کے آخری مقام تک جن وانسان اور حیوانات ونباتات وجمادات سے ہر چیز جو یہ آواز سنتی ہے۔ وہ سب کے سب قیامت کے دن موذن کیلئے اس کے ایمان اور فضل وکرامت کی گواہی دیں گے۔''

ایک حدیث میں ہے: ویشهدله کل رطب ویابس: ''ہر خشک و تر موذن کیلئے گواہ ہو جاتے ہیں۔''

ایک دفعہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بنفس نفیس اذان دی، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں'' درمختار میں غنیۃ کے حوالہ سے ہے کہ ایک سفر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اذان دی، اقامت فرمائی، اور نماز ادا کی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی اور اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز ادا کی، امام ابن حجر مکی کی تحفۃ الاسلام میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی، تو تشہد میں اشھدان رسول اللہ کہا۔ علامہ ابن حجر نے اس حدیث کی صحت کا اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے، جو قابل تاویل نہیں''۔

امام احمد رضا نے اس سنت کی پیروی کا جو نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ بڑا ہی قابل رشک ہے۔ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ میں قیام جبل پور کے دوران ایک روز آپ سیر وتفریح کیلئے نربدا ندی تک چلے گئے۔ وہیں پر نماز مغرب کا وقت ہوگیا، اب آگے کا واقعہ

حضرت برہان رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے۔ رقمطراز ہیں:

''بندر کودنی کے خشک ریت کے میدان میں مصلی اور رومال وغیرہ بچھا لئے گئے، میں نے اذان دینے کے ارادے سے کان میں انگلیاں لگائیں کہ اذان کی آواز سنائی دی، دیکھا کہ اعلیٰ حضرت اذان دے رہے تھے۔ حضرت ہی نے اقامت فرمائی اور نماز مغرب پڑھائی، فارغ ہونے پر ہم سب قدم بوس ہوئے تو اپنے دست مبارک میں خادم کا ہاتھ لے کر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے۔ وہاں کا ہر فرد شاہد اور گواہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اذان دی کہ یہاں کا بہتا ہوا دریا، پہاڑ، درخت، سبزہ اور ریت سب مجھ فقیر کیلئے شاہد ہو جائیں''۔

سبحان اللہ! بڑی قابل رشک ہے یہ نیت کہ اذان کے ساتھ اس مبارک نیت کے حسین امتزاج سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب دوبالا ہو گیا۔ بلکہ بڑی بات یہ ہوئی کہ رسول کی سنت کامل طور سے ادا ہو گئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نیت حسنہ سے خالی نہیں ہوتا وہ خود فرماتے ہیں۔ **انما الاعمال بالنیات نیتۃ المومن خیر من عملہ** تو آپ نے سفر میں جو اذان دی تھی، وہ یقیناً ''نیت حسنہ (جو بھی ہو) کی مظہر ہو گی، اس لئے اعلیٰ حضرت اتباع رسول میں جب سفر میں اذان کی صدائے حق بلند کرتے ہیں، تو اسے نیت حسنہ سے مزین و آراستہ کر کے بلند کرتے ہیں۔ تا کہ ظاہر و باطن ہر طرح سے رسول کے اسوہ حسنہ کا کامل اتباع ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اقامت فرما کر امامت بھی کی تھی۔ اس لئے اعلیٰ حضرت بھی خود ہی اقامت و امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ کہ شیوہ محبت یہی ہے کہ محبوب جو کچھ کرے محبّ وہ سب کچھ اس انداز سے بجالائے۔ آپ نے یہ سبق صحابہ کرام کے مکتبہ عشق سے سیکھا ہے۔ مولائے

کائنات حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چوپائے پر سوار ہو کر دعا پڑھی پھر ہنس پڑے، ان سے پوچھا گیا اے امیر المومنین اس وقت آپ کے ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا(رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع کما صنعت ثم ضحک) میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایسا ہی کیا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا پھر آپ ہنس پڑے (مطلب یہ ہے کہ میں نے اس موقعہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے دیکھا ہے اس لئے میں بھی ہنس پڑا مقصود صرف سرکار کی ادا کا لحاظ ہے اور بس) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اسی مکتب عشق کے پروردہ تھے اس لئے آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے اور رسول کو جیسے چلتے دیکھا اسی انداز سے چل پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو اپنا حرز جان بنالیا اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کو دین وایمان۔

راجع وحواشی

(۱) مشکوٰۃ شریف باب فضل الفقرا، بحوالہ احمد ونسائی، ص:۴۴۹
(۲) فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، بحوالہ، شعب الایمان، بیہقی
(۳) درج بالا تین حدیثیں فتاویٰ رضویہ جلد دوم رسالہ حاجز البحرین میں اعلیٰ حضرت نے نقل کی ہیں۔
(۴) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۸۶،۸۷
(۵) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۸۸
(۶) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۸۹
(۷) اکرام امام احمد رضا (مجموعہ مکاتیب اعلیٰ حضرت ص:۹۹
(۸) الملفوظ حصہ دوم، ص:۳۲،۳۳
(۹) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ باب صلوٰۃ المریض، بحوالہ بخاری وسنن اربعہ

مکاتیب رضا میں انشا پردازی کی خوبیاں

علامہ سید وجاہت رسول قادری
صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی

☆

سمندر میں صدف ہے......اور صدف میں موتی

ہر صدف میں موتی نہیں ہوتا......جس صدف میں یہ دولت ہے

وہ ہے اللہ کا انتخاب

اچھا! ہر وہ شخص......جو تیراک ہے یا غواص

بحری علوم سے واقفیت رکھتا ہے......یا بحریات کا ماہر

کیا اس کی رسائی موتی والے صدف تک ممکن ہے؟

ظاہر ہے، جواب 'نا' ہی ہوگا

قرآن سمندر ہے......اور حدیثیں دریا

قرآن وحدیث کے سمندر سے موتی

دینی مسائل اور ان کے رموز واسرار

ہر شخص نکال لے

یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۳۲)

مکاتیب رضا میں انشاپردازی کی خوبیاں

بقلم: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

مکتوب ابلاغ عامہ کا ایک ذریعہ ہے، ابلاغ یا ابلاغ عامہ کی چند تعریفیں حسب ذیل ہیں: جارج اے ملر کے بقول: ”ابلاغ کا مطلب ایک اطلاع یا پیغام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔“ بیزی کی کہنا ہے: ”دو یا دو سے زائد افراد کا ایک دوسرے کے مفہوم کو سمجھ لینا ابلاغ کہلاتا ہے۔“ ایڈورڈ اہل برنگ کے خیال میں: ”ایک معاشرے میں رہتے ہوئے افراد آپس میں جو باہمی گفتگو یا اشارہ کریں۔ ان کا یہ عمل ابلاغ کہلاتا ہے۔“ جب کہ ابلاغیات کے زیادہ تر ماہرین جس مختصر لیکن جامع تعریف پر متفق ہیں، وہ حسب ذیل ہے۔ دو یا دو سے زائد افراد کے مابین تبادلہ خیال کو ”ابلاغ“ کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ جامع تعریف کی جا سکتی ہے۔ کہ ”دو افراد کے آپس کے خیالات کا اچھی طرح سمجھنا ابلاغ ہے“۔ ابلاغ کا یہ عمل گفتگو کے علاوہ تصاویر، اشارات، حلق کی بے معنی آوازوں، مجسموں اور گرافکس وغیرہ کی مدد سے بھی مکمل ہو سکتا ہے۔

ڈاک ، ٹیلیگرام ، ٹیلکس ، پھر فیکس اور ای میل وغیرہ کے ذریعہ مراسلت اور پیغام رسانی سے معاشرے (بلکہ پوری دنیا) میں دوطرفہ ابلاغ کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ خط وکتابت ایسا مؤثر ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ ایک فرد کسی دوسرے فرد کو اپنا حال دل سناتا اور اس کی زبانی اس کے حالات سنتا ہے۔ یہ گفتگو وسیع البنیاد بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے ذریعہ دشمنی دوستی میں ، منافرت محبت میں اور اختلافات اتفاق میں بدل جاتے ہیں ۔ تاہم اگر سننے اور سنانے والے باشعور نہ ہوں تو یہ باہمی رابطہ یا دوطرفہ ابلاغ فہمی کے سبب معکوس یا متضاد بھی ہوسکتا ہے۔

"مکتوب" عربی لفظ ہے اس کا مادہ "کتب" ہے، جس کے معنیٰ "لکھنا" کے ہیں، مکتوب، "کتب" کا اسم مفعول ہے۔ اس کے معنی خط کے ہیں۔ اس کی جمع "مکاتیب" ہے۔ عربی میں اس کے مترادف الفاظ "الصحیفۃ" اور "الرِسالۃ" یا "الرسالۃ" اور "کتاب" بھی آتا ہے۔ اسی سے "مراسلت" ہے، ایک دوسرے سے خط وکتابت کرنے کو "مکاتبہ" یا "مکاتب" کہتے ہیں، انگریزی زبان میں مکتوب کو Letter اور مراسلت کو Correspondence کہا جاتا ہے۔ مکاتبہ یا مراسلت میں دوفریق ہوتے ہیں۔ ایک "مکتوب منہ" (لکھنے والا) اور ایک "مکتوب الیہ" (جس کو خط لکھا جارہا ہے) "مکتوب" کی اگر آسان زبان میں تعریف کی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ ایک غائبانہ مکالمت یا گفتگو، ایک ایسی گفتگو جس میں مکتوب منہ اور "مکتوب الیہ" میں بُعد مکانی کے باوجود قرب محسوس ہوتا ہے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خطوط کسی بھی شخصیت کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں۔

خط کی کوئی جامع تعریف نہیں ہے۔ مختلف مشاہیر ادب نے خط نویسی کی خصوصیت پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مکتوب

نگاری ایک اضطراری عمل ہے اور دیگر اصناف سخن مثلاً مقالہ نگاری، افسانہ نگاری، تنقید نگاری وغیرہ اختیاری عمل ہے کہ اس میں اہتمام کرنا پڑتا ہے اور مکتوب ایک قلم برداشتہ، بلا تکلف، سچی گفتگو ریکارڈ کرنے کا نام ہے۔ سرِ دست مکتوب نگاری کی صرف تین تعریفیں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) حسن تحریر کی وہ صنف جو تالیف وتصنیف میں نظر آتی ہے، وہ سراپائے جمال ہے جو اپنے جلوہ سر بام کا احساس رکھتی ہے اور دیکھنے والوں کے لئے اہتمام آرائش کرتی ہے اور حسن تحریر کی وہ صنف جو کارڈ کی چلمنوں اور لفافوں کے نقابوں میں چھپی ہوتی ہے۔ وہ اپنے جلووں سے بے پروا اور تاک جھانک کرنے والوں سے بے خبر رہتی ہے۔ اس لئے وہ تصنع وتکلف کے غازہ اور پاؤڈر اور سعی واہتمام کی زینت وآرائش سے پاک ہوتی ہے۔ وہ فطرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی وہ ہے۔

(۲) خطوط کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دل کی آواز ہوتے ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اپنے الفاظ میں خط نگاری کی تعریف کرتے ہوئے اس قول کی تصدیق یوں کرتے ہیں:

''ادب میں سیکڑوں دلکشیاں ہیں۔ اس کی بے شمار راہیں اور ان گنت گھاتیں ہیں۔ لیکن خطوط میں جو جادو ہے۔ (بشرطیکہ خط لکھنا آتا ہو) وہ اس کی کسی ادا میں نہیں، نظم ہو، ناول ہو، ڈراما ہو یا کوئی مضمون، غرض ادب کی تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بناوٹ کی باتیں بہت جلد پرانی اور بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔ صرف سادگی میں ایسا حسن ہے جسے کسی حال میں اور کسی زمانے میں زوال نہیں بشرطیکہ اس میں صداقت ہو اور ہم میں سے کون ہے جس کے دل میں سچ کی چاہ نہیں۔''

(۳) یہاں ایک انگریز رائٹر ڈراؤتھی آسبرن کا خیال بھی دلچسپی سے

خالی نہیں۔ وہ کہتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ خطوط ایسی بے تکلف اور آسان زبان میں لکھنے چاہیے، جیسے ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ نہ ہونا چاہے کہ خط پڑھتے وقت ایسا معلوم ہونے لگے، جیسے ہم کوئی دھواں دھار تقریر سن رہے ہیں یا مشکل الفاظ سے وہ اتنے لدے ہوئے ہوں کہ طلسمات بن کر رہ جائیں''۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ انسان کے اپنے خیالات ونظریات کی ترجمانی کے لئے خط سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعہ ابلاغ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کسی بھی شخصیت سے قریب تر ہونے کے لئے مکاتیب بہترین ذریعہ ہیں۔ صاحب مکتوب سے قاری کو قربت حاصل ہوتی ہے اور اس کی صاف وشفاف شخصیت نکھر کے سامنے آتی ہے۔ مکتوب مختلف نوع کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی بیسیوں اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔ لیکن راقم کے خیال میں جس طرح قلم کی دو عمومی قسمیں بیان کی جاسکتی ہیں:

(۱) قلم اعلی اور (۲) قلم اسفل، اسی طرح مکتوب کی بھی دو قسمیں متعین کی جاسکتی ہیں (۱) علمی واصلاحی مکتوب اور (۲) خالصتاً دنیوی، تجارتی یا تخریبی مکتوب، لیکن ان دونوں قسموں کے مکاتیب کے مطالعہ میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ ان سے صاحب مکتوب کی شخصیت نگاری اور سوانح نگاری کے وافر اور بیش بہا مواد ضرور مل جاتے ہیں۔

جہاں تک مکاتیب کے اسلوب وزبان کا تعلق ہے اس کے متعلق علماء وناقدین ادب کا یہ خیال ہے کہ مکاتیب کی زبان سادہ اور آسان اور روز مرہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ سلاست وروانی مکتوب کا حسن ہے۔ بشرطیکہ اس میں تصنع کا عمل دخل نہ ہو۔ لہٰذا جن مکاتیب میں سادگی وسلاست کا عنصر نہ ہو۔ ان کو خطوط کی فہرست میں شامل کرنا ناقدانِ ادب کے نزدیک ایک عملِ نازیبا ہے۔ مثلاً نیاز فتح پوری اور ابوالکلام آزاد کے

خطوط کے متعلق بعض ناقدین ادب کا خیال ہے کہ یہ خطوط سے زیادہ ادبی مقالے ہیں۔

مکتوب نگاری کی ابتداء کب سے ہوئی؟ تاریخ انسانی اس پر خاموش ہے، اس لئے اس کا مستند جواب تو ممکن نہیں، البتہ قرآن حکیم کے اس اعلان کے بموجب:

''**وعلّم ادم الاسماء کلھا**'' (اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔)

یہ بات طے شدہ ہے کہ ''قلم'' اس کی افادیت اور اس کے طریقہ استعمال کا علم سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ، السامی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ سیدی عبدالعزیز ابن مسعود باغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ''**ابریز**'' کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس کلام نورانی واعلام ربانی ایمان افروز کفران سوز کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کے دو نام ہیں۔ ''علوی'' و ''سفلی'' سفلی نام تو مسمّیٰ سے ایک گونہ آگاہی دیتا ہے اور ''علوی'' نام سنتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مسمّیٰ کی حقیقت و ماہیت کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوا اور کاہے سے بنا اور کس لئے بنا، سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اشیاء کے یہ علوی نام تعلیم فرمائے گئے جس سے انہوں نے حسب طاقت و حاجتِ بشری اشیاء جان لیں اور یہ زیر عرش اشیاء جان لیں اور یہ زیر عرش سے زیر فرش تک کی تمام چیزیں ہیں۔

لٰہذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کی فطرت میں لوح وقلم وکتابت اور کتاب کا عرفان روز پیدائش سے ودیعت فرما دیا، چنانچہ جب سے حضرت انسان نے بولنا سیکھا اور جب سے اعجاز قلم نے اسے درختوں کے پتوں، پیڑ کی چھالوں اور جانوروں کی ہڈیوں اور پہاڑوں کی چٹانوں پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے کا شغل سکھایا۔ اس وقت سے ایک دوسرے کے ساتھ پیغام محبت کا تبادلہ اور خطوط نویسی کا آغاز ہوا اور یہی آغاز فروغ علم

ودانش کا باعث ہوا۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر صحف کا اترنا۔ مثلاً صحف ابراہیم وصحف موسیٰ علیہما السلام، کا نزول بھی فروغ علم بالقلم کا محرک بنا۔ قرآن مجید فرقان حمید میں صحف انبیاء علیہما السلام کے علاوہ خود قلم وقرطاس، اس سے لکھنے لکھانے اور مکتوب نگاری کا بھی ذکر موجود ہے۔

(۱) وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o (العلق: ۹۶: ۴)

(اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا)

(قَالَتْ یٰاَیُّھَا الْمَلَؤُا اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتَابٌ کَرِیْمٌ o اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o (النمل: ۲۷: ۳۰)

وہ عورت بولی: اے سردار! بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈال دیا گیا، بیشک وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

(۳) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ o (الانعام: ۶: ۷)

اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی وہ کہتے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔"

"ترمذی شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ لکھ! قلم نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ ارشاد فرمایا: تقدیر کو لکھ، چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی، جو گزر گئی

اور آئندہ کبھی ہونے والی ہے۔"

غرض یہ کہ مکتوبات نگاری مقدس شخصیات کا پاکیزہ عمل رہا ہے۔قرآن وسنت اس پر ناطق ہیں، بلکہ تمام سابقہ کتب منزلہ وصحف مطہرہ بھی اس پر دلیل وبرہان ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰہ والسلام نے اپنے مکتوباتِ کریمہ سے تبلیغ دین، تعلیم وتعلم اور نفوس کے تزکیہ کا کام کیا اوراس کے معجز نما ثمرات مرتب ہوئے۔اس کے دوامی اثرات جریدۂ تاریخ عالم میں ثبت ہیں۔

تاریخ اسلام میں آغاز ہی سے اس کا پتہ چلتا ہے۔آقا ومولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہارگانہ فرائض ووظائفِ نبوت، تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم الکتاب، تعلیمِ حکمت کی بجاآوری کے لئے اپنے مکتوباتِ شریفہ کو دیگر ذرائع ابلاغ کی طرح بطور آلہ استعمال فرمایا ہے جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔آقا ومولیٰ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد مکاتیب گرامی احادیث وسیرت کی کتب میں محفوظ ہیں۔جن کے بعض مجموعے کتابی صورت میں منظر عام پر آچکے ہیں۔مکاتیب نبوی عموماً حسب ذیل اجزاے ترکیبی پر مشتمل ہیں:

(۱) ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

(۲) بحیثیت مرسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مع ضروری صفات اور کوئی ایسا لفظ جس سے منجانب کا مفہوم ادا ہوتا ہو۔

(۳) مکتوب الیہ کا نام مع لقب۔

(۴) امن وسلامتی کا مفہوم ادا کرنے والا فقرہ۔

(۵) پرزور شستہ الفاظ میں مختصر مگر جامع مضمون۔

(۶) آخر میں مہرِ رسالت۔

پیغام نبوی کی خصوصیات:

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں طوالت بیان، عبارت آرائی، تکلف و تصنع اور لفظ و بیان کی نمائش کے بجائے سادگی، حقیقت پسندی، بے تکلفی اور اختصار کا طرز نمایاں ہے۔ ان میں پیغمبرانہ امانت وصداقت کے انتہائی عزم و یقین کے ساتھ حق کی دعوت ہے۔ اصول دین کی تبلیغ ہے۔ سیاسی اور معاشرتی معاہدے ہیں جن سے عہد نبوی کی سیاسی تاریخ واضح ہوتی ہے۔ مقبوضہ املاک کی بحالی کا وعدہ ہے۔ اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل وغیرہ امور کا ذکر ہے۔

مکتوبات نبوی کے ایک ایک لفظ سے مخاطب کے لئے دردمندی اور خیر اندیشی کے دلی جذبات مترشح ہوتے ہیں۔ ان کا انداز بیان از دل خیزد، بر دل ریزد، کی آپ اپنی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانے کے انقلابات اور لیل ونہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود ان میں آج بھی وہی نور ہدایت اپنی پوری تابنا کی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ آرا ہے، جس نے چودہ سو سال پہلے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔

مکتوباتِ نبوی میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ وہ چار مشہور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تھے۔ مشرکینِ عرب، عیسائی، یہودی، اور زرتشی (مجوسی) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸۱ر مکتوب گرامی اہل سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا۔ جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ لوگ مشرف باسلام ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔

آپ نے شاہان وقت اور اپنے دور کے ''سپر پاور'' مانے جانے والے ممالک کے سربراہان کو اپنے مکتوباتِ شریفہ کے ذریعہ دعوت اسلام دی جن کے تاریخ عالم پر

گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ قتل وغارت گری اور دہشت گردی سے انسانیت کو چھٹکارا ملا اور امن وسلامتی کا دور شروع ہوا۔

اسلام کی بعثت سے قبل دیارِ عرب میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشے سے تعلق رکھنے والے کو ''کاتب'' کہا جاتا تھا۔ مشہور ومعروف عربی قصائد ''المعلقات السبعہ'' لکھ کر کعبہ شریف کی دیوار پر لٹکائے گئے تھے۔ جو تقریباً ڈیڑھ سو سال تک لٹکتے رہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد چونکہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتعلم اور کتابت کو عام کرنے کا حکم صادر فرمایا: اس سے فن مکتوب نگاری کو کافی ترقی ہوئی۔ (جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا) خود آقا ومولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر مکاتیبِ شریفہ تاریخ نے محفوظ کر لئے، جن کی تعداد بعض محققین نے تقریباً دو سو پچاس بتائی ہے۔

آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے بھی مکتوب نگاری کی سنت کو جاری رکھا اور بذریعہ مراسلت احکام وفرامین کا اجراء کر کے عاملین حکومت، مجاہدین اسلام اور مبلغین دین کی راہنمائی فرماتے رہے۔ خلفائے راشدین مہدین نے اس سنتِ نبوی پر عمل پیرا ہو کر روز افزوں وسیع سے وسیع تر ہونے والی مملکتِ اسلامیہ میں دوررس فلاحی، معاشی اور سیاسی اصطلاحات کیں۔ جس کے ثمرات رہتی دنیا تک محسوس کئے جاتے رہیں گے۔ خط ذوی العقول کو لکھے جاتے ہیں۔ لیکن خلیفہ ثانی فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غیر ذوی العقول دریائے نیل، مصر کو خط انسانی اور مکتوب گرامی کی کرامت ہے کہ دریائے نیل خشک ہو جانے کی بیماری سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ راقم نے سفر قاہرہ کے دوران دریائے نیل کو دیکھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اب دریا کے بجائے ایک سمندر میں تبدیل ہو گیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ بڑے بڑے بحری جہاز اس میں گشت

کرتے نظر آتے ہیں۔

خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں خط لکھنے کے لئے کاتبین مقرر کئے گئے تھے۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد میں اس فن کو کافی عروج حاصل ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں حضرت امام امالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتیب خلیفہ ہارون الرشید کے نام اور امام لیث کے مکاتیب امام مالک کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مکتوب نگاری میں مشق اور دسترس حاصل کرنے کے لئے بہت سی کتابیں اور نمونے کے مکاتیب شائع کئے گئے۔ ان میں ابوبکر خوارزمی کے رسائل ''مقامات بدیع الزماں ہمدانی'' اور ابومحمد القاسم الحریری کے ''مقامات حریری'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اعلم و معلم کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکتوب نگاری کی سنتِ مبارکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے ائمہ، علماء اور اولیائے کرام میں جاری وساری رہی۔ انہوں نے اپنے مکاتیب سے تبلیغ اسلام، اصلاح احوال اور تزکیہ قلوب کا کام لیا۔ علماء وصوفیاء میں امام غزالی قدس سرہ کے مکاتیب سے قبل کسی جامع مجموعہ مکاتیب کا پتا نہیں چلتا ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیلمی، ساسانی، غزنوی اور سلجوقی سلاطین کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اس دور میں علم وادب (عربی فارسی) کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ فن مکتوب نگاری میں بھی ترقی ہوئی۔ اس دور کے علماء وادباء میں اپنے مکاتیب کو جمع وتدوین کرنے کا ذوق پیدا ہوا۔ ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد شریف کی تباہی کے بعد جب خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوا۔ غیر عرب (عجمی) مسلم سلطنتیں، ایران، افغانستان، ممالک ماوراء النہر میں قائم ہوئیں۔ اس دور میں فارسی انشاء پردازی کو فروغ پانے کا موقع ملا۔ اس دور کے علماء میں صابی، صاحب اور عماد کاتب سے لے کر ''مثل السائر'' کے مصنف ابن عبدالکریم تک متعدد ایسے نامور انشاء پرداز گزرے ہیں،

جن کے مکتوبات اور مجموعۂ مراسلت ادب کے بیش بہا سرمایہ تصور کئے جاتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان سلاطین کے دور میں شاہی دربار کے علماء وادباء میں "آئینہ اکبری" کے مصنف اور مغل بادشاہ اکبر کے درباری نورتن ابوالفضل کے (فارسی) مکتوبات کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ فارسی زبان میں صوفیا نے مکتوب نگاری کی ابتدا ہندوستان کے اول مسلم سلاطین کے دور سے ہی ہوتی ہے۔ حرمین شریفین، جامعہ ازہر قاہرہ، ملک شام، عراق، ماوراءالنہر، ترکی کے علمی، دینی اور روحانی مراکز سے دوری کی بنا پر صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے دینی اور اخلاقی تعلیم کے فلسفہ اور تصوف کے آداب و رموز و نکات کی تشریح و تعبیر، تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کے ابلاغ کے لئے مکتوب نگاری کو ذریعہ و آلہ بنایا۔ جس کے معاشرے پر نہایت اچھے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور زاہدان (بلوچستان) سے لے کر آسام و برما کے پہاڑوں تک اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔

برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اور مکاتیب محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق قادری محدث دہلوی نوراللہ مرقدہ کی اثر پذیری اظہر من الشمس ہے۔

دور اکبری و جہانگیری میں ہزاروں کی اصلاح ہوئی اور وہ مومن صادق بنے۔ ہزارہا افراد فسق و دیر سے تائب ہو کر داخل اسلام ہوئے اور ایک خدا، ایک رسول اور ایک حرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بحمد اللہ آج تک ان مکاتیب کا فیض جاری و ساری ہے۔ بزرگان کرام اور صالحین امت ان مکاتیب مبارکہ سے تزکیہ قلوب اور اصلاح معاشرہ کا کام لیتے رہے ہیں اور لے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ العزیز کے "مکتوبات صدی" مکتوبات دوصدی اور "مکتوبات بست

وحشت'' کی بھی ایک تاریخی، دینی، علمی اور روحانی اہمیت ہے۔ یہ انشاء پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بلا تکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔ ان کے علاوہ حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی، حضرت عبد القدوس گنگوہی، حضرت رشید الدین فضل اللہ، حضرت مولانا عبدا لرحمٰن جامی، حضرت منیر لاہوری، حضرت میر سید علی ہمدانی، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی قدست اسرارہم کے مکتوبات وملفوظات نے بھی اپنے اپنے دور میں اصلاح معاشرہ، رشد وہدایت، تزکیہ نفوس اور سالکانِ راہ طریقت کی رہبری ورہنمائی میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اسلوب نگارش کی دل پذیری اور ادبی محاسن کی بناء پر ہر دور کے ارباب علم ودانش کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ صوفیائے کرام کے علاوہ ہندوستان کے سلاطین وبادشاہان میں بھی بعض ایسی صوفی منش اور اہل علم شاہی شخصیات گزری ہیں جن کے مکاتیب مذکورہ خصوصیات کے حامل اور اس چمن کے سدا بہار پھول ہیں۔ مثلاً اورنگ زیب عالم گیر کے ''رقعات''۔

اردو میں مکتوب نگاری کی باقاعدہ ابتداء کا سہرا مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ (دسمبر ۱۷۹۷ء۔ ۱۵ ؍فروری ۱۸۶۹) کے ماتھے ہے۔ اس سے قبل کے اردو شعراء وادبائے متقدمین کے خطوط کا پتہ نہیں چلتا۔ ادبی محاسن کے اعتبار سے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے خطوط کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ وہ اپنے مکاتیب کے بارے میں خود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے''۔

ان کے خطوط کے مرتبین وناقدین فن نے ان کے انداز نگارش کی بہت سی خصوصیات گنائی ہیں۔ لیکن ممتاز ترین خصوصیت بے تکلفی وسادگی بتائی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غالب نے اردو مکتوب نگاری کو نیا رنگ اور ڈھنگ بخشا۔ اس طرح وہ

جدید اردو مکتوب نگاری کے بانی ہیں۔ مرزا غالب کے مکاتیب کے متعدد مجموعے، عود ہندی، اردوئے معلّٰی (حصہ اول، دوم) نادر خطوط غالب، مکاتیبِ غالب، نوادرات غالب، خطوط غالب اور غالب کے خطوط وغیرہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

غالب کے بعد خطوط کو لکھنے اور انہیں محفوظ کرنے کی ایک روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ جس نے اردو زبان وادب کے فروغ پر مثبت اثرات ڈالے۔ جن میں بعض اہم علمی وادبی شخصیات کے مجموعے کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

سر سید احمد خان، حالی، نواب محسن الملک، امیر مینائی، اکبرالہ آبادی (عنایت نامے) شبلی نعمانی، احمد رضا خان، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، خواجہ حسن نظامی، نواب مرزا خاں داغ دہلوی، ڈاکٹر محمد اقبال، نیاز فتحپوری، مہدی افادی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، ابوالکلام آزاد ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی وغیرہم۔

۱۴ ارویں صدی ہجری (انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی) مسلمانوں کے دور انحطاط کی عکاس ہے۔ لیکن ان دو صدیوں میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان بعض ایسی مشاہیر شخصیات نے جنم لیا، جن کے افکار وخیالات اور نگارشات ومکاتیب نے دینی، علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا اور دورِ جدید کے تقاضوں اور مہمات سے نبرد آزما ہونے کے لئے قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وقت وحالات کے مطابق بہترین لائحۂ عمل اور متبادل منصوبے پیش کئے۔ ان مشاہیر میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۱۲ء) کی شخصیت سب سے نمایاں اور امتیازی خصوصیت کی حامل نظر آتی ہے۔

آپ کے علمی، دینی اور روحانی کمالات کا شہرہ آپ کی نوجوانی میں ہندوستان

کے افق سے نکل کر عالم اسلام کی فضاؤں تک پہنچ گیا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اہل علم و عرفان اور تشنگان علم آپ سے ملاقات اور کسب فیض کے لئے آپ کی بارگاہ میں کشاں کشاں آتے۔ حرمین شریفین اور بلاد عرب، مصر، شام، الجزائر وغیرہ کے اکابر علماء آپ سے شرفِ بیعت اور علوم اسلامیہ وعقلیہ ونقلیہ، قدیمہ وجدیدہ میں سند حاصل کرنے کو اپنے لئے باعث افتخار و برکت جانتے۔ جو بالمشافہ ملاقات نہیں کر سکتے، وہ بذریعہ مراسلت آپ سے استفسارات کرتے اور دینی، علمی، تحقیقی، سیاسی اور عملی زندگی اور دیگر معاشرتی امور میں رہنمائی حاصل کرتے، بڑے بڑے مفتیانِ کرام حتیٰ کہ مفتیانِ حرمین شریفین فقہی اشکال اور جدید مسائل میں آپ کی نگارشات سے استفادہ کرتے۔ آپ کے ان تجدیدی کارناموں اور فقہ میں اہم فیصلوں کے پیش نظر حرمین شریفین، طرابلس، شام، جامعہ ازہر وغیرہ کے بعض جید علماء اور برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش کے سیکڑوں علمائے ربانیین اور مفتیان فحول نے آپ کو چودھویں صدی ہجری کے مجدد کے لقب سے نوازا، دنیا بھر، ہندوستان، برما، چین، افغانستان، سری لنکا، حرمین شریفین، بلاد عرب، شام و مصر و طرابلس، افریقہ، امریکہ، انگلستان وغیرہ سے آپ کے ساتھ مراسلت کے ہجوم کار کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک دن میں بیک وقت پانچ، پانچ سو خطوط جمع ہو جایا کرتے تھے، گویا آپ مسلمانان عالم کے مرجع تھے۔

جہاں معاصر علمائے عالم نے آپ سے بذریعہ مراسلت اکتسابِ فیض کیا وہاں برصغیر کے لاکھوں پڑھے لکھے (علماء، مشائخ، یونیورسٹی اور کالج کے اساتذہ، وائس چانسلر، وکلا، جج صاحبان) اور نیم خواندہ مسلمانوں نے خط وکتابت کے ذریعہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بایں ہمہ کثرت کار اور علمی و دینی و تصنیفی مشغولیات، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کسی عامی کے بھی خط اور استفسارات کا جواب نہ دیا ہو۔

یا اس کے جواب میں بلا جواز تعویق اختیار کی ہو۔ مزید یہ کہ جس نے جس زبان یا صنف ادب میں سوال کیا آپ نے اسی زبان اور صنف ادب میں جواب دیا۔ اردو، عربی، فارسی ، منثور و منظوم ہر طرح کے مکتوب دیکھنے میں آتے ہیں۔

آپ کے مکاتیب میں موضوعات کا تنوع کثرت سے ملتا ہے۔ قرآن وحدیث، فقہ، آثار و سیر، سلوک و تصوف، صرف و نحو، شعر و سخن، فلسفہ و سائنس، ریاضیات و فلکیات، دور جدید کے معاشی و سیاسی مسائل، غرض کہ سو سے زیادہ علوم و فنون اور موضوعات پر آپ کے کمال دسترس کے نمونے ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے مکتوب کے مخاطبین میں وہ حضرات بھی نظر آتے ہیں، جو کسی ایک فقہی مسئلہ میں بھٹکے ہوئے ہوں یا اعتقادی گمراہی یا ناہمواری کے راستے پہ چل نکلے ہوں۔ اسی طرح عبدالوہاب نجدی کی تحریک وہابیت کے مسموم اثرات کی زد میں آکر جو لوگ دینی و فکری گمراہی کا شکار ہو گئے۔ بالخصوص شاہ اسماعیل دہلوی قتیل بالاکوٹ (م ۱۸۴۲ء) کے متبعین اور معتقدین، ان کو متنبہ کرنے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ انہیں مرکز عشق و ایمان سید انس و جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی عظمت و شان کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور اللہ جل شانہ کی اس ''سرتابہ قدم'' شان ہستی کا احترام بجالانے کی طرف آپ نے اپنے مکاتیب کے ذریعے بار بار توجہ دلائی اور قبول حق کی دعوت دی۔ لیکن برسوں مراسلت کے بعد بھی بعض معاندین کی طرف سے پیہم انکار اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا، تو آپ نے برملا حکم شرع سنا کر ایک طرف تو دعوت و تبلیغ کی حجت تمام کی اور دوسری طرف یہ تجدید احیائے دین کے اعتبار سے آپ کا بہت اہم کارنامہ ہے۔ عامۃ المسلمین کے لئے ان معاندین کے مسموم اثرات سے مغلوب ہوجانے کا سدباب کر کے ان کے ایمان اور عقیدہ صالحہ کی حفاظت کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ امام

احمد رضا نے بارگاہ الٰہی اور شان رسالت میں گستاخانہ عبارات کی اشاعت کی بنا پر نجدی واسماعیلی نظریات سے متاثر جن علماء کی گرفت فرمائی، ان کے نام یہ ہیں۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ء) مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ء) مولوی اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۳ھ) مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (م ۱۳۴۶ھ) اور مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۹۰۸ء)۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی نگارشات کا مطالعہ اوران سے استفادہ کرنے والے اہل علم وفن پر یہ حقیقت ضرور واضح ہوگی کہ آپ کے فتاویٰ (جو جدید تحقیق، ترتیب تخریج وتحشی کے ساتھ اب تیس مجلدات میں شائع ہوچکے ہیں) رسائل، تالیفات وملفوظات وغیرہ اوراکثر دیگر علمی وفنی تصانیف کسی نہ کسی استفسار کا جواب ہیں۔ انہیں مکاتیب کے ذخیرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن استفتائی یعنی فتویٰ والے خط اور عام مراسلتی مکتوب کے درمیان زبان وبیان، اسلوب نگارش، موضوعات، ہیئت اورمکتوب الیہ ومکتوب منہ کے خیالات کے اعتبار سے بین امتیازات ہیں۔ جو اہل فن پر مخفی نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ''کلیات مکاتیب رضا'' (جلد اول) مرتبہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، صفحہ ۲۵ تا ۲۷ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی مجموعہ مکاتیب رضا اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔

یہ مجموعہ مکاتیب پہلی بار ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء میں دارالعلوم قادریہ صابریہ برکات رضا، کلیر شریف (یوپی انڈیا) کی جانب سے شائع ہوا (اوراب دوسری بار جلد دوم کے ساتھ بحرالعلوم اکیڈمی، لاہور اورمکتبہ نبویہ لاہور کی مشترکہ کوششوں سے پاکستان سے بھی شائع ہوا ہے)۔

کلیات مکاتیب رضا کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱) اس کتاب میں خطوط حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ تاریخ وار نہیں۔

۲) جلد اول، ''الف'' تا ''ظ'' تک کے خطوط پر مشتمل ہے، جبکہ جلد دوم۔ ''عین'' سے ''ی'' تک کے خطوط پر مشتمل ہے۔

۳) بقول مرتب: کلیاتِ مکاتیب رضا کی دونوں جلدوں میں کل تین سو خطوط ہیں۔ جبکہ زیر نظر مجموعہ (جلد اول) ایک سو چھپن خطوط پر مشتمل ہے۔

۴) مرتب موصوف نے ان تین سو مکاتیب رضا کے حصول و جمع کے لئے بڑی محنت و مشقت اٹھائی اور جد و جہد کی ہے برصغیر پاک و ہند کے متعدد شہروں کے کئی کئی ماہ کے سفر کئے۔ متعدد معروف لائبریریوں اور مشہور زمانہ علماء و محققین کی ذاتی لائبریریوں کو کھنگالا، اخبارات و جرائد کی قدیم و بوسیدہ فائلوں کی ورق گردانی کی۔ ان خطوط کے ماخذ درج ذیل ہیں۔

الف: مختلف ادوار میں شائع شدہ مجموعہ مکاتیب رضا، جن میں سے بعض نایاب تھے اور یہ کل بارہ ہیں۔

ب: قدیم جرائد و رسائل و اخبارات میں شائع شدہ خطوط، جن کے لئے گذشتہ تقریباً سو سال تک متعلقہ جرائد و اخبارات کی فائلوں کی ورق گردانی کرنی پڑی۔

ج: فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ر قدیم ضخیم مجلدات میں شائع شدہ بشکل استفسارات خطوط۔

د: نجی لائبریریوں اور امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین علماء کے خانوادوں سے حاصل شدہ مخطوطہ کی شکل میں مطبوعہ رغیر مطبوعہ مکاتیب۔

ر: مرتب علام ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے یہ تمام مکاتیب اپنی پی، ایچ،

ڈی، تھیس بعنوان ''امام احمد رضا کی مکتوب نگاری'' کی تیاری کے سلسلہ میں جمع کیے۔

زیر نظر مجموعہ مکاتیب رضا (جلد اول) کی ابتداء میں ''صاحب مکتوبات'' کے عنوان سے دس صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ بھی شامل اشاعت ہے۔ جو آج سے تقریباً ۲۰/سال قبل (۱۹۸۶ء) میں ایک مجموعہ ''مکتوبات امام احمد رضا'' میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مقدمہ کی بطور ''قند مکرر'' اشاعت کی کوئی وضاحت کسی جگہ موجود نہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس اہم اور نادر مجموعہ مکاتیب پر اس کی تاریخی، دینی اور ادبی اہمیت کے پیش نظر نقد و نظر کے ساتھ ایک محققانہ مقدمہ لکھا جاتا۔ اس طرح دینی، علمی اور ادبی حلقے ''کلیات مکاتیب رضا'' کے مطالعے اور اس پر تحقیق کی طرف راغب ہوتے اور اردو ادب میں انشاء پردازی کے حوالے سے نئے گوشے سامنے آتے۔

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کی ابتداء اس دن سے ہوتی ہے، جب آپ نے ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں تیرہ سال، دس ماہ اور چار دن کی نازک سی عمر میں مسند افتاء کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امام صاحب کے شروع کے بارہ برسوں ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۷ھ/۱۸۶۹ء تا ۱۸۸۱ء کے مکاتیب وفتاویٰ جمع نہ کیے جا سکے ورنہ اس کم عمری میں مکتوب نگاری کے حوالے سے آپ کی انشاء پردازی کے جوہر بھی کھل کر سامنے آتے۔ جب امام احمد رضا نے تصنیف و تالیف اور مکتوب نگاری شروع کی تو یہ وہ دور تھا۔ جب اردو نثر کے دو مستقل اسلوب موجود تھے۔

ایک سادہ اور عام فہم اسلوب جس کی مثال میں عام طور پر فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کی کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو ڈاکٹر گلکرائسٹ کے زیر اہتمام شائع ہوئیں، اس سادہ اور عام فہم اسلوب تحریر کا ایک نمونہ انشاء کی ''دریائے لطافت'' ہے۔

دوسرا مقفی و مسجع اور مغلق اسلوب تحریر جو اس دور کے عام اہل علم و قلم کے

نزدیک عالمانہ انداز تھا، معمولی معمولی باتوں کو تشبیہوں اور استعاروں کی زبان میں مقفی ومسجع عبارات کے سانچے میں پیش کیا جاتا تھا۔ دراصل یہ فارسی زبان کے اس اسلوب نگارش کا پرتو تھا جو صدیوں سے ہندوستان میں رائج چلا آرہا تھا۔ چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی۔لہٰذا اسی اسلوب کو اپنانا اظہار علمیت کا سمجھا جاتا تھا۔

امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خصوصیات:

امام احمد رضا کے مکاتیب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو مذکورہ دونوں ہی رنگ نظر آتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جید عالم، مفسر، محدث، فقیہ بے بدل، علوم قدیمہ وجدیدہ عقلیہ ونقلیہ کے بحرِ بے کراں، اردو، ہندی، فارسی، اور عربی، زبانوں پر یکساں دست رس رکھنے والے تھے۔اردو کی طرح عربی وفارسی نثر ونظم میں ان کی مشاقی اوج کمال پر تھی۔بیان ونگارش کے محاسن ان کے دل ودماغ میں رچ بس چکے تھے۔لہٰذا ان کی مکتوب نگاری میں انشاء پردازی کی دونوں ہی خوبیاں جمع ہیں۔ادب میں یہ مقام بلند ہر صاحب تحریر اور ہر اہل قلم کو میسر نہیں آتا۔ امام احمد رضا کی انشاء پردازی، زبان کی لطافت، الفاظ کی موزونی، بیان کے حسن اور تراکیب کی دل آویزی سے مملو ہے، لفظوں کو جوڑ کر فقرے تیار کرلینا یا پیش نظر مطالب کو الفاظ کا جامہ پہنا دینا کوئی مشکل امر نہیں۔ لیکن لفظوں، محاوروں اور روزمرہ کی معنویت کے دقائق کا صحیح ادارک کرتے ہوئے ان کا برمحل استعمال ہی اصل انشاء پردازی کا کمال ہے۔اس تناظر میں جب ہم امام موصوف کی مکتوب نگاری کا جائزہ لیتے ہیں، تو ان کے انداز نگارش کی درج ذیل ممتاز ترین خصوصیات محسوس کی جاسکتی ہیں۔

(۱) بے تکلفی، سادگی اور سلاست:

امام احمد رضا کی طرز نگارش کی ایک ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں۔ برجستہ لکھتے ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں، بے تکلف لکھتے ہیں، ان کے خطوط کا مطالعہ کرتے وقت یہ کہیں احساس نہیں ہوتا کہ الفاظ کے انتخاب اور مطلب کی تلاش و جستجو میں انہیں محنت کرنی پڑی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ مطالب کا جامہ پہنے قطار در قطار خود بخود چلے آرہے ہیں۔ گویا ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ ہے جو فوارے کی مانند امنڈتا چلا آرہا ہے۔ اور چشم تمنائی کو طراوت اور قلب محزوں کو مسرت بخشتا چلا جارہا ہے۔ آپ کے مکاتیب ''آورد'' کی تکالیف سے پاک اور ''آ،'' کے تسلسل کا نمونہ اور بے تکلفی اور رسم راہ سے علیحدگی کا بہترین مرقع ہیں۔ اگر مثالیں پیش کی جائیں تو مکاتیب کے ایک بڑے حصہ کو یہاں دہرانا ہوگا۔ تاہم چند نمونے ملاحظہ فرمالیجئے۔

(الف) اپنی ناسازی طبع کی وجہ سے ۱۹۱۸ء کی المنک منگوانا بھول گئے۔ بعد میں یاد آئی تو اپنے شاگرد عزیز مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے اس کے بھیجنے کے لئے تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۲۲/ذی قعدہ سے آج ۲۲/ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱/محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں، لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں، نقاہت وضعف اب بھی بشدت ہے، دعا کا طالب ہوں، اس بیماری میں المنک ۱۹۱۸ء منگانی یاد نہیں رہی، نومبر میں منگائی، جواب ملا کہ ختم ہوچکی، ۱۵/دن بعد آئے گی جسے ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا، شملہ لکھا کہ شاید وہاں ہو، آج وہاں سے بھی جواب آگیا، آپ نے

اگر لی ہو تو ۲۰/۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً فوراً۔ والسلام بچیوں کو دعا"۔

ملاحظہ ہو کس قدر بے تکلف اور سادہ جملے اور جذبات کی کیسی سچی ترجمانی:

مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ نقاہت وضعف اب بھی بہ شدت ہے۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔ ۲۰/۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً فوراً۔

(ب) اپنے پیرزادے حضرت سید شاہ اولادرسول محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ کو مسائل شرعیہ کے ایک استفسار کے جواب کا اقتباس ملاحظہ ہو:

امامت فاسق کی نسبت علماء کے دو قول ہیں۔ کراہتِ تنزیہہ، کراہت تحریم، اور اس کی توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی اور معلن کے پیچھے مکروہ تحریمی، جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم صلحاء وفساق، سب پر اعادہ واجب ہے۔

ملاحظہ ہو کہ کس قدر آسان زبان میں مسئلہ سمجھایا اور دین متین کی تبلیغ فرمائی، بلکہ اسلامی علوم وفنون خصوصاً فقہی مسائل کو سہل اور سادہ انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا۔ قوتِ استدلال کے ساتھ علمی بحث میں مکتوب الیہ کی علمی استعداد کے بموجب زبان و بیان کا انداز بھی پیش نظر رہے۔ پھر یہ کہ اس خط کے اس ایک جملہ کے پیچھے شرعی احتیاط اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وفلاح کا کیسا قابل قدر اور قابل اتباع جذبہ کارفرما ہے۔

ملاحظہ ہو:

اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ "الفتنة اکبر من القتل" یعنی فتنہ وفساد قتل سے زیادہ بڑا جرم ہے۔)

(ج) سادگی اور انکساری کا ایک اور مرقع ملاحظہ ہو: اپنے شاگرد عزیز مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو ایک خط میں اپنی پچاس سالہ فتویٰ نویسی کی خدمات کا اظہار کس قدر سادہ زبان اور جذبہ انکساری اور بارگاہ الٰہی میں احساس تشکر کے ساتھ تحریر

فرماتے ہیں:

''بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ ۱۳؍ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر سات دن اور زندگی بالخیر رہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔

احباب سے گذارش ہے کہ اس تاریخ کو جمع ہو کر دورد مبارک جو حلقہ جمعہ میں پڑھا جاتا ہے۔ خواہ کوئی اور درود سو سو بار پڑھیں اور مجلسِ میلاد مبارک منعقد کریں تو بہتر اور رب عزوجل کی اس نعمت کا اعلان کریں کہ قرآن عظیم میں اعلان نعمت کا حکم ہے اور حدیث میں فرمایا: اعلان نعمت شکر ہے اور جو کارروائی فرمائیں۔ فقیر کو اطلاع بخشیں کہ دعائے خیر زائد کریں۔ والسلام

ان سطور میں یہ بات بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے کہ اعلان نعمت بجالانے نے اور شکر نعمت ادا کرنے کا کیسا آسان مگر سب سے زیادہ اجر اور طریقہ بھی عوام الناس کی تعلیم اور فلاح کے لئے ارشاد فرمادیا: نعمت عظمیٰ سید و سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا چرچا کرو اور درود سلام کے نذرانے پیش کرو۔ دنیا کی ہر نعمت کا شکر ادا ہو جائے گا۔ سبحان اللہ۔ اللہم صل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

(۲) جدت وتنوع

جدت امام احمد رضا کے نثری اور شعری کلام کی جان ہے۔ وہ عموماً کوئی بات فرسودہ انداز میں نہیں کہتے۔ انتہا یہ کہ مکتوب الیہ کو نئے نئے طریق پر مخاطب کرتے ہیں۔ دعائیہ کلمات میں بھی تنوع ہوتا ہے۔ بعض خطوط کی ابتدائی عبارات ملاحظہ ہوں:

(الف) اپنے پیرزادہ مولانا سید اولاد رسول مارہروی علیہ الرحمہ کے لئے

لکھتے ہیں: ''شاہزادہ خاندانِ برکات، حضرت مولانا مولوی'' ایک اور جگہ یوں مخاطب فرماتے ہیں: ''جناب صاحبزادہ والاقدر، مولانا مولوی حضرت بابرکت دامت برکاتہم''

(ب) اپنے ایک خلیفہ خاص مولانا عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے لئے لکھتے ہیں: ''مولانا مکرم ذی المجد والکرم'' کبھی لکھتے ہیں: ''عیدالاسلام حضرت مولانا مولوی عبدالسلام''۔

(ج) مولانا عرفان علی علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے چہیتے مرید تھے۔ عمر میں چھوٹے تھے۔ ان کے لئے کیسے دل آویز القابات لکھتے ہیں: ''راحت جانم برادر دینی مولوی عرفان سلمہ'' برادر دینی ویقینی سلمہ'' نور دیدہ راحت روان من'' وغیرہم۔

(د) مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ امام موصوف کے شاگردِ خاص، مرید خاص، خلیفہ خاص اور دارالعلوم منظر اسلام کے اول طالب علم، ان کے لئے محبت ومودت وشفقت اور تعلق خاطر کے کیسے اچھوتے زاویوں کا اظہار درج ذیل القابات میں ہوتا ہے۔ ''حبیبی وولدی وقرۃ عینی'' ولدی وزینی وقرۃ عینی'' ولدالاعز'' ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین'' مولانا المکرّم'' اے میرے لڑکے! اللہ تعالیٰ قیامت تک تمہاری حفاظت فرمائے اور ہمیشہ تمہیں دین کی کامیابی عطا فرمائے''۔

(۳) انداز مکالمت:

امام احمد رضا کے خطوط میں بعض جگہ غالب کی طرح انداز مکالمت بھی جھلکتا ہے۔ مولانا احمد بخش (ڈیرہ غازی خان) کے نام ایک خط میں بے تکلف انداز تکلم ملاحظہ ہو:

''فقیر دعا گو کو ان ایام میں ردّ وہابیہ میں پانچ رسائل لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ چار بفضلہٖ عزوجل پورے ہوگئے۔ پانچواں لکھ رہا ہوں۔ ان کی شدت ضرورت کے

باعث کثیر استفتاء تعویق میں ہیں۔ فضل الٰہی سے امید کہ اسی ہفتے اس کی تکمیل ہو جائے۔ تاخیر عریضہ ضروری ہوئی۔ اس کی معافی اور دعا و عفو و عافیت کا خواہاں ہوں۔ حاشا کہ مسائل سامیہ کو باعث تکلیف خیال کروں۔ ایسا خیال آنے سے جو تکلیف خاطر سامی کو ہوئی۔ اس کی بھی معافی چاہتا ہوں، یہ مشت استخواں ادھر کس مصرف کا کہ کسی سوال مسائل دینیہ کو تکلیف جانے؟''۔

ایک دوسرے خط میں موصوف مکتوب منہ کو رجم (زنا) کے ایک اہم دینی مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولانا المکرّم! اس مسئلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتب معتمدہ دلائل شرعیہ سے تحقیق ہوا۔ یہ ہے کہ صورت ثانی میں ان مرد و زن کا قتل محض حرام ہے۔ فقط آنے جانے، اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی۔ نہ اس قدر خلوت کو مستلزم اور حق یہ ہے کہ مجرد خلوت، بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہرہ نے قتل نہ رکھا اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں۔ بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں، **کل ذلک معلوم من الشرع بلاخفاء**۔

لاجرم یہ ناحق قتل مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد، صورت اولی میں بھی حکم مطلق نہیں۔ بلکہ واجب کہ پہلے زجر و ضرب و قہر کریں، اگر جدا ہو جائیں، تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے۔ ہاں! شہادتِ اربعہ گذریں یا مرجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار، تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا۔''

ملاحظہ ہو آج کے ''کاروکاری'' اور ''زانی'' کے جو رسم و رواج سرداروں اور چودھریوں نے اپنی مرضی سے بنا رکھے ہیں اور انہیں آڑ بنا کر دیہاتی معاشرہ میں عورتوں کا خون ناحق کیا جا رہا ہے۔ امام احمد رضا نے آج سے تقریباً ۸۰/۹۰ سال قبل

کتنے آسان اور سادہ الفاظ میں تفہیم کی ہے کہ شرع مطہرہ نے سیاست (سزا و تعزیر و حد جاری کرنے) کا اختیار غیر سلطان کو نہیں دیا۔ بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں۔ جبکہ آج کے بہت سے نام نہاد علماء و مفتیان، غیرت و حمیت اور قبائلی رسم ورواج کی آڑ میں اس بری رسم کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد حسین میرٹھی کو ایک خط میں مکالمت کا تیور ملاحظہ ہو:

''مولانا اکرمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں آپ کا بھلا کرے۔ مجھے فکر تھی کہ آپ کو خط کہاں لکھوں، چند امور گذارش ہیں، ملحوظ رہیں۔

(۱) نقل بہت صحیح ہو اور مقابلہ بہت غور سے ہو۔ بلکہ دو تین بار مقابلہ ہو تو بہتر ہے۔

(۲) جب تک کتاب نقل ہو، آپ کتاب میں سے مصنف کا نام ونشان دیکھ کر مجھے فوراً لکھ بھیجیں اور اول یا آخر میں کتاب کی تاریخ ہو، تو وہ بھی۔

(۳) امام عینی کی بنایہ شرح ہدایہ جہاں اور جس قیمت کو مل سکے، ضرور خرید لیں۔

(۴) مولوی عبدالحی کا فتاویٰ تیسری بار کتب فقہیہ پر مرتب ہو کر چھپا ہے، وہ بھی لے لیجئے۔

(۵) جو خط اس کے نام لے گئے ہیں، اس کے قلم سے اس کا جواب کاتب خط کے نام لکھوا لیجئے۔

(۶) اس سے کہئے کہ اگر آپ جاتے ہیں، تو مجھے مولوی عبدالباری صاحب یا مولوی محمد یوسف صاحب سے ملا کر نقل کا انتظام کروا دیجئے۔

(۷) اس کا بھی پتہ چلا لیجئے، کہ اس شخص نے کہاں کہاں پڑھا ہے، کون کون

استاذ ہیں، ساکن کہاں کا ہے، قوم کیا ہے؟۔

(۸) ان سب کاموں کے لئے جس قدر روپیہ درکار ہو، فوراً لکھئے کہ میں ان شاءاللہ فوراً روانہ کروں۔

(۹) جالب ایڈیٹر "ہمدم" کی آپ کی ملاقات ہے۔ وہ بھی عبدالماجد بی، اے، کے اسلام کا حامی ہے، جس نے وہ ملعون صریح کلمات کفر بکے کہ رسول کا ماننا کچھ ضرور نہیں اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاذ اللہ مجہول النسب بچہ اور یہ کہ اپنی تعظیم کی آیتیں حضور نے قرآن میں بڑھالیں وغیرہ وغیرہ۔

میرے فتویٰ کے خلاف "ہمدم" و "مشرق" نے مضمون دیئے ہیں، ان کا جواب لکھا ہوا رکھا ہے۔ اگر آپ کے ذریعہ ممکن ہو، تو "ہمدم" اپنے روزانہ پرچے میں اسے بتمامہ چھاپ دے، چاہے اس کے بعد اس کی نسبت کچھ بھی لکھتا رہے۔ تو میں وہ مضمون آپ کو بھجوادوں۔ والسلام، ۷ ۱۳۳۳ھ"۔

اس خط میں محققین، مصنفین اور ناقلینِ اصل متن عبارات کے لئے کس قدر مفید اور جامع ہدایات ہیں۔ اس پر بھی ذرا نظر رہے۔

(۴) ذات و ماحول:

امام احمد رضا کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ اثنائے تحریر ذاتی حالات اور ماحول کی جزئیات بے ساختگی کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے، تو ان کی سوانح حیات کا ایک منظر نامہ سامنے آسکتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ کب اور کتنی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ کتنے برسوں سے فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور آباء واجداد میں

کون حضرت کتنی مدت سے سے یہ فقہی خدمات انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی صحت کے حالات کیسے ہیں، کن کن بیماریوں سے واسطہ ہے، کیا علاج تجویز ہے، آخری عمر میں ضعف کس رفتار سے ترقی کرتا رہا، نظم ونثر کی اصلاح کا طریقہ کیا ہے۔ ذاتی اور ملکی حالات کیسے جارہے ہیں۔ ملکی سیاست کے احوال کیا ہیں۔ کون کون ان کے سیاسی حریف ہیں۔ کون لوگ ان کے حلیف ہیں رات دن کی مشغولیات کیا ہیں اوران کا کیا حال ہے اخلاق کیسا تھا کن مقامات کے سفر کیے۔ عمر کے آخری حصہ میں رمضان کے روزے رکھنے کن شہروں یا قصبوں میں جاتے تھے، قیام جس جگہ ہوتا تھا۔ قیام گاہ تنگ تھی یا وسیع، ان کے وسائل معاش کیا کیا تھے۔ کن کن لوگوں سے تعلقات تھے۔ تلامذہ اور خلفاء میں کون کون سی شخصیات اہم تھیں۔ کن کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ دینی اور سیاسی امور میں کن کن علماء اور عمائدین سیاست سے اختلافات تھے اور اس کی نوعیت کیا تھی۔ مسجد میں کون کون سی نمازیں باجماعت ادا کرتے تھے۔ حالت بیماری میں نماز کس طرح ادا کرتے تھے۔ کن کن مقامات پر تبلیغ ووعظ کے لے جاتے رہے۔ کون کون سی کتاب تصنیف وتالیف ہوئیں اور موضوعات کیا ہیں۔ کون کون سے سیاسی معرکے ہوئے۔ کون کون سے علمی معرکے ہوئے۔ کن کن اخبارات میں ان کے بیانات اور مضامین شائع ہوتے تھے۔ غرض ان کی زندگی کا شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو، جس کے متعلق ان کے قلم سے معلومات کا گراں بہا ذخیرہ فراہم نہ ہوا ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب معلومات غیر اختیاری طور پر دوران تحریر مکاتیب میں لکھی گئیں۔ اس میں ان کے قصد وارادے کا کوئی دخل نہیں۔

مولانا خلیفہ تاج الدین صاحب کے نام ایک خط میں مولانا ظفر الدین بہاری کا تعارف کراتے ہوئے علم توقیت کے احیاء کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامۃ المسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر

نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا''۔

امام احمد رضا کے عہد میں ''علم توقیت'' کے جاننے والے معدوم ہو رہے تھے۔ اس لئے یہاں انہوں نے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام بلاد کے حوالے سے بات کی دوسری طرف اس علم کے سیکھنے سکھانے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ جہاں انہوں نے اس علم میں اپنی مہارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہیں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی، یہ کہ مسلمانوں کو ایسے سائنسی علوم کو جن سے دین کی سمجھ میں آسانیاں اور اس پر عمل پیرا ہونے میں سہولیات بہم پہنچتی ہیں، سیکھنا اور سکھانا اہم امر ہے۔

ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کے ایک خط بنام مولانا برہان الحق صاحب میں کانگریس اور گاندھوی فرقے کے امام الہند ابوالکلام آزاد صاحب کے دو رسالے ''خلافت'' اور ''جزیرۂ عرب'' کی بعض عبارات پر امام احمد رضا نے سخت تنقید کی ہے۔ ان کے رد میں شائع ہونیوالے ایک مختصر رسالہ ''نابغ النور علی سوالات جبلفور'' کا ذکر کیا ہے۔ ابوالکلام صاحب کو موصوف نے مسٹر آزاد سے خطاب کیا ہے۔ تحریک خلافت اور ترک موالات کے اہم مسئلہ پر ان کے طریقہ کار سے امام احمد رضا نے سخت اختلاف کیا اور منصب نبوت سے متعلق مذکورہ دو رسالوں میں ان کے بعض خیالات وعقائد کا رد کرتے ہوئے اسے صراحتاً کفر قرار دیا ہے۔ اس خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''مسٹر آزاد حضرت سیدنا مسیح علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فقط صاحب شریعت ہونے سے ہی منکر نہیں، بلکہ راساً ان کی نبوت ہی سے منکر ہیں اور نہ صرف ان کی نبوت بلکہ جملہ انبیاء کرام، حاملان توریت وغیرہ کہ صاحب شریعتِ جدیدہ نہ تھے۔ جن کی گنتی اللہ ورسول ہی جانتے ہیں۔ بحکم حدیث شریف ایک لاکھ سے زائد

تھے۔ آزاد صاحب ان سب کی نبوت سے کفر وانکار رکھتے ہیں''۔

۱۳ر نومبر ۱۹۱۴ء بروز جمعہ امام احمد رضا کے سگے بھانجے مولانا حافظ واجد علی خاں صاحب انتقال کر گئے اور ان کے تیسرے دن ان کے بھتیجے مولانا مولوی فاروق رضا ابن استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا۔ اس کے تین دن کے بعد ان کے دوست صوفی دلاور حسین خاں صاحب دنیا سے رخصت ہوئے۔ امام احمد رضا نے اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مولا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ میں اس غم آگیں واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

''فقیر ادھر مبتلائے حوادث رہا۔ شب بستم (۲۰) ذی الحجہ الثلثا (منگل) بعد مغرب میرے حقیقی بھانجے مولوی حافظ واجد علی خاں مرحوم نے دو مہینے کی علالت میں انتقال کیا۔ ان کے تیسرے دن بستم دوم (۲۲) ذی الحجہ یوم الخمیس (جمعرات) وقت ظہر میرے حقیقی بھتیجے نوجوان صالح مولوی فاروق رضا خاں مرحوم نے ۱۷ برس کی عمر میں بعارضہ وبائی صرف دو روز علیل رہ کر مفارقت کی۔ اب شب بست پنجم (۲۵) محرم الحرام لیلۃ الثلثاء (منگل) بعد مغرب میرے احب احباب واعز اصحاب، جوان صالح، ورع متقی، محب اہل سنت، عدوئے بدعت واہل بدعت، سنی، مستقل، مستقیم، قائم مصداق، لایخافون لومة لائم، دلاور حسین خاں مرحوم مغفور، ساکن جواہر پور نے بعمر ۳۷ر سال بعارضہ وبائی، صرف ۱۰ر روز علیل رہ کر داغ فراق دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

اخبار دبدبہ سکندری، رامپور نے اپنی ۱۶ر نومبر ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں اس حادثہ جانکاہ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا کے صبر واستقلال کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اور پورے واقعہ کی منظر کشی کی ہے، جس سے ان کی ذات اور اس وقت کے

ماحول پر روشنی پڑتی ہے۔

(۵) جزئیات نگاری:

امام احمد رضا کے مکاتیب کی ایک خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔ مفصل بیان عام طور پر بے لطف ہو جاتے ہیں۔ لیکن امام موصوف جزئیات کو اس ڈھنگ سے پیش فرماتے ہیں کہ تحریر بے مزہ نہیں ہوتی، بلکہ پر لطف بن جاتی ہے اور قاری پوری تحریر پڑھے بغیر چین سے نہیں بیٹھتا۔

(الف) مولانا عرفان علیہ الرحمہ کو ایک خط میں جو بھوالی (ضلع نینی تال) سے لکھا گیا تھا۔ قصبہ بھوالی کا دلچسپ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''بھوالی، شہر درکنار کوئی گاؤں بھی نہیں، پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے معدود مکان اس میں جمعہ وعیدین نہیں ہو سکتے۔ نینی تال شہر ہے۔ اس میں صرف دو مسجدیں ہیں۔ ایک چھوٹے بازار اور دوسرے بڑے بازار میں، جہاں میرے احباب اہلسنت رہتے ہیں۔ اس مسجد کا امام ایک دیوبندی ہے۔ سنیوں نے مدت سے اس کے پیچھے نماز چھوڑی ہے۔ صوفی عنایت حسین صاحب کی دکان میں جمعہ وعید پڑھتے ہیں۔ مجھے انہی احباب نے نماز پڑھنے کو بلایا تھا۔ اسی دکان میں مدت سے جمعہ ہوتا ہے۔ میں نے اس رمضان شریف میں ایک جمعہ ادا کیا۔ اس کے بعد بھوالی چلا آیا اور اب جا کر نماز عید پڑھائی۔ عید تو عید جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔ مکان، دکان، شہر کے میدان سب میں ہو سکتا ہے۔ سب احباب کو سلام، والسلام''۔

اس خط میں بھوالی بستی کا دلچسپ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ یہاں صرف یہی نہیں بتایا کہ چند مکانات اور دکانیں ہیں، بلکہ تفصیل بھی پیش کی ہے کہ پہاڑ کی تلی میں

چند دکانیں اور مسافروں کے قیام کے لئے گنے چنے مکانات ہیں گویا بھوالی میں کس جگہ دکانوں اور مکانوں کا اجتماع ہے ۔ یہ بھی بتادیا۔ اسی کے ساتھ توضیحی نثر کی بھی جھلک دکھائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ چونکہ یہ بستی، قصبہ یا شہر کی شرعی تعریف میں نہیں آتی ۔ اس لئے یہاں نماز جمعہ اور عیدین نہیں ہوسکتی ۔ نینی تال کی بھی دو مسجدوں کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ وہاں کے دو بازاروں کے متعلق بھی پتہ چل جاتا ہے۔ پھر مزید اطلاع یہ ملتی ہے کہ بڑے بازار کی مسجد کے قرب و جوار میں اہل سنت کی آبادی ہے۔ لیکن اس مسجد میں ایک دیوبندی امام آگیا ہے اس لئے اہل سنت نے مدتوں سے وہاں نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے۔ یہ تفصیل بتادی کہ امام احمد کے ایک شناسا صوفی عنایت حسین صاحب جن کی اسی بڑے بازار میں ایک دکان ہے ۔ اب تمام اہل سنت ان کی دکان میں جمعہ و عیدین کی نماز پڑھتے ہیں ۔ اس خط سے یہ بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ صوفی عنایت حسین صاحب اور ان کے دوستوں نے آپ کو رمضان المبارک کے دوران جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نینی تال بلایا تھا۔ پھر دوبارہ نماز عید بھی انہی لوگوں کے بلاوے پر آپ نے پڑھی۔ اس تحریر میں ایک دینی مسئلہ کی بھی توضیح ملتی ہے کہ نماز عید و جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے۔ مکان، دکان، میدان سب جگہ نماز ہوسکتی ہے۔ یہ مکتوب بیانیہ اور توضیحی نثر کا خوبصورت امتزاج ہے۔

(۶) منظر کشی:

امام احمد رضا نے اپنی دینی، علمی و تحقیقی مصروفیات کی بناء پر سیر و تفریح پر کم توجہ دی ہے، کیونکہ آپ کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور تبلیغ دین میں گزرتا تھا۔ سیر و تفریح کے لئے فرصت کی ضرورت ہے ۔ آپ وقت کے قدردان

تھے۔ زندگی کو اللہ عزوجل کی امانت سمجھ کر اس کا ایک لمحہ اس کی رضا کی خاطر گذارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نگارشات میں منظر کشی کی کم مثالیں ملتی ہیں۔ پھر بھی بعض خطوط میں منظر کشی اور واقعہ نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ سرِ دست ایک خط کا ذکر کیا جاتا ہے، جس سے اعلیٰ حضرت کی منظر کشی اور واقعہ نگاری کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خط آپ کے خلیفہ خاص مفتی عبدالسلام جبل پوری کے نام ہے۔

''شب دوشنبہ ۱ر بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی آیا۔ راہ میں بڑی نعمت بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا۔ شاہ جہاں پور ۶۔۳۳ پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف آٹھ منٹ قیام، مگر گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ ۱۵ر منٹ لیٹ ہو کر شاہجہاں پور پہنچی اور ۱۰ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان نماز اچھے وقت ادا ہوئی۔ والحمدللہ۔

اسٹیشن بریلی پر ہجوم احباب بکثرت تھا۔ وہابیہ خذلہم نے کہ اخبار موحشہ اڑا رکھی تھیں۔ رغماً بالوفہم۔ موٹر کو براہ شہر کہنہ پر لے گئے اور آنکہ میں حتی الامکان شر البقاع اسواقہا سے نفور ہوں۔ بازاروں میں لائے۔ بیچ میں کمپنی باغ کی ٹھنڈک سڑک پڑی، جس کے دونوں پہلو عجب خوشنما و سایہ دار، ہوابار، اشجار کی قطار دور تک تھی۔ یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی۔ موٹر بلحاظ ہمراہیاں بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بدیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے ابتداء بہ مسجد کی۔ نماز عشاء ہوئی۔ پھر گیارہ بجے تک غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا ہجوم رہا۔ گیارہ بجے کچھ کھانا کھایا۔ بارہ بجے سے بخار آ گیا۔ دو بجے بہت سردی معلوم ہوئی۔ پلنگ اندر لایا گیا۔ رضائی اوڑھی اور سردی نہ جاتی تھی۔ دوسرے دن بفضلہٖ عزوجل اور ببرکت دعائے جناب، پسینہ خوب آیا اور بخار اتر گیا۔ تیسرے دن پیاس اور درد کی شدت رہی۔ کل روز چہار شنبہ سب دنوں سے زیادہ کرب رہا۔ آج بفضلہٖ عزوجل بہت اعراض زائل ہیں اور دردِ سر میں اتنی

تخفیف کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں"۔

اس خط میں امام احمد رضا نے جبلپور ریلوے اسٹیشن سے بریلی شریف تک کے سفر کی تصویر لفظوں میں اس طرح کھینچی ہے کہ شاید رنگ وروغن بلکہ ویڈیو سے بنائی ہوئی تصویر میں نہ وہ جزئیات سما سکیں اور نہ اس میں وہ روح تاثیر پیدا ہو۔ انہوں نے اردگرد کے ماحول کی جو منظر کشی کی ہے اور اس کی جزئیات بیان فرمائی ہیں، وہ ان کے مشاہدے کی وسعت پر دال ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ رننگ کمنٹری فرمارہے ہیں۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں جب امام احمد رضا دوسری بار سفر حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس ہوئے تو بذریعہ ٹرین ممبئی سے اجمیر شریف ہوتے ہوئے جبلپور پہنچے اور وہاں اپنے خلیفہ خاص عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے ہاں کچھ روز قیام کے بعد بریلی شریف واپس لوٹے۔ زیر بحث خط میں امام احمد رضا نے مولانا جبل پوری کو بخیر وعافیت اپنے وطن پہنچنے کی اطلاع دی تھی، لیکن آپ کا یہ مکتوب محض گھر پہنچنے کی رسید نہیں ہے، بلکہ اس میں بڑی تفصیل سمودی گئی ہے۔ مثلاً بریلی ریلوے اسٹیشن پر ٹرین پہنچنے کا پہر، دن اور وقت، (شب دوشنبہ، ۱۱ بجے) استقبال کے لئے آنے والے محبین کا اژدہام، حج سے واپسی سے قبل وہابیوں کی طرف سے آپ کی ذات سے متعلق بیہودہ افواہ کا پھیلانا، کثیر ہجوم کا آپ کو موٹر (کار) پر بریلی شریف کے پرانے علاقوں کے بڑے بازاروں سے بشکل جلوس گزارنا وغیرہ، خط کی ابتداء میں شہر شاہجہاں پور پر ٹرین کے پہنچنے کا اصل وقت اور پھر وہاں تاخیر سے پہنچنے کا ذکر، وہاں ٹرین کا وقت سے زیادہ ٹھہر جانے کا معاملہ، لیکن سب تفصیل ضمناً بتائی۔ اصل خوشخبری میں امام احمد رضا کی ورع۔ خشیت الٰہی، تقویٰ اور سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا اعلیٰ جذبہ جھلکتا ہے۔ پھر ملاحظہ ہو: ہجوم کثیر کے باعث موٹر کار کا آہستہ اور خراماں خراماں بدیر

دولت کدے تک پہنچنا، راستہ میں جلوس کی شکل میں بازاروں سے گزرتے ہوئے بریلی شہر کے پرُفضا ماحول کی ان الفاظ میں منظر کشی: ''بیچ کمپنی باغ کی ٹھنڈک سڑک پڑی جس کے دونوں پہلو خوشنما سایہ دار، ہوابار اشجار کی قطار دور تک تھی۔ یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی''۔ مکان میں داخل ہونے سے قبل مسجد میں نماز عشاء ادا کرنا پھر مکان پر غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا نعت ومنقبت و میلاد میں مشغول رہنا۔ شب گیارہ بجے، بعد اختتام جلسہ رات کا کھانا تناول فرمانا۔ رات بارہ بجے بخار آجانا۔ دو بجے رات سردی لگنا۔ اور پلنگ کمرے کے اندر لایا جانا۔ یہ سب اور چند دیگر تفاصیل کو تفریحی سے زیادہ حقیقی بنا کر پیش کیا گیا ہے اور جزئیات تک کا بیان جس حسن وخوبی سے کیا گیا ہے، وہ اردو زبان وادب کی انشاء پردازی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

علاوہ ازیں امام صاحب نے اس خط میں میں اپنے گردوپیش کے ضمن میں پر اثر انداز میں تاثرات بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً: اول شب بخار، پھر آخر شب سردی میں مبتلا ہونا اور اگلے دن پسینے کے ساتھ بخار کا اتر جانا۔ جسے اللہ تعالیٰ کے کرم اور اپنے محبوب دوست مولانا عبدالسلام کی دعا کی تاثیر قرار دینا۔ بیانیہ نثر کے ساتھ تاثراتی نثر کا بھی ایک اچھا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر میں ان کے اخلاص اور پیکر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی تصویر بھی غیر ارادی طور پر کھینچ گئی ہے، خوبصورت ماحول، ٹھنڈی سڑک، پرفضا موسم، قطار در قطار سڑک پر دور دیہ اشجار کی تصویر کشی تو کی گئی کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن بڑے بازاروں سے گزرنے کے باوجود وہاں کے ہنگاموں اور رنگینیوں کا بالکل ذکر نہ کرنا، بلکہ ایسے عام ماحول سے اپنی بے رغبتی اور بے التفاتی کے اظہار میں یہ کہہ کر گزر جانا کہ میں ''شرالبقاع اسواقہا سے نفور ہوں'' سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

ان کی استقامت کا مظہر ہے، پھر خط میں جگہ جگہ نماز با جماعت کا بالالتزام ذکر قرآنی کا حکم :اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِی ھِیَ اَحْسَنُ ○ (النحل:۱۶/۱۵۵)

(اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ۔ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، کنز الایمان) کا بہترین نمونہ ہے۔ مزید یہ کہ اس خط کے ایک ایک جملہ سے اپنے محبوب دوست کی دلداری اور احترام ٹپک رہا ہے۔

(۷) نکتہ آفرینی:

(۱) اعلیٰ حضرت اپنی اخاذ طبیعت، زبان و بیان اور لغاتِ مختلفہ اور الفاظ ومحاورات پر دسترس کی بنا پر موقع بہ موقع اپنی تحریر و گفتگو میں لطیف نکتہ بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ جس سے پڑھنے اور سننے والے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مثلاً تحریکِ ترک موالات کے خلاف امام صاحب ایک ضخیم رسالہ ''المحجة الموتمنه فی آیات الممتحنة'' لکھنے میں مشغول تھے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

آپ کا رسالہ بالاستیعاب اب تک ان وجوہ سے نہ دیکھ پایا۔ متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا کثیرا، اچھا ہے۔ مگر مشائخ بہار کی طرف سے یہ تاویل کہ انہوں نے کوئی دنیوی کام سمجھ کر اتباع رائے مشرکین جائز رکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہ آئی۔ سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت، جن کا پس روان گاندھی کو ادعا ہے۔ کیا کوئی دنیوی کام ہے؟ اور وہ تو یہاں تک اونچے اڑ رہے ہیں کہ جو اس میں شرکت نہ کرے مسلمان ہی نہیں، تو اسے نہ صرف کار دین بلکہ ضروریات دین جانتے ہیں''۔ ۲۰

(۲) انہی مولانا ظفر الدین صاحب کے نام ایک اور مکتوب میں نکتہ آفرینی کا انداز بھی ملاحظہ فرمائیں:

''خط ملا۔ یہ نعمت تازہ (بیٹی کی ولادت) مبارک ہو۔ اس کا وہ نام رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا۔ یعنی حضرت ربیع بنت مسعوذ انصاریہ صحابیہ بنت صحابی علیہما الرضوان کے نام مبارک پر ''ربیع خاتون ۱۳۳۹''۔ ۲۱

(۳) وہابیہ کے عقائد کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''کیوں وہابیو! ہے کچھ دم؟ ہاں ہاں تقویۃ الایمان اور براہین قاطعہ کی شرک دانی لے کر دوڑیو، مشرک کی تسبیح بھانجیو، کل قیامت کو کھل جائے گا کہ مشرک، کافر، مرتد، خاسر کون تھا۔ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر۵۴:۲۶)

(بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا۔ کنزالایمان)

''اشر'' بھی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ''اشر قولی'' کہ زبان سے بک بک کرے۔

(۲) ''اشر فعلی'' کہ زبان سے چپ اور خباثت سے باز نہ آئے۔

وہابیہ اشر قولی اور اشر فعلی دونوں ہیں۔

قَاتَلَهُمُ اللهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْن (التوبہ،۹:۳۰)

(اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں)

(۴) امام احمد رضا کی نکتہ آفرینی کا شاہکار ایک وہ خط بھی ہے، جو آپ نے مولانا شاہ سید محمد آصف رضوی صاحب علیہ الرحمہ کو اپنی ایک نعت جس کا ایک شعر ہے:

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل

روشن انہی کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

میں بیان کردہ بعض نکات کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا تھا۔ پورا خط پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ چند جملے ملاحظ ہوں:

''اگر آپ آفتاب اور دھوپ کو دیکھیں ،تو فرق حقیقت و تجلی کی ایک ناقص مثال پیش نظر ہو۔ آفتاب گویا حقیقت شمس ہے اور دھوپ اس کا جلوہ حقیقت صفات کثیرہ رکھتی ہے اور اپنے مجالی میں متفرق صفات سے تجلی کرتی ہے۔ حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیت محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی ایک تجلی ہے۔ کعبہ کی حقیقت وہ جلوہ ہے۔ مگر وہ جلوہ عین حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظل جیسا کہ اسی قصیدہ میں ہے۔'' ۲۳

(۵) مولانا ظفر الدین بہاری کو ایک اور مکتوب میں درج ذیل نکتہ آفریں جملہ لکھتے ہیں:

''میں جن امور میں ہوں اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو تو مجھے عدم تحریر خطوط میں معذور رکھیں گے۔ مگر آپ کی یاد دل کے ساتھ ہے، جو عظیم ساعت میسر ہوئی۔ محض عطیہ الٰہی تھی۔ اس میں یہ نقوش تیار کیے جو مرسل ہیں۔'' ۲۴

(۸) شکوہ اور معذرت:

اعلیٰ حضرت کا اندازِ شکوہ و معذرت بھی بڑا دلنشیں اور پر لطف ہوتا ہے۔ درج بالا اقتباس میں معذرت ایک لطیف پیرائے میں اظہار آپ نے کیا۔ اب اپنے ایک عزیز شاگرد (مولانا ظفر الدین بہاری) سے انداز شکایت بھی ملاحظہ ہو:

''پہلے ایک پلندہ ''ابانۃ المتواری'' وغیرہ کا آپ کو بھیجا گیا تھا، وہ نہ پہنچا، اب مدت ہوئی، ''وقایہ اہل سنت'' وغیرہ اشتہارات کا پلندہ بھیجا۔ اس کی رسید اب تک نہ آئی،

اس کی تفتیش کیجئے کہ پلندے کہاں ضائع ہوتے ہیں۔ ایک خط آپ کو جواب مسائل میں بھیجا تھا۔ وہ آپ کو نہ ملا، رجسٹری مرسل ہوتو وہ بھی ہر شخص لے سکتا ہے لہٰذا یہ پلندہ بیرنگ مرسل ہے۔'' ۲۵

ایک ایک لفظ پڑھیں۔ کس محبت بھرے انداز میں اپنے عزیز شاگرد کو تنبیہ فرمارہے ہیں۔ ڈانٹ ہے۔ اظہار غصہ بھی، لیکن کوئی لفظ اخلاق سے گرا ہوا نہیں۔ اپنے تلمیذ کی عزت نفس کا کس قدر پاس ہے۔ آخر میں ان کی کوتاہی کی جو سزا تجویز کی ہے وہ خالی از حکمت نہیں یعنی بغیر ٹکٹ کے خط کے وصولی کہ بیرنگ ہونے پر ارسال لازمی، ان شفقت بھرے الفاظ کو پڑھ کر مخاطب، سعادت مند شاگرد بے اختیار پکار اٹھا ہوگا۔

کتنے شیریں ہیں ترے لب و لہجے۔

امام احمد رضا کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سخت سے سخت مخالف کو بھی خطاب کرتے وقت زبان و بیان کی شستگی، شائستگی و شگفتگی ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور دل آزار الفاظ کے استعمال سے حتی المقدور گریز کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیر نظر ''کلیات مکاتیب رضا'' میں دیوبندی حضرات کے حکیم شیخ اشرف علی تھانوی صاحب (م ۱۳۶۳ھ) اور ان کے فقیہ النفس شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب (م ۱۳۲۳ھ) کو تحریر شدہ خطوط دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں ان خطوط سے نمونہ کے طور پر چند اقتباسات تفنن طبع کے لئے تحریر کئے جاتے ہیں۔

شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب نے کوے کو حلال قرار دیا تھا اور ایسی جگہ جہاں کوا کھانے کو لوگ ناجائز، حرام سمجھتے ہوں، وہاں اس کے کھانے پر اجر و ثواب کا فتویٰ بھی دیا تھا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے اعلیٰ حضرت سے بھی استفسار کیا گیا اور گنگوہی صاحب کی تائید میں شائع شدہ دو رسائل اشاعت شدہ اکتوبر ۱۹۰۲ء بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے بھیجے گئے۔ اس ضمن میں مزید تحقیق اور وضاحت کے لئے اعلیٰ

حضرت نے جناب گنگوہی صاحب کو ایک تفصیلی خط ۷ رشعبان المعظم ۱۳۲۰ھ کو لکھا، جس میں آپ نے نفس موضوع پر چالیس سوالات قائم کر کے ان کے جوابات مانگے تھے۔ گنگوہی صاحب نے اس تفصیلی استفسار کے جواب میں محض ایک پوسٹ کارڈ پر چند سطریں لکھ کر بھیج دیا تھا اور ان تمام چالیس سوالات کے جوابات سے یہ کہہ کر گریز کیا تھا کہ ہمیں اس مسئلہ (کوّے کے حلال ہونے) پر کوئی شک نہیں کیونکہ ہم نے مکمل تحقیق کے بعد یہ فتویٰ دیا ہے، امام احمد رضا نے ایک مفتی اور عالم دین کی حیثیت سے اپنا فرض ادا نہ کرنے اور قائم کردہ سوالات کا جوابات دینے سے پہلو تہی کرنے پر گنگوہی صاحب کو دوبارہ خط لکھا اور انہیں یاد دلایا کہ ان کے جوابات دینے سے پہلو تہی کرتے پر گنگوہی صاحب کو دوبارہ خط لکھا اور انہیں یاد دلایا کہ ان کے جوابات دینا ان کا فرض منصبی ہے۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، جس سے شکوہ سنجی کے علاوہ ان کی انشاء پردازی کی دیگر خصوصیات بھی نمایاں ہیں۔''۲۶

۱) بنظر خاص مولوی رشید احمد گنگوہی سلم علی المسلمین اجمعین،

آپ کا کارڈ مشعر رسید مسائل مرسلہ فقیر آیا عجلتِ ارسال رسید باعثِ مسرت ہوئی۔ مگر ساتھ ہی جواب دینے سے انکار پر حسرت، میری اپنی مخالفت اصول وعقائد میں ہے، جس میں فقیر بحمد ربہ القدیر جل جلالہ یقیناً حق وہدیٰ پر ہے''۔

۲) ''مگر یہ مسئلہ دائرہ محض فرعی فقہی ہے۔ فقہ میں فقیر بحمدہ تعالیٰ حنفی ہے۔ اور آپ بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تو ان مسائل کو ان دلائل پر قیاس کر کے پہلو تہی کرنے کی حاجت نہیں، آپ کا جواب کہ ''نہ مسئلہ حلت غراب موجودہ دیار میں مجھے کسی قسم کا شبہ یا خلجان ہے جس کے دفع کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت'' سوئے اتفاق سے سخت بے محل واقع ہوا۔ فقیر نے کب کہا تھا کہ کوے کے مسئلہ میں آپ حالتِ شک

میں ہیں، بلکہ صاف لفظ تھے کہ بغرض رفعِ شکوک عوام وتمیز حلال وحرام خاص آپ سے بعض امور مسئول اور آپ کی نسبت یہ الفاظ تھے"۔

"نگاہ انصاف ہو تو یہ جواب بے محل نہیں بلکہ برعکس آیا۔ آپ اس مسئلہ میں برعکس ہوتے تو یہ جواب کچھ قرین قیاس ہوتا" کہ میں اس میں کیا کہوں۔ میں خود تردد اور شک میں پڑا ہوں" اور جب کہ آپ کو حکم شرعی تحقیق ہے، شبہ وخلجان اصلاً باقی نہیں"۔

شکوہ سنجی کا یہ خط کافی طویل ہے۔ زیر نظر کتاب کے صفحہ ۲۶۴ سے ۲۷۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کو مطالعہ فرمائیں۔ اس کے ہر جملہ، ہر لفظ اور ہر سطر سے شائستگی، شستگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے۔ ایک طویل علمی وفقہی خط جو ہندوستان کی ایک عظیم عبقری، فقہی، علمی وادبی شخصیت کی جانب سے لکھا گیا۔ اس کے جواب میں مخالف گروہ کی ایک مستند علمی شخصیت کا نہایت مختصر، توہین آمیز اور مخاطب کو مشتعل کردینے والا جواب، مگر اس کے باوجود نفس موضوع سے گریز کئے بغیر نہایت شستہ اور شائستہ لب ولہجہ میں مدّ مقابل کو خطاب کرنا امام احمد رضا کی نہایت متوازن، سلیم الطبع، حلیم وکریم اور قرآن حکیم کے الفاظ میں: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِؕ (آل عمران ۳:۱۸)

(اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر، کنز الایمان) اولوا العلم انصاف پسند شخصیت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

اس خط میں شکوہ سنجی کے شستہ الفاظ کے علاوہ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے جن دیگر محاسن کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ خط کشیدہ الفاظ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً "عجلتِ ارسال رسید پر مسرت ہوئی۔ مگر ساتھ ہی جواب نہ دینے پر حسرت" کس قدر بلیغ معانی کا جملہ ہے۔ صنعت تضاد کا نمونہ ہے۔ مسرت کا اظہار فرما کر ایک طرف

مکتوب الیہ کی دلجوئی کی جارہی ہے اور حکمت و موعظتِ حسنہ کے ساتھ اس کو دعوت حق کی طرف بلانے کی کوشش بھی جاری ہے۔ دوسری جانب لفظِ حسرت کا استعمال کر کے اس کے اندر سوئے ہوئے ''عالم دین'' کو خواب غفلت سے جگایا جارہا ہے، اور حمایت دین کی طرف راغب کیا جارہا ہے، اسی طرح ''نگاہ انصاف'' بے محل'' اور برعکس'' الفاظ کا استعمال کر کے مکتوب الیہ کے ضمیر کو بیدار کرنے کی سعی حسن ہے۔ اس مکتوب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے امت رضی اللہ عنہم کی عزت وعظمت کے بارے میں کس قدر غیرت مند اور ان کی شان بیان کرتے وقت الفاظ کے انتخاب میں کس قدر محتاط اور منتخب واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً حلت غراب (کوا) کے بارے میں مذکورہ اشتہاری کتابچہ میں گنگوہی صاحب کے معتقدین نے لکھا تھا کہ ''حضرت مولانا گنگوہی بشر ہیں اور بشریت سے اولیاء کیا، انبیاء علیہم السلام بھی خارج نہیں''۔

یہاں چونکہ گنگوہی صاحب کی بشریت اور انبیاء علیہم السلام کی بشریت میں برابری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اس لئے امام احمد رضا نے گنگوہی صاحب کی توجہ اس طرح مبذول کراتے ہوئے انہیں تنبیہ کی ہے کہ ''ایسی جگہ اکابر کو ضرب المثل بنانا سوئے ادب ہے''۔ اور شفاء شریف کی ایک عبارت پیش کر کے آگاہ کیا ہے کہ اس کا قائل مستحق تعزیر شدید ہے، یہ خط امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خوبیوں کا نمونہ ہے۔ سادگی وسلاست کے علاوہ جگہ جگہ مقفیٰ عبارات نے ایک عجیب لطف پیدا کر دیا ہے جسے پڑھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً:

(۱) ''مسلمانوں میں اختلاف پڑا ہے۔ آتش خصام شعلہ زا ہے۔''

(۲) ''آپ پر لازم ہے کہ حق ان پر واضح کیجئے نہ کہ بعد سوال بھی جواب نہ دیجئے''۔

(۳) ''آپ اس مراسلہ فقیر کو مسئلہ دائرہ میں سوال سائل سمجھے۔ یا الاولا،

کچھ نہ کھلا''۔

(۴) ''وہی تقدیر ثانی یعنی گمان مناظرہ اس پر بھی یہ جواب نہایت عجاب''۔

(۵) ''پھر اٹکلوں پر ایسا تیقن کہ مطلق شبہ نہیں۔ مزید تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ مناظر کی بات سنیں گے بھی نہیں، یعنی، چہ، کیا، الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن نہیں۔ کیا آپ یا آپ کے اساتذہ کی اٹکل میں غلطی ممکن نہیں''۔

(۶) ''یا آپ اور آپ کے اساتذہ بشریت سے بالکل خالی سہی۔ یہ خطا بھی فقہا ہی کے ماتھے جائے۔ شاید انہوں نے الو کی طرح کوے کو بھی حلال لکھ دیا ہو۔ مناظر کے کلام سے کشف خطا ہو۔ اس کی بدولت حق کی معرفت عطا ہو''۔

(۷) ''اور واقعی قبول کرنے میں سارا بار اپنے سر آتا تھا اور قبول نہ کرنے میں معتقدین کا دل دکھتا تھا۔ بلکہ اپنا ہی ساختہ پرداختہ باطل ہوتا تھا۔ ناچار سوا اس انکار کے علاج کیا تھا''۔

(۸) ''لیکن یہ کون سی سعادت مندی ہے کہ بلا سوچ سمجھے ایسے پیرِ مغاں، فقیہ مسلم پر اعتراض کر بیٹھے، واہ رے زمانہ غافل و مدہوش میں یہ شور و خروش اور پیر مغاں درخوابِ خرگوش''۔

(۹) ''آپ کو متداولہ درسیہ سے کوا حلال ہونے کا ادّعا اسی وقت تک سزا ہے کہ جوابِ سوالات سے دامن کھینچا ہے۔ نمبر دار ہر سوال کا جواب صاف صاف بے پیچ و تاب دیتے ہیں''۔

(۱۰) ''آپ فرماتے ہیں صرف یہ کارڈ آپ کے رفع انتظار کے لئے

بھیجا ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ حاجت تو کوا کھانے کی بھی نہ تھی۔ اب کہ واقع ہولیا۔ مسائل شرعیہ کا جواب دینے کی ضرور حاجت ہے''۔

(۱۱) ''میں آپ سے پھر گزارش کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے سے رفع اختلاف بھلا ہے۔ آپ کا معتقد گروہ دوسرا قرآن سے کہے تو نہیں سنتا۔ آپ کی بے دلیل کی سنتا ہے اور وہ بھی خود اشارے اشارے میں کہہ چکا کہ ہمارے مولوی سے طے ہو جانا اولیٰ ہے اور اب تو آپ کو پچاس برس سے یہ مسئلہ چھان رکھنے کا ادّعا ہے۔ آپ نے اساتذہ سے بھی تحقیق کر لینا لکھا ہے۔ دوسرا آپ سے وضوح حق کے لئے سوالات شرعیہ کر رہا ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حق بیان فرمانے کا عہد لیا ہے''۔

درج بالا اقتباسات مکتوب نگار کی بذلہ سنج وخوش مزاج طبیعت اور طنز ومزاح کے ستھرے ذوق کے آئینہ دار بھی ہیں، جو ایک صحت منداد ب کی روایت ہے۔ ایک جید عالمِ دین اور فقیہ شہیر کی تحریر کی یہ خوبیاں اس کے بلند ادبی ذوق کی عکاس بھی ہیں، حالانکہ فقہا اور علماء کے مکاتیب کی زبان عموماً ان محاسن سے مبرا، دقیق اور مغلق طرز نگارش کا نمونہ ہوتی ہے۔

(۹) اختصار وایجاز:

امام احمد رضا ایک عبقری شخصیت تھے۔ وقت کے قدردان تھے۔ دیگر علمی نگارشات کی طرح ان کے مکتوبات بھی جامعیت اور ایجاز واختصار کی خصوصیت کا مظہر ہیں۔ ان کے مکاتیب عام طور پر طویل نہیں ہوتے۔ غیر ضروری باتوں سے پاک ہوتے ہیں اور الفاظ نپے تلے ہوتے ہیں، وہ ہر تحریر کو اپنی ذہنی فراست سے ترجیحات مقرر کرنے کے بعد شروع کرتے ہیں۔ ترجیحات کا جو نقشہ ان کے ذہنی کمپیوٹر میں مرتسم ہو جاتا ہے۔ اسی

حساب سے ان کا قلم چلتا ہے، وہ صرف کام کی باتوں کے اظہار کو اہمیت دیتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتوں سے گریز کرتے ہیں، البتہ جو کچھ لکھتے ہیں۔ سند و صداقت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ آپ کے خطوط کے مطالعہ سے وقت کی قدر شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کے نام ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ جامعیت، ایجاز و اختصار اور اسناد کا بہترین نمونہ ہے۔

(۱) ''تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے ''حاشیہ درر'' میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا اختصار ''ع م'' لکھنا کفر ہے کہ تخفیف شان نبوت ہے۔ اب کبھی بانکی پور جانا ہو، تو اس سے عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ اگر آپ کو ملے تو بحوالہ کتاب و باب و فصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے۔

اقتباس بالا سے امام احمد رضا کی فقہی قابلیت و صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بحیثیت مفتی اور ایک جید دینی اسکالر استنباط و استخراج کی بھرپور صلاحیت عبارات بالا سے جھلکتی ہے، نیز مکتوب منہ اور مکتوب الیہ دونوں کی علمی شخصیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ قاری کو یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ دونوں کے درمیان کہنے سننے کی فضا موجود ہے۔ مختصر سوال و جواب کی صلاحیت اور پھر اس کے مندرجات میں جو تفصیل ہے، اس کی تفہیم کے بھرپور ادراک کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ غور کیا جائے، تو گفتگو بظاہر عالمانہ ہے مگر زبان و بیان کا انداز دیکھیں تو سادہ، عام فہم اور پرکشش ہے۔ امام احمد رضا کے مکاتیب میں ایجاز و اختصار کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ مگر طوالت کے خوف سے محض ایک اور مثال پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

(۲) ''مولانا بہاری علیہ الرحمہ کے نام ایک اور خط ملاحظہ ہو:

''فتویٰ آیا اور تقسیم ہوا اور آپ کو رسید نہ بھیج سکا کہ سرکار مارہرہ مطہرہ حاضر

ہوتا ہوا، چھ روز میں واپس آیا اور صعوبت سفر وناسازیٔ طبع سے اکیس روز معطل رہا۔ اب مبتلائے بعض افکار ہوں۔ طالب دعا ہوں۔

مسودہ فتویٰ جو آپ نے بھیجا۔ اس میں مولوی دیانت حسین صاحب و مولوی مقبول احمد صاحب کے بھی دستخط تھے۔ اس مطبوعہ میں نہیں۔ اس کا کیا سبب ہوا۔ ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو، تو اس عبارت کو تطبیق کر کے بھیجئے۔

'والا صطفاف بین الاسطوانین غیر مکروه لانه صف فی حق کل فریق وان لم یکن طویلاو تخلل الا سطوانة بین الصف کتخلل متاع موضع او کفرجة بین رجلین وخلک لایمنع صحة الافتلاء''.

یہ عبارت یونہی ہے کہ اس میں فرق ہے، اس کا سابق ولاحق کیا ہے؟

مبسوط چھپ گئی ہے، مگر ابھی یہاں نہ آئی۔ اب کی بار نقشہ ماہ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟ یہ خط ابھی نہ بھیجا تھا کہ آپ کا نقشہ سحر وافطار آیا، جزاکم اللہ خیراً کثیراً۔ والسلام۔

اس اجمال میں جامعیت کے ساتھ جو تفصیل ہے اور سادگی، سلاست اور حسن کلام کی جو جھلکیاں ہیں، ان سے اہل علم وزبان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(۱۰) مقفی عبارات:

امام احمد رضا کے دور میں عالمانہ انداز بیان کی ایک خصوصیت یہ سمجھی جاتی تھی کہ پوری عبارت مقفی ہو، چنانچہ ان کی تصانیف، تالیفات اور تقاریظ میں یہ ڈھنگ بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ لیکن مضامین مکاتیب میں زیادہ تر نثر عاری اور استدلالی کے نمونے ہیں۔ البتہ القاب وآداب اور سلام و پیام میں مقفیٰ و مسجع نثر کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں پورے خط کے مضامین میں بھی مقفی عبارات کا رنگ نمایاں ہے۔ جس کی

کچھ جھلکیاں آپ سابقہ سطور میں دیکھ چکے۔

تفصیل سے گریز کی بناء پر صرف چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں لیکن یہاں بھی ''آورد'' کے بجائے بے تکلف اور قلم برداشتہ اظہار خیال کا انداز جھلکتا ہے جو امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کا خاصہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) ''تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے نام ایک خط درج کرتے ہیں:

''جواب مسائل حاضر کر چکا تھا۔ دوبارہ بصیغہ رجسٹری حاضر کرتا ہے۔ اول اپنی حالت عرض کرے۔ رمضان مبارک (۳۰ھ) میں چار بار بخار آیا، شب عید (۳۰ھ) میں ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک اسٹیشن بریلی پر کھڑا رہنا ہوا، پھر حرارت لے کر واپس آیا، دوسرے دن دو عیدیں (عید جمعہ و عید الفطر) اور احباب کا ملنا، تکان بڑھ گئی اور جب سے اب تک کئی حملے بخار کے ہوئے۔ ادھر اخیر میں دو حملے بہت شدت سے ہوئے کہ حاضری مسجد سے بھی محروم رہا۔ آج ظہر و عصر کو نماز کے لئے گیا تھا۔ طبیب وہیں مسجد میں ملے اور نبض دیکھ کر کہا ابھی بخار باقی ہے۔ چندروز سیڑھیوں کا چڑھنا۔ اترنا اور موقوف رہے۔

سوالات سابقہ کا جواب عرض کر چکا تھا۔ معلوم نہیں کیوں نہیں باریاب خدمت ہوا، سوال متعلق بینک کی نسبت بوجہ تپ حافظ امیر اللہ کے داماد سے کہلا بھیجا کہ براہ راست حاضر کروں گا۔ اب سابق و لاحق سب کا جواب حاضر ہے''۔

(۲) ''برہان ملت حضرت مولوی محمد برہان الحق علیہ الرحمہ کو تحریر کردہ ایک مکتوب ملاحظہ ہو:

''۲۷ محرم سے ۳۵ دن کے بخار نے بالکل بے طاقت کر دیا، طالب دعا ہوں۔
حضرت مولانا عید الاسلام عبد السلام کی خیریت اور مقدمہ مسجد کی حالت سے مطلع کیجئے۔

حضرت اور سب احباب کو میرا اسلام پہنچایئے، یہ مضمون مع خط میں نے دیکھ لیا۔ بہت ٹھیک ہے۔ بارک اللہ تعالیٰ لکم وفیکم وبکم وعلیکم۔ سب صاحبوں کو سلام ودعا۔ والسلام"۔

(۳) "مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔ وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے اور آپ سے دین کو اور دین سے آپ کو نصر موزر پہنچائے۔ آمین، آمین، بجاہ الکریم المعین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم اور احسن یہ کہ استخارہ شرعیہ کر لیجئے۔

آپ کا خط دربارہ پریشانی دنیا آیا تھا۔ ہفتے ہوئے اور اس کا جواب آج دوں، آج دوں، مگر طبیعت علیل، بار بار بخار کے دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف ہجوم، ان کے دفع میں فرصت معدم، علاوہ اس کے سو سے زائد جواب فتاویٰ کے، اس مہینہ کے اندر چار رسالے تصنیف کر کے بھیجنے ہوئے اور میری تنہائی اور ضعف کی حالت معلوم۔ وحسبنا ربی ونعم الوکیل۔

اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جوابی کو اعذار صیحہ پر خود محمول فرمائیں گے۔ اس خط کے جواب میں چاہتا تھا کہ آیات واحادیث دربارۂ مذمت دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں فلاں کو دستِ غیب ہے، فلاں کو حیدر آباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا، یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے۔ ثبات علی السنہ ہے، ان کے پاس علم نافع نہیں علم مضر ہے، اب کون زائد ہے؟ کس پر نعمتِ حق بیشتر ہے، بشرط ایمان، وعدہ وعلو غلبہ باعتبار دین ہے نہ یہ کہ دنیوی امور میں ش مومنین کو تفوق رہے۔ دنیا سجن مومن ہے۔ سجن میں اتنا آرام مل رہا ہے۔ کیا محض فضل نہیں؟ دنیا کا خاصہ ہے۔ اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے، دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔ والسلام۔

(۴) اس ضمن کی دو اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ۔ مولانا مفتی احمد بخش صادق صاحب، ڈیرہ غازی خان کو ایک مکتوب تحریر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(الف) ''یہ بجیہ رضیہ کہ بفضلہٖ تعالیٰ جناب میں مشہود ہوا، ابنائے زمانہ میں مفقود اور اس کا صاحب افراد نادرۂ دہر میں محدود، آج کل تو ہر طرف حسد، تعصب کی گرم بازاری ہے۔ اور خواص اپنوں سے صرف اس بناء پر کہ، اتاہم اللہ من فضلہ، عداوت وبیزاری، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

دو عنایت نامے سابق کا جواب کہ بعجہ ہجوم کار اور تراکم افکار وتعدد امور وغیرہ اعراض نہ ہوا اور جب تک کہ تکلیف انتظار ہوگی، اس کی معافی چاہتا ہوں۔ **عفا اللہ تعالیٰ عنی وعنکم وعن المسلمین وجعلنی وایاکم عن خدم الدین المتین والشرع المبین وعبید سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وبارک علیہ وعلیھم اجمعین۔**

(ب) جناب اشرف علی تھانوی صاحب کے نام لکھے ہوئے خط کے ایک اقتباس میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال کے ساتھ سادگی اور سلاست وروانی کی بہار ملاحظہ ہو:

''رئیسوں کا دباؤ تھا ناچار دفع وقتی کو وہی چاند پوری صاحب آپ کے وکیل بنے۔ فقیر نے اپنے خط وقلم سے جناب کو رجسٹری شدہ کارڈ بھیجا کہ کیا آپ مناظرۂ معلومہ پر آمادہ ہوئے؟ کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا؟ سات ہیے ۔زائر گذرے۔ آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا، ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے۔ واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا، تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا، مردانہ وار قرار سے فرار نہ ہوتا۔ یہ ہے وہ فرضِ لایعنی غیر واقع بے معنی معاہدہ جس سے عدول کا

ادھر الزام لگایا جاتا ہے، سبحان اللہ! اپنے وکیل بالا دعاء کی وکالت آپ نہ مانیں اور عدول جانب خصم سے جانیں، ہاں! جناب تو نہ بولے، سولہ دن بعد انہیں آپ کے متوکل صاحب نے لب کھولے کہ ہم جور وساء کے سامنے اپنے منہ سے آپ ہی دعویٰ وکالت کر چکے ہیں اور جناب تھانوی صاحب سے دریافت کرنا ذلت ورسوائی، گردن کا طوق، ناپاک چالیں، بے شرمی کے حیلے ہیں"۔

سبحان اللہ کیا زبان وبیان کا لطف ان جملوں میں ہے۔ ذرا مقفیٰ ٹکڑے دیکھیں۔(۱) دفع وقتی کو وہی چاندپوری (۲) کیا آپ مناظرہ معلومہ پر آمادہ ہوئے؟ ...... (۳) سات مہینے زائد گزرے۔

(۳) "واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا، تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا۔ مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا، جناب تو نہ بولے، سولہ دن بعد انہیں آپ کے متوکل صاحب نے لب کھولے"۔ وغیرہ۔

(۱۱) دلداری ودل افروزی اور دنیوی وروحانی تربیت:

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کیونکہ سراپا عشق تھے۔ مئے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر سرشار تھے کہ ان کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سفر وحضر، حتی کہ جینا مرنا سب کچھ اپنے محبوب کی رضاجوئی کی خاطر تھا۔ آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی، حیات مستعار کے ہر زاویہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کا اجالا تھا، ہر ایک کے ساتھ وداد ومحبت، شفقت ورافت آپ کا ذخیرہ تھا، آپ کے الفاظ زخمی دلوں کے لئے مرہم اور ڈوبتوں کے لئے سہارا تھے، آپ اپنی تمام تر دینی، علمی وروحانی مشاغل کے باوجود احباب، تلامذہ، ارادتمند اور دین کی سمجھ حاصل کرنے والوں

کے خطوط کا جواب دینا اور اصلاحِ احوال کے لئے بذریعہ خط ان کی رہنمائی کرنا اپنا دینی اور اخلاقی فرض جانتے تھے۔ آپ کی تحریروں میں ان کی سکون بخشی اور تسلی و تشفی کا سامان بھی تھا اور گمراہوں اور بے دینوں کے لئے راہ ہدایت کا نشان بھی اور اصلاح پذیر طبیعتوں کے لئے دلکش طریقہ کار بھی۔ آپ کے مکاتیب میں دوائے درد بھی ہے اور دردِ دل بھی، چند عبارات کے نمونے مطالعہ فرمائیں۔

(۱) خط بنام مولانا ظفر الدین بہاری:

''شب براءت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰت والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند ان میں وہ دو مسلمان، جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔

لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب، چودہ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں۔ کہ بفضلہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہوکر بارگاہ عزت میں پیش ہوں، حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبۂ صادق کافی، التائب من الذنب کمن لاذنب له ،ایسی حالت میں باری تعالیٰ بفضلہٖ ضرور اس شب میں امید مغفرتِ تامہ ہے، بشرط صحت عقیدہ، وہو الغفور الرحیم۔

یہ سب مصالحتِ اخوان ومعافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے۔ امید کہ وہاں بھی مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے ''من سن فی الاسلام سنہ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ لاینقص من

اجورھم شیئا ۔ کے مصداق ہوں یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔

اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو وعافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے، نہ نفاق پسند ہے، صلح ومعافی سب سچے دل سے ہو۔ والسلام''۔

یہ خط امام احمد رضا کی فرض شناسی اور دینی کام میں اشتغال وانہماک کا مظہر ہے، علاوہ ازیں صلاح وفلاح واتفاق بین المسلمین کا پیامبر بھی۔

۲) خط بنام مولانا برہان الحق علیہ الرحمۃ:

''نور عینی وذرۃ دینی ادام اللہ تعالیٰ عزک، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''مطالع البروج'' بہت صحیح بنائے۔ بارک اللہ وفیک علیک صرف ایک جگہ غلطی زیادہ تھی اور باقی چند جگہ خفیف وہ سب سرخی سے بنادی ہے۔

برادرم! کسی مکابر بے دین کی زبان بند کرنے کا کسے اختیار ہے۔ قیامت میں رب العزت کے حضور تو بکے جائیں گے، یہاں تک کہ'' الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون ''اس وقت مجبور ہوں گے''۔

ایک تلمیذ ومرید خاص کے لئے یہ الفاظ کس قدر طمانیت، خوشی ومسرت اور ہمت افزائی کا باعث بنے ہوں گے، جس نے نہایت محنت سے کوئی تحقیقی وتحریری کام کیا ہو۔ امام احمد رضا کے مکتوب میں ہونہار، نوخیز مصنفین ومحققین کی دلداری اور ہمت افزائی اور ستائش کے بہتیرے نمونے موجود ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فروغ تعلیم

اور اپنے شاگرد و متوسلین کی تعلیم و تربیت میں وہ کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔ تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے علاوہ امام احمد رضا اپنے مکتوب سے بھی ان کی علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت اور اصلاح احوال کی سعی بلیغ فرماتے ہیں۔ تحقیقی مسائل میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور جسمانی و روحانی دونوں بیماریوں کے علاج بھی تجویز فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ان سے قبل کے بزرگوں مثلاً حضرت مخدوم شیخ یحیٰ منیری، مجدد الف ثانی، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدست اسرارہم کا معمول رہا ہے۔

جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ہم میں سے ہر شخص متوحش رہتا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے سے گریز نہیں کرتا، لیکن ''ایمان'' جو سب سے اہم ترین دولت ہے اس کی حفاظت کی طرف سے ہم میں سے اکثر غفلت برتتے ہیں، امام احمد رضا کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے جان مال، عزت و آبرو کی کی طرح ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا بھی وافر سامان فراہم کیا ہے، جس کی بین دلیل ان کی تصانیف اور مکاتیب ہیں، ان مکاتیب سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مکتوب بنام مولانا عرفان علی رحمۃ اللہ علیہ:

''نور دیدہ و راحت روانِ من مولوی عرفان علی صاحب سلمہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آدمی کو اس قدر گھبرانا نہ چاہیے۔ اللہ عزوجل پر توکل چاہیے۔ بدمعاش لوگ ایسی دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ وہ محض بے اصل باذن اللہ تعالیٰ ہوتی ہیں۔

۱) صبح و عصر کے فرضوں کے بعد قبل کلام کرنے اور قبل پاؤں بدلنے کے اسی ہیئت التحیات پر بیٹھے ہوئے دس بار پڑھئے: لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ الملک

و له الحمد ، بیده الخیر ، یحی ویمیت ، وھو علی کل شئی قدیر"

صبح کو پڑھے۔ شام تک ہر بلا سے محفوظ رہے اور شام کو پڑھے تو صبح تک ، عصر کے بعد نہ ہو سکے، تو مغرب کے فرضوں کے بعد پڑھے۔

۲) صبح یعنی آدھی رات ڈھلے سے سورج نکلنے تک اور شام یعنی دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک، اس بیچ میں کسی وقت دس دس بار "**حسبی اللہ لاالہ الاھو علیہ توکلت ، وھورب العرش العظیم**" صبح کا پڑھنا شام تک ہر بلا سے امان ہے اور شام کا پڑھنا صبح تک۔

۳) (ان اوقات) میں تین بار تینوں قل صبح وشام یہی فائدہ رکھتے ہیں۔

۴) صبح وشام میں تین تین بار "**بسم اللہ ، ماشاء اللہ ، لایسوف الخیر الااللہ ، ماشاء اللہ ، لایسوف السوء الااللہ ، ماشاء اللہ ماکان من نعمة فمن اللہ ، ماشاء اللہ ، لاحول ولاقوۃ الاباللہ**" پڑھا کیجئے۔ صبح کا پڑھنا شام تک جلنے، ڈوبنے ، چوری ، سانپ ، بچھو، شیطان ، قہر حاکم سے امان ہے اور شام کا پڑھنا صبح تک"۔

۲) "برادرم سلمہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان آبرو، جان ، مال کی حفاظت فرمائے۔ بعد نماز عشاء ایک سو گیارہ بار، طفیل حضرت دستگیر، دشمن ہوئے زیر" پڑھ لیا کیجئے ،اول آخر گیارہ بار درود شریف ،اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ ان سے فقیر کا سلام کہئے ۔ یہی عمل وہ بھی پڑھیں ، نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح وشام سوتے وقت ، بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے

حفاظت رہے گی، دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک شام ہے اور آدھی رات ڈھلے سے سورج چمکنے تک صبح، اس بیچ میں ایک ایک بار علاوہ نمازوں کے ہوجایا کرے اور ایک بار سوتے وقت، آپ کے والد ماجد صاحب کو سلام"۔

۳) برادرم دینی ویقینی مولوی عرفان علی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولیٰ تعالیٰ مرض دفع فرمائے اور ہر جگہ اہل سنت کی حفاظت کرے۔ شیخ عبداللطیف صاحب مرحوم بہت خوب آدمی اور فقیر کے خالص مخلص تھے، مولیٰ تعالیٰ مغفرت فرمائے، ان کی تعزیت کسے اور کس پتے پر لکھوں؟

ہر مکان میں بعد مغرب سات سات بار اذان باآواز بلند ہوا کرے، سورۃ التغابن شریف روز پانی پر دم کرکے اپنے اپنے گھر سب کو پلایا کریں"۔

۴) "راحت جانم سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مضمون دیکھ کر اغلاط بنا کر بھیج دیا۔ حدیث شریف صحیح کا ارشاد ہے۔ "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأۃ سنۃ من یجلیھا امر دینھا"۔ (بے شک اللہ ہر صدی کے ختم پر اس امت کے لئے ایک مجدد بھیجے گا کہ امت کے لئے اوس (اس) کا دین تازہ کرے)

پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے، دوسری صدی کے مجدد امام شافعی وامام احمد وامام علی رضا وعلیٰ ہذا القیاس (رضی اللہ عنہم)۔ یہ خیال کہ صرف مجدد الف ثانی مجدد ہوئے اور یہ کہ مجدد ہزار برس کے بعد ہوتا ہے۔ سب جاہلانہ خیال ہیں۔

اقتباس نمبر (۱) اور (۲) میں ایمان، آبرو، جان ومال کی حفاظت کی دعا کے

ساتھ مکتوب منہ (سائل) کی دین و دنیا کی جملہ پریشانیوں کے تدارک کے لئے وظیفہ تجویز کیا جارہا ہے اور توکل علی اللہ کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اقتباس نمبر (۳) میں مکتوب منہ کے مرض سے شفایابی اور جملہ اہل سنت کی حفاظت کی دعا کے ساتھ وبائی مرض کے دفع کے لئے ہر گھر میں قرآن کریم سے تجویز کردہ سورہ مبارکہ پڑھنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔ تینوں خطوط اگر تفصیلاً دیکھیں تو ان کی عبارات کے ایک ایک لفظ میں مکتوب منہ کے لئے جذبہ ترحم، دلجوئی، اصاغر نوازی اور سب سے بڑھ کر تمام عامۃ المسلمین کے لئے فلاح و صلاح کے جذبات کارفرما نظر آرہے ہیں۔ اسی طرح اقتباس نمبر (۴) میں مکتوب منہ کے ایک مضمون کی اصلاح و تصحیح کا ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بایں ہجوم کار کہ بیک وقت پانچ، پانچ سو خطوط کے تقریباً روزانہ ہی جواب لکھنے لکھانے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شب و روز جاری رہنے کی وجہ سے عدیم الفرصتی کے قوی عذر کے باوجود آپ نوجوان علماء و طلباء کو تحریر و تحقیق کے میدان میں آگے لانے کے لئے ان کی تربیت فرمانے اور ان کے مقالہ جات کی اصلاح و تصحیح کے لئے وقت نکالنے سے حتی الامکان گریز نہ کرتے، آپ کا یہ عمل احباب، اصاغر اور تلامذہ و عقیدتمند علماء کے ساتھ شفقت و محبت اور مودت و دلجوئی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس خط میں ضمناً حدیثِ مجدد کی تصحیح کا بھی ذکر آیا ہے جو غالباً مکتوب منہ نے اپنے مقالہ میں نقل کی ہوگی، پھر "مجدد" کے ظہور کے متعلق عوام الناس میں زبان زد عام بعض غیر مستند روایات کی تردید بھی کی گئی ہے، اس طرح سے مقالہ نگار کو لکھنے لکھانے کی تحریک و تشویش کے ساتھ اس کے علمی اشکال رفع فرما کر اس کی مکمل تسلی و تشفی بھی کی گئی ہے۔

(نوٹ) اس خط کے مندرجات سے "مکتوبات مسعودی" ۲۰۰۵ء مرتبہ

عبدالستار طاہر نقشبندی کے صفحہ ۷۶ پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ سے منسوب ایک غلط عبارت کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ وجاہت۔

ایک اور خط میں مسلمانوں کے محسن اور شفیق امام نے ایک نہایت پریشان حال اور نہایت مایوس برادر دینی کے لئے ایسے شفقت بھرے محبت آمیز، تسلی بخش اور رنج و محن دور کرنے والے کلمات تحریر فرمائے ہیں کہ غیر بھی اسے سنے یا پڑھے، تو اس کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ جائیں اور ادراک حقیقت کے ساتھ یہ شعر گنگناتا مطمئن اور شاداں وفرحاں اپنے مقصدِ تخلیق کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کارہائے زندگی کی دیانت دارانہ انجام دہی میں بہ نیت عبادت مشغول ہو جائے۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

"برادر دینی ویقینی سلمہ　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اتنا پریشان و مایوس ہونا ہرگز نہ چاہئے، درہائے رحمت کھلے ہوئے ہیں۔ استغاثہ واستعانت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وحضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے برابر جاری ہے، حضور کا توشہ مان لیجئے۔ بلکہ نصف توشہ پہلے کر دیجئے اور پورا بعد کے لئے مان لیجئے"۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی تصانیف اور مکاتیب سے ان کے وسعت مطالعہ، زرف نگاہی، فطانت وذہانت، بالغ نظری، کثیر علوم وفنون پر دسترس اور حکیمانہ بصیرت کا آئینہ ہوتے ہیں، ان خوبیوں کی بناء پر سچ پوچھئے تو ان کی ذات قرآن حکیم کی درج ذیل آیت کریمہ کا اپنے عہد میں مظہر اتم نظر بھی۔ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ، وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ، وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (البقرۃ:۲/۲۶۹)

(اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (کنز الایمان)

یعنی آپ جیسے حکیم، دانا، وبینا، ماہر علوم قرآن وحدیث وفقہ، صاحب تقویٰ اور صاحب روحانیت، ذات کو صاحب فراست وبصیرت حضرات ہی پہچانتے ہیں اور ان کے علم سے مستفیض ہونے اور حکمت ودانائی کے ملفوظات سے مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان کے سوانح نگاروں نے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ وہ باقاعدہ طبیب کی حیثیت سے لوگوں کا علاج ومعالجہ کرتے ہوں، مگر جس طرح دینی ودنیوی مسائل میں لوگ ان سے رجوع کرتے تھے۔ امراض جسم کے علاج اور شفا کے لئے بھی آپ کی بارگاہ عالی میں عرض گذار ہوتے تھے، جب اس جہت سے آپ کے علم وتحقیق کو پرکھا جائے تو آپ ایک ایسے حکیم حاذق نظر آتے ہیں جو اپنے ہم عصر عظیم حکماء واطبا سے کسی طرح کم نہیں، چنانچہ پاکستان میں طب اسلامی کے پیشرو اور امام، حکیم محمد سعید صاحب، امام احمد رضا کی طبی بصیرت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے، مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں، اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی ہی نہیں، بلکہ محقق طبیب بھی معلوم

ہوتے ہیں، ان کے اسلوب و معیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے''۔

لہٰذا امام احمد رضا کے مکاتیب میں متعدد ایسے مکتوب ہیں جن میں آپ نے اپنے احباب اور تلامذہ کے علاج کے لئے دوائیں تجویز کی ہیں اور نسخے تحریر فرمائے ہیں۔ اس طرح ان کی مکتوب نگاری کی ایک خصوصیت طبی بصیرت ومہارت کا اظہار بھی ہے۔

(۱۲) تعزیتی خطوط:

مکاتیب رضا میں تعزیتی خطوط بھی ہیں، جو ان کے کمال تحریر کا ایک نمونہ ہونے کے ساتھ ایک جدید اسلوب کو بھی متعارف کراتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے:

آپ کے عزیز شاگرد، مرید و خلیفہ و مخلص دوست وخلیفہ کے صاحبزادے، مولانا مفتی برہان الحق ابن مولانا عبدالسلام جبل پوری علیہما الرحمہ کے کمسن صاحبزادے کے انتقال پر محدث بریلوی نے ان کے اور ان کی اہلیہ کے نام ایک مشترکہ تعزیتی خط تحریر کیا، اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) ''جان پدر، نور بصر، جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ برہان الحق المبین وعزیزہ عفیفہ ذکیہ سلمہا اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بے شک اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا، اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی نامتصور ہے اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا اور جو صبر کریں ان کے لئے ثواب ہے پورا۔

(۱) میرے عزیز بچو! مولیٰ تعالیٰ تمہیں صبر جمیل اور اجر جزیل ونعم البدیل عطا فرمائے۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

(۲) ...... اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اے محبوب خوشخبری دو ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں، 'انا للہ وانا الیہ راجعون'، ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھر کر جانا ہے، جو ایسا کہیں ان پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت ہے اور وہ لوگ ہدایت پر ہیں"۔

(۳) "اللہ کی بشارت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت، اللہ کی درودیں، اللہ کی رحمت، اللہ کی ہدایت، یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ آدمی لاکھ جانیں دے کر لے تو سستی ہیں، بے صبری سے، جو چیز گئی آنہیں سکتی مگر یہ عظیم دولتیں ہاتھ سے جاتی ہیں، دیکھو، ایک اسی کلمہ، انا للہ وانا الیہ راجعون میں کیسی صبر کی تلقین فرمائی ہے: کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، جب ہمارا اور ہماری ہر چیز کا وہی مالک ہے تو مالک اگر اپنی ملک کسی سے لے، اس کا غم کیا معنیٰ؟ اور ہم کو اسی کی طرف پھر کر جانا ہے، ایک جاتا اور ہم کو یہیں رہنا ہوتا تو غم تھا کہ اب ملنا کیسے ہوگا؟ ہم کو بھی تو وہیں جانا ہے، تو فکر اس کی چاہیے کہ ایمان پر اٹھیں کہ جانے والے سے ملیں، وہ ہماری شفاعت کرے"۔

۴۔ "مسلمانوں کے چھوٹے بچے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی گود میں دیئے جاتے ہیں، وہ انہیں پرورش فرماتے ہیں، درخت طوبیٰ کے سائے میں رکھتے ہیں ابراہیم خلیل اللہ کی گود اچھی ہے یا تمہاری؟ طوبیٰ کی چھاؤں اچھی یا تمہاری چھت؟"

۵۔ "آپ دونوں صاحب اللہ کے سچے وعدوں پر پورے اطمینان کے ساتھ

کہیں: **الحمد للہ . انا للہ و انا الیہ راجعون ٥ عسیٰ ربّنا ان یبدلنا خیر امنھا انا الی ربنا راغبون اللھم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیر امنھا۔**

صحیح حدیث میں ہے اس کا کہنے والا ان گئی ہوئی چیزوں سے بہتر بدل پائے گا''۔

ان سطور بالا میں تلقین صبر، امید حصول ثواب، صبر پر مژدۂ عظیم، راضی برضائے الٰہی رہنے کے ابدی انعامات، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی کے ثمرات کو فرامینِ الٰہی اور ارشاداتِ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط کر کے جس احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ امام احمد رضا کے قلم کا اعجاز ہے، ہر جملہ اثر پذیری میں اپنی مثال آپ ہے، القاب سے لے کر اختتامی کلمات تک تمام خط تاثراتی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہیں، مصیبت پر صبر کے انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بشارت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت، اللہ جل شانہ کی درودیں، رحمٰن ورحیم اللہ کی رحمتیں، ہدایتیں، یہ تمام انعامات جس مؤثر و مربوط لب ولہجہ اور تواتر وترتیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، مخاطب اسے پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قاری کے ذہن میں معاذ اللہ مالک ومولیٰ کی ملکیت کا ایسا تصور ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان مزید مستحکم ہو جاتا ہے اور صبر کی دولت ہاتھ آ جاتی ہے، کہ یہ اخروی نعمتیں لاکھوں جانیں دے کر بھی نہیں حاصل کر سکتا، ذرا اندازہ کیجئے درج ذیل بول کس قدر منطقی اور ایک مومن کے قلب کے لئے کس قدر باعث تسلی وتشفی اور ''قلب مضطرب'' کو ''قلب مطمئنہ'' بنانے والے ہیں:

''ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، جب ہمارا اور ہماری ہر چیز کا مالک ہی وہی ہے، تو مالک

اگر اپنی ملک کسی سے لے لے اس کا غم کیا معنیٰ ؟ اور ہم کو اسی کی طرف پھر کر جانا ہے، ایک جاتا اور ہم کو یہیں رہنا ہوتا تو غم تھا کہ اب ملنا کیسے ہوگا؟ ہم کو بھی تو وہیں جانا ہے، تو فکر اس کی چاہیے کہ ایمان پر اٹھیں، کہ جانے والے سے ملیں، وہ ہماری شفاعت کرے"۔

منطقی انداز تحریر کے ساتھ ساتھ ان جملوں میں پوشیدہ ایجاز واختصار، سادگی وبے ساختگی اور مقفیٰ طرز نگارش کا جو حسن اور اشاروں کنایوں میں قرآن وحدیث کی جزئیات کے حوالے اور ایمان باللہ وایمان بالرسول اور ایمان بالغیب کی تفاصیل ہیں وہ اہل علم ونظر سے مخفی نہیں۔

(۱۳) جذبات نگاری:

امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کی ایک خصوصیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے ان کا بے پناہ لگاؤ اور جذبہ کمال عشق ہے، ان کے اس والہانہ عشق کا اظہار ان کی منثور ومنظوم تمام نگارشات سے ہوتا ہے، جذبات نگاری کی یہ دلکشی اور اثر آفرینی ان کے مکاتیب کے الفاظ اور جملوں میں بھی بدرجہ اتم محسوس کی جاسکتی ہیں، گو کہ ان کے عشق صادق کی اصل تصویر ان کے مجموعہ نعت حدائقِ بخشش ہی میں نظر آتی ہے لیکن مکاتیب میں بھی ایسے ادبی شہ پارے جابجا بکھرے نظر آتے ہیں، جن میں ان جذبہ صادق، نصب العین، عقائد صالحہ، جذبہ فروغ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تبلیغِ تعلیم قرآن وسنت کی خدمت اور احیائے دینِ متین کے اظہار کا مدعا بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ خوبی آپ کی تحریر میں منکسر المزاجی، کسر نفسی اور شرافت وغیرت دینی کا عنصر زیادہ غالب نظر آتا ہے، حتی کہ معاندین اور مخالفین سے بھی درویشانہ انداز گفتگو اور فقیرانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں،

صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

دیو بندی حضرات کے حکیم شیخ اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۳ھ) کے نام ایک مکتوب میں تھانوی صاحب کے ہم نواؤں کے نہایت جارحانہ سوقیانہ انداز تکلم کے جواب میں آپ کا عالمانہ وادیبانہ اور باوقار اسلوب نگارش ملاحظہ ہو:

"الحمد للہ! یہ زبانی ادّعا نہیں بلکہ میری کاروائیاں اس پر شاہد عدل ہیں، موافق ومخالف سب دیکھ رہے ہیں، کہ امرِ دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے کسی کی اصلاً پروا نہ کی، اصحاب فقیر نے آپ کی طرف سے ہر قابل جواب اشتہار کے جواب دیئے، جو بحمد اللہ تعالیٰ لاجواب رہے، مگر جناب کے مہذب عالم، مقدس متکلم، مولوی مرتضیٰ حسین دیو بندی، چاند پوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامہ کی نسبت قطعی ممانعت کردی......

......ایسے وقائع بکثرت ہیں اور اب جو صاحب چاہیں اطمینان فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا، سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے، عزتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کروں، نہ کہ اپنی، میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں، اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں، میں چھاپ چکا اور پھر لکھتا ہوں، میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ میری اور میرے آبائے کرام کی آبروئیں عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سپر رہیں، اللھم آمین۔

(خصوصی نوٹ: مولوی مرتضی حسن چاند پوری، دیو بندی مذہب کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیو بند کے ممتاز فاضل اور اس کے ناظم تعلیمات تھے، وہ خود کو شیخ اشرف علی تھانوی کا وکیل کہتے تھے، انہوں نے اسی حیثیت سے ایک اشتہار اعلیٰ حضرت پر ذاتی حملوں اور سب

وشتم سے لبریز شائع کرادیا تھا، جس کا عنوان تھا ''بریلی کے چپ شاہ گرفتار'' اسی طرح مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بریلی شریف میں علمائے اہل سنت سے مناظرے میں شکست فاش ہوئی، مگر انہوں نے اپنے اشتہار میں اس کے برعکس چھاپا اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت پر ایسے ذاتی حملے کئے جس سے انسانیت اور شرافت دونوں شرم سے پانی پانی ہو گئے۔

(حاشیہ کلیات مکاتیب رضا۔ ص/۱۶۸)

''یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجئے؟ کہاں سے لایئے؟ کس گھر سے دیجئے۔ مگر والاجناباً! ایسی صورتوں میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے، معاملہ دین میں ایسی ناگفتنی حرکات پر انہیں لجاتے، شرماتے، اگر جناب کی طرف سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انہیں شہ دی، یہاں کہ انہوں نے ''سیف النقی'' جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بھی نہ بن پڑی، یعنی میرے رسائلِ قاہرہ کے اعتراض اتارنے کا یہ ذریعہ شنیعہ ایجاد کیا کہ میرے والد ماجد وجدِ امجد و پیر ومرشد قدست اسرارہم وخود حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے اسمائے طیبہ سے کتابیں گڑھ لیں، ان کے نام بنالئے، مطبع تراش لئے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کرلیں''۔

(۱۴) کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کا ایک اپنا اسلوب نگارش اور منفرد اظہار بیان ہے لیکن اس کے باوجود اپنے مکاتیب میں انشاء پردازی کی خصوصیات کے حوالے سے اظہار بیان ہے لیکن اس کے باوجود اپنے مکاتیب میں انشاء پردازی کی خصوصیات کے حوالے سے اظہار مدعا کے بیان میں بہت سے مقامات پر

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ سے بڑی حد تک مماثلت جھلکتی ہے، جب ارباب سخن امام احمد رضا کے مکاتیب کا بالاستیعاب مطالعہ کرتے ہیں تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ غالب کے علاوہ بھی: ع ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے

طوالت کے خوف سے دونوں کے مکتوب کے ایک ایک اقتباس ملاحظہ ہوں:

۱) غالبؔ کا خط بنام نواب انوار الدولہ شفقؔ:

''نہ تم میری خبر لے سکتے ہو نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں، اللہ، اللہ، اللہ، دریا سارا تیر چکا ہوں، ساحل نزدیک ہے، دو ہاتھ لگائے اور بیڑا پار ہے''۔

۲) مکتوب محدث بریلوی بنام علامہ عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ:

''دعائے جناب واحباب سے غافل نہیں، اگرچہ منہ دعا کے قابل نہیں، اپنے عفو وعافیت کے لئے طالبِ دعا ہوں کہ سخت محتاج دعائے صلحاء ہوں، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل'' (نوٹ: واضح ہو کہ یہ خط امام احمد رضا نے اپنے وصال سے ایک سال قبل ۲۵ رربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ کو لکھا تھا، یہ ایک قبل وقت وصال سے آگاہی ہے، یہ مرتبہ محبوبان خدا کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ وجاہت)

دونوں کے جملوں میں سادگی، بے ساختگی، روانی، بے تکلفی، اور قوافی میں مماثلت قابل توجہ ہیں، موت کے متعلق خوبصورت کنایہ واشارے ہیں لیکن بیان احوال آخرت اور خشیت الٰہی کے حوالے سے امام احمد رضا کا اسلوب تحریر زیادہ پر اثر ہے، محاورات کا استعمال دونوں اقتباسات میں برمحل ہے، اقتباس نمبر (۱) میں خبر لینا، دریا تیر چکنا، دو ہاتھ لگانا، بیڑا پار ہونا وغیرہ استعمال کر کے زندگی کے آخری ایام کی خوبصورت تصویر کشی کی گئی ہے۔ جبکہ اقتباس نمبر (۲) میں دعائے احباب سے غافل نہ ہونا،

منہ دعا کے قابل نہ ہونا، دعا کا طالب ہونا، صلحاء کی دعا کا محتاج ہونا، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، بالترتیب کہہ کر قرب وقت موت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ پہلے اقتباس سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اس لئے کہ یہاں ایک جانب ''عمل رکیک'' کے اقرار سے خوف پرسش محشر کا اظہار کیا گیا لیکن دوسری جانب معا اس کے بعد ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' کی قرآنی دعا یاد کر کے رحمت و مغفرت الٰہی پر بھر پورا ایمان اور اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے اور خوبصورت اشارے و کنایے میں اپنی بخشش کی خوشخبری بھی سنا دی ہے۔

روزمرہ محاورات کا استعمال جس چابکدستی کے ساتھ دلنشین اور ترتیب وار انداز میں کیا گیا ہے اس سے امام احمد رضا کی اردو زبان پر کمال قدرت کا احساس ہوتا ہے، ایک خاص بات اور ہے جو قارئین کی توجہ کی طالب ہے، وہ یہ کہ غالب اپنی تحریر میں اپنی موت کے قریب ہونے کی خبر کے ساتھ ساتھ اپنی بے بسی اور مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں، اور مکتوب الیہ سے مدد حاصل کرنے یا اس کی مدد کرنے سے عجز کا اظہار بھی کر رہے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اپنی تحریر میں یہ عقیدہ دے رہے ہیں کہ ایک مومنِ صادق زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے احباب کی دعائے خالص اور ایصال ثواب کے ذریعہ مدد کر سکتا ہے اور دعائے مغفرت چاہنے والے احباب کی رفاقت کو اللہ کا انعام قرار دے رہیں، غالب اپنی تحریر میں انجام کار رستگاری سے مایوس نظر آرہے ہیں، جبکہ امام احمد رضا کی تحریر یہ عقیدہ دے رہی ہے کہ مومن صالح باذن الٰہی دنیا و آخرت میں ایک دوسرے کے مددگار اور بہ وعدہ الٰہی انجام کار رستگار ہیں۔

(۱۵) امام احمد رضا کی شخصیت مکاتیب کے آئینے میں:

واضح ہو کہ راقم نے امام احمد رضا کے مکاتیب کے اسلوب نگارش کی محض چند خصوصیات قلمبند کیں اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کہ مکاتیب کسی بھی شخصیت کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں، ان تین سو خط میں جنہیں مرتب محترم جناب ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی صاحب نے نہایت جانفشانی اور تلاش و جستجو کے بعد جمع فرمایا ہے، امام احمد رضا کی بلند قامت شخصیت کے مختلف زاویے اس قدر واضح طور پر نظر آتے ہیں کہ اگر کوئی محقق چاہے تو تنہا اسی کو سامنے رکھ کر ان کی حیات مبارکہ کا جامع نقشہ تیار کر سکتا ہے، ان مکاتیب میں امام صاحب کے اطوار و اخلاق اور عادات و معمولات کے پہلو بھی صاف نظر آتے ہیں، لہٰذا ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ زیر نظر مکاتیب صرف اس وجہ سے بیش بہا اور اہمیت کے حامل نہیں کہ یہ ایک عبقری وقت اور مجدد دین وملت کے مکاتیب ہیں بلکہ ان کے قیمتی ہونے کی کچھ اور بھی وجوہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱) ان قلم برداشتہ خطوط کے آئینہ خانے میں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اسے واضح اور شفاف رنگ میں نظر آتی ہے کہ ان کے اکثر اصحاب کو ان کی حیات مستعار کے لمحات میں بھی اسے اس تفصیل سے دیکھنے کا موقع شاید ہی میسر آیا ہو۔

۲) مذکورہ خطوط اردو زبان و ادب کی تاریخ میں گوناگوں اسالیب زبان و بیان کا ایک بہت اہم اور نادر و دلکش مرقع ہے۔

۳) ان میں امام موصوف کی حیات کا کافی ووافی ذخیرہ موجود ہے۔

۴) کہتے ہیں کہ خطوط کسی کے قلب و ذہن کے عکاس ہوتے ہیں، مذکورہ مکاتیب کے آئینے میں ایک عبقری وقت کے قلب و ذہن اور فکر و نظر کی مکمل تصویر خود ان کے خامہ کے باریک بین کیمرے سے کھنچ کر سامنے آگئی ہے، بقول بعض محققین، مکتوب

نگار کی فکر و نظر کی یہ تصویر اس کے شعر و سخن اور نثری نگارشات کے آئینہ خانہ سے کہیں زیادہ جامع اور واضح ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی خط لکھتا ہے تو وہ تخلیہ میں لکھتا ہے اور وہاں اس کے اور مکتوب الیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا، ایسے میں راز و نیاز اور سر دل بر آں کا اظہار بلا تکلف ہوتا ہے اور بقول مومنؔ کیفیت یہ ہوتی ہے:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آخر میں عرض ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے زیر نظر مکاتیب کا مجموعہ ترتیب پانے سے قبل بھی دور جدید اور ماضی قریب کے بعض اکابر علم و فضل کے مکاتیب ترتیب پائے اور زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکے ہیں، بلکہ اب اس کے بعد کے دور میں بھی بعض دیگر مشاہیر علم و ادب کے مجموعہ خطوط بھی سامنے آرہے ہیں، لیکن کلیات مکاتیب رضا کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی صاحب علم و نظر یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ کرے گا کہ امام احمد رضا نے اپنی اس قلم برداشتہ بے تکلف نگارشات میں ذات و ماحول کے متعلق معلومات کا جو گراں قدر خزانہ بلا قصد و نیت مہیا کر دیا ہے، وہ ہماری دینی، علمی و ادبی و سیاسی تاریخ کا ایسا قیمتی اثاثہ ہے جس کی مثال اردو انشاء پردازی میں کم ملے گی، علاوہ ازیں اسلوب نگارش میں ابداع کی جو فراوانی آپ کے خطوط میں موجود ہے وہ اردو ادب کے نقادوں اور ادیبوں کو کھلے لفظوں میں دعوت تحقیق و نقد و نظر دے رہی ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

بالفاظ دیگر، امام احمد رضا نے دوسرے علوم و فنون کی طرح مکتوب نگاری میں بھی اپنی انفرادیت اور یکتائی کا جلوہ دکھایا جو ان کے عبقری وقت ہونے کی ایک اور بین دلیل

ہے، کاش کہ کوئی محقق ادیب، امام احمد رضا کے ان مکاتیب اور ان کے علاوہ ہزار ہا دیگر خطوط جو ابھی تک گوشۂ گمنامی میں قدر دانوں کی نگاہوں سے روپوش ہیں، ان کو بازیاب کرا کے ان پر پوری توجہ فرمائے تا کہ امام موصوف کے شعری کلام کی طرح یہ بھی اہل علم وادب کی بے اعتنائی کا شکوہ نہ کر سکیں۔

فاضل نوجوان اور محقق رضویات مولانا مفتی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب کو ایک جذبہ عشق وجنون کے تحت بصد تلاش وجستجو حاصل کیا اور پھر اس پر پی، ایچ، ڈی، کا ایک نہایت محققانہ اور وقیع مقالہ لکھا، یقیناً رضویات کی تاریخ میں یہ ایک اہم علمی پیش رفت، پھر ان تمام حاصل کردہ خطوط کا مرتب ہو کر کتابی شکل میں شائع ہونا علامہ ڈاکٹر مصباحی صاحب کی علم دوستی اور رضویات سے ان کے شغف کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے، یہ ان کا وہ عظیم علمی کارنامہ ہے جو اہل علم وادب سے داد لئے بغیر نہیں رہ سکتا اور رہتی دنیا تک امام احمد رضا کی حیات کا اصل دستاویزی حوالہ قرار پاتا رہے گا۔

کلیات مکاتیب رضا، جلد اول کے اندرونی سرورق پر ان مجموعہ مکاتیب کے متعلق یہ تبصرہ بڑا جامع ترین مجموعہ، مکتوب نگار کی وفات کے کچھ کم سو سال بعد پہلا قدم، علم وادب، فکر ونظر، فلسفہ واخلاق اور ہدایت وارشاد کا قیمتی خزانہ، حیات رضا، فکر رضا، اور اخلاص رضا کا ایک شفاف آئینہ (ہے) وہ آئینہ جس میں ان کی احیائی وتجدیدی، اصلاحی ودعوتی، دینی وسیاسی، معاشی، ومعاشرتی، قومی وملی اور تہذیبی وتمدنی کارناموں کی اجلی تصویریں صاف دکھائی دیتی ہیں،

رحمت حق بہانہ می جوید کے مصداق مکاتیب امام احمد رضا پر تحقیقات کے نیک

عمل کا ایک عظیم صلہ علامہ ڈاکٹر شمس مصباحی کو یہ بھی عطا فرمایا کہ انہوں نے پی، ایچ، ڈی ، تھیس کی تحریر کے دوران امام احمد رضا کی نادر تحقیقات کے حوالے سے ۱۸ مزید مقالہ جات قلمبند کر لئے جواب اپنی طباعت کے لئے علم ودوست، سخن پرور، صاحب ورع وتقویٰ اہل ثروت حضرات کی راہ دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''مردے از غیب بروں آید کہ کارے بکند''۔

بفضلہٖ تعالیٰ اگر ایسا جلد ہو جائے (اور انشاء اللہ وثم انشاء رسولہ ایسا یقیناً ہوگا) تو حیات رضا اور علوم رضا کی ایسی نئی نئی جہتیں اور نامعلوم ونادیدہ وناشنیدہ گوشے منظر عام پر آجائیں کہ اہل علم وفن کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور اس طرح علم وادب کے سرمایہ میں ایک معتد بہ اضافہ ہو جائے، راقم بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ان دعاؤں کو مرتب ممدوح کے حق میں قبول فرمائے اور موصوف کے علم وعمل اور رزق وعمر میں مزید برکتیں عنایت فرمائے تاکہ وہ اپنی فتوحات علمی خصوصاً تحقیقات رضویہ سے ہمیں اسی طرح ہمہ تن متوجہ ہوکر اور اسی مستعدی کے ساتھ مستفیض فرماتے رہیں، آمین، بجاہ سید المرسلین وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

می کند حافظ دعائے بشنو آمینی بگو

روزی ما بعد لعل شکر افشان شما

حوالہ جات

(۱) محمد ظریف، ابلاغ کا مفہوم اور ذرائع، ماہنامہ، تدریس القرآن، کراچی، جنوری ۲۰۰۶

(۲) المنجد، (عربی، اردو) مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۴ء ص: ۸۵۹

(۳) ایضاً (۴) ایضاً ص: ۵۵۷، (۵) ایضاً ص: ۳۸۴

(۶) ایضاً ص: ۸۵۹ (۷) المورد، بیروت ۱۹۸۹، ۲۲، ۵۲۳،

(۸) مہدی بیگم، مکاتیب مہدی، مقدمہ ارشد سلیمان ندوی گورکھپور، ص: ۱۵۸

(۹) ادبی تبصرے، ص: ۷۶ (۱۰) آرڈبلیو ریمزے سم، انگلش لیٹر رائیٹر، ص: ۸

(۱۱) احمد رضا خان، امام، خالص الاعتقاد، ۳۴، بحوالہ جامع الاحادیث مکمل: ج ۷/ ص ۱۷۸،

ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر بریلی شریف، یوپی، انڈیا۔

(۱۲) رسالہ نور حبیب

(۱۳) مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)، مؤلف مولانا سید محبوب رضوی

ناشر، یونائیٹڈ آرٹ پرنٹرز لاہور، اشاعت دوم، اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۴/ ۴۴

(۱۴) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، آخری پیغام، مطبوعہ، سرہند، پبلیکیشر، کراچی، ص ۷۶

(۱۵) خلیق انجم، غالب کے خطوط، مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ص: ۱۳۵

(۱۶) غلام رسول مہر، خطوط غالب، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۶۲ء ص: ۲۹

(۱۷) ایضاً ص: ۱۶، ۱۷

(۱۸) امام احمد رضا، امام، فی الفتاویٰ الرضویہ، (قدیم) ج:۴ص:۱۴۹

(۱۹) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی

ناشر اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ص:۱۲۷

(۲۰) ڈاکٹر شمس مصباحی پورنوی، کلیات مکاتیب رضا، ج:اناشر دارالعلوم قادریہ صابریہ برکات رضا۔

(۲۱) ایضاً ص:۴، ۵ (۲۲) ایضاً ۳۶۵، ۳۶۶

(۲۳) کلیات مکاتیب رضا میں مذکورہ مکتوب الیہ کے نام کے خطوط ملاحظہ ہوں۔

(۲۴) ایضاً ص:۱۲۶ (۲۵) ایضاً ص:۱۲۶، ۱۲۷

(۲۶) ایضاً ص:۲۲۱، ۲۲۲ (۲۷) ایضاً ص:۲۰۲

(۲۸) محمود احمد قادری، پیر مولانا، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر مکتبہ رضویہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۳

(۲۹) برہان الحق جبل پوری، مفتی، اکرام امام احمد رضا، ص ۹۹۔۱۰۰

(۳۰) شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر کلیات مکاتیب رضا

ناشر دارالعلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص:۳۸۴

(۳۱) ایضاً ص ۳۸۸، (۳۲) احمد رضا خان امام خالص الاعتقاد، ص:۳۴۔۳۸

(۳۳) شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا

ناشر دارالعلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص:۱۰۱۔۱۰۲

(۳۴) ایضاً ص:۳۳۶ (۳۵) ایضاً ص:۳۳۱۔۳۳۲

(۳۶) ایضاً ص:۲۶۴ تا ۲۷۰ (۳۷) ایضاً ص:۳۶۸

(۳۸) ایضاً ص:۳۳۴ (۳۹) ایضاً ص:۵۵

(۴۰) ایضاً ص:۱۹۸ (۴۱) ایضاً ص:۳۹۱، ۳۹۲

(۴۲) ایضاً ص:۱۱۵،۱۱۹ (۴۳) ایضاً ص:۱۶۹

(۴۴) ایضاً ص:۳۵۶ (۴۵) ایضاً ص:۱۹۶،۱۹۷

(۴۶) محمود احمد قادری پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر مکتبہ رضویہ، لاہور، ص:۱۹۹ تا ۲۰۲ (۴۷) ایضاً ص:۲۰۷

(۴۸) شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا

ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف، ص:۲۰۴ تا ۲۰۷

(۴۹) ایضاً ص:۱۶۷،۱۶۸،۱۷

(۵۰) غلام رسول مہر، خطوط غالب ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء، ص:۲۷۲

(۵۱) محمد محمود احمد قادری، پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر مکتبہ، نبویہ، لاہور، ص:۴۷

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خطوط

(پس منظر)

پروفیسر محمد ایوب قادری
ہسٹریکل سوسائٹی، کراچی، پاکستان

انوار رضا، شرکت حنفیہ لمیٹڈ لاہور، ۱۹۷۶ء

ص: ۶۸۲ تا ۶۸۴

☆

زوجات...... زجاج ہیں...... بیویاں نازک شیشیاں ہیں

انہیں عزت دو...... انہیں تحفظ دو

شوہر! صدف ہیں...... بیوی، موتی

اسے چھپائے رکھو...... اسے بچائے رکھو

مرد! پھول ہیں...... عورت خوشبو

تم اس میں سما جاؤ...... وہ تم میں سما جائے

غور سے سنو!

شرم وحیا کے رنگ سے...... اپنی دیواریں رنگ دو

محبت ووفا کے جھومر سے...... اپنی چھت سجالو

لذت ہی لذت...... راحت ہی راحت

سکون ہی سکون پاؤ گے

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۸، ۲۹)

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خطوط

(پس منظر)

پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا حلقۂ عقیدت وارادت بہت وسیع تھا۔ اسی اعتبار سے ان کے خط وکتابت کا سلسلہ بھی دراز ہوگا۔ افسوس کہ فاضل بریلوی کے خطوط ومکاتیب کی جمع وترتیب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ ورنہ مذہبی، علمی اور سوانحی اعتبار سے یہ ایک اہم ذخیرہ ہوتا۔ مولانا کے کچھ خطوط ان کی سوانح عمری حیات اعلیٰ حضرت مرتبہ مولانا ملک العلماء ظفر الدین بہاری اور دوسرے رسائل میں بھی شامل ہیں لیکن ان میں زیادہ تر اوراد ووظائف اور نسخہ جات درج ہیں۔

فاضل بریلوی کے تین غیر مطبوعہ خط ہمیں ان کے ایک خاص عقیدت کیش حافظ محمد حسین ولد غلام محمد حسین بریلوی سے دستیاب ہوئے جو موجد طلسمی پریس کے عرف سے زیادہ معروف ہیں۔ حافظ محمد حسین رہنے والے تو دراصل بریلی کے تھے۔

ان تینوں خطوں کے مندرجات دو حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

۱) پہلے حصے میں فاضل بریلوی نے مطلوبہ کتاب کی نقل کے سلسلے میں

یا تو ہدایات دی ہیں یا بعض امور کی وضاحت چاہی ہے، اور کچھ کتابوں کی خریداری کے سلسلے میں بھی نوشت و خواند کی ہے۔

۲) دوسرا حصہ زیادہ اہم ہے، اس سلسلہ میں فاضل بریلوی نے مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب ''فلسفہ جذبات'' کی بعض ان عبارتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن پر ان کی تکفیر کی گئی تھی، جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم نے دریابادی صاحب کی حمایت کی تھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے خاموشی اختیار کی تھی، فاضل بریلوی نے اس طرز عمل پر ان حضرات کی بھی گرفت کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں فاضل بریلوی کا موقف صحیح تھا، اور مولوی عبدالماجد دریابادی کا وہ دور بقول خود ''الحاد و دہریت'' کا دور تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیاوی لیڈروں اور ریفارمرروں کی طرح شمار کیا تھا اور اسی اصول پر انبیاء کے حالات و سوانح کا تجزیہ کیا تھا، مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب ''فلسفہ اجتماع'' (مطبوعہ الناظر پریس لکھنو، ۱۹۱۵ء) ہمارے پیش نظر ہے، اس میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جن کی طرف فاضل بریلوی نے اشارہ کیا ہے، ہم ان عبارتوں کو یہاں قصداً درج نہیں کر رہے ہیں، اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے خویش ابو عاصم بی اے ایل ایل بی رقمطراز ہیں۔

''دریابادی نے علی گڑھ اور لکھنو میں تعلیم پائی، کیننگ کالج لکھنو سے ۱۹۱۲ء میں گریجویٹ ہوئے، وہ فلسفہ اور نفسیات کے ایک مایہ ناز طالب علم تھے، ان کی پہلی تصنیف ''نفسیات قیادت'' (ThePsychology of Leadership) ۱۹۱۴ء میں لندن سے T, Fisher نے شائع کی، اس تصنیف کی بدولت انہیں انگلینڈ کی (Aristotlian Society Of Sychology) کی ممبری کا اعزاز حاصل ہوا،

ہندوستان اور انگلستان کے مختلف جریدوں اور اخباروں میں اس کتاب پر تبصرے ہوئے اور سب نے اس کی تعریف کی مسز اینی بسنٹ نے نیو انڈیا، (New India) میں دل کھول کر تعریف کی۔

اس کتاب میں عبدالماجد دریابادی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ناخوش گوار کلمات لکھ دئے تھے، یہ وہ دن تھے جب بقول ماجد عیسائی مصنفین سے متاثر تھے، اس کتاب کو دریابادی نے مولانا محمد علی مرحوم کے پاس بھیجا، جوان دنوں چھندواڑہ جیل میں تھے مولانا نے کتاب کی تعریف تو کی لیکن اس لہجہ کی مذمت بھی کی، جو عیسائی مشنریوں کے مانند تھا، مولانا مرحوم نے بہت سخت الفاظ میں دریابادی کو لکھا کہ ''میں رسالت کے صحیح مقام سے واقف ہوں رہنمایت اور رسالت کی بنیادیں ہی مختلف ہیں''۔

اس سلسلے میں مولوی عبدالماجد دریابادی کی داستان خود ان کے قلم سے سنئے۔

''سن شعور پر پہنچ کر پہلی بار باضابطہ کتاب ''فلسفہ جذبات'' قلم سے ۱۹۱۳ء میں نکلی، سن کا اس وقت اکیسواں سال تھا، کتاب انجمن ترقی اردو نے لکھوائی اور اسی نے چھاپی، صحیح نام ''نفسیات جذبات'' ہونا چاہیے تھا، مگر نفسیات کی اصطلاح اس وقت تک نامانوس تھی، اب ان کوتاہیوں پر ہنسی تو کم آتی ہے، غصہ زیادہ آتا ہے دوسری کتاب ہر اعتبار سے لغو ''فلسفہ اجتماع'' لکھ ڈالی جس کا ایک ایک صفحہ الحاد سے داغدار اس کی اشاعت وفروخت مدت دراز ہوئی، بند کرا چکا ہوں'' ...... دس سال تک ملحد رہنے کے بعد پھر انقلاب پیدا ہوا۔

اس داستان کو بھی دریابادی صاحب ہی کے زبان قلم سے سنئے:

'' پڑھنے کا مریض شروع ہی سے تھا، پڑھتا تھا اور اندھا دھند پڑھتا تھا، ۱۹۰۸ء میں ہائی اسکول پاس کر کے گرمیوں کی بڑی چھٹیوں میں لکھنو آیا اور ابھی انٹر

میڈیٹ میں داخل نہیں ہوا تھا کہ ایک عزیز کے یہاں ٹھہرا ان کی کتابوں میں ایک انگریزی کتاب پر نظر پڑی ، (ELEMENTS OF SOCIAL SCIENCE) مصنف بعد کو معلوم ہوا کہ کوئی ملحد ڈاکٹر (DOYSDALE) نامی تھا اس پہلے ایڈیشن پر اس کی صرف ڈگری درج تھی اور اس سن میں اور اس زمانے میں ذہن کو مرعوب کرنے کے لئے محض یہ اونچی ڈگری کافی تھی ۔ پھر کتاب کا انداز بیان بھی خطیبانہ ، پر جوش اور ہر ہوائے نفس کے عین مطابق ، بلکہ اسے اور تیز کرنے ولا ، کتاب کا خلاصہ در خلاصہ یہ تھا کہ یہ اخلاقی بندشیں سب مذہب والوں نے گڑھ رکھی ہیں جب اپنے میں اتنی جسمانی قوت آجائے ، تو ہر نفسانی خواہش آزادی سے پوری کر سکتے ہیں ، نکاح وغیرہ کی قید کے کوئی معنی نہیں ، طبیعت کو دبانا اور روکے رکھنا ، تو اور مضر صحت ہوگا ، وغیرہ وغیرہ ، نفس مذہب کے خلاف پہلا اثر اس وقت طبیعت نے قبول کیا۔ پھر کچھ دن بعد جب لکھنو میں مستقل قیام ہوگیا اور انٹر میڈیٹ میں پڑھنے لگا۔ انگریزی لازمی کے ساتھ تاریخ انگلستان ، منطق اور عربی کے اختیاری مضامین لے کر کتابوں کے عشق میں علاوہ کالج لائبریری کے دوسری لائبریریوں کے بھی چکر لگانے لگا ایک دن اتفاق سے ایک لائبریری میں کئی جلدوں میں ایک کتاب دیکھی ، نام اب (International Library Of Famous Literature) یاد پڑتا ہے ، اچھے مصنفین کی تصانیف و مضامین کا انتخاب تھا ایک مضمون سیرت نبوی پر بھی تھا ، غالباً واشنگٹن ماروِنگ کے قلم سے ، اس کے ساتھ ایک پورے صفحہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی تھی معاذ اللہ ! چہرے سے خشونت اور غضبنا کی برستی ہوئی ، نہ کہیں ترحم ، نہ شفقت ، کمر سے تلوار لٹکتی ہوئی اور شانے پر ترکش و کمان ، رحمۃ اللعالمین کے تخیل سے کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں اور اس کے نیچے حوالہ کسی قدیم قلمی کتاب کا دیا ہوا تھا ، یہ گمان تو اس سنہ

اور وقت کی اس فضا میں گزرہی نہیں سکتا تھا کہ یہ تصویر مصنوعی یا جعلی ہوسکتی ہے ۔ یہ تو بہر حال صحیح ہو نہ ہو، یہ خیال ہی غلط تھا جواب تک رحمت عالم سے متعلق دماغ میں جاگزیں تھا! نقش مذہب کی طرف سے تزلزل تو اس ڈاکٹر والی انگریزی کتاب نے پیدا ہی کر دیا تھا۔ اب اس تصویر کمبخت نے براہ راست اسلامیت پر ضرب کاری لگادی۔

طبیعت کسی دوسرے مذہب کی طرف مطلق راغب یا مائل نہ ہوئی، البتہ الحاد ودہریت اور بے دینی کے لئے جگہ دل ودماغ میں پیدا ہونے لگی، یہ کایا پلٹ ایک سال کے اندر ہوگئی اتنے میں ایک غیر مسلم یورپ زدہ دوست کے یہاں لندن کی ریشلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) کی بعض مطبوعات دیکھیں، اور خود بھی گرویدہ ہوکر منگانا شروع کردیں، کتابیں سب کی سب سستی قیمتوں کی تھیں اور سائنس، فلسفہ، تاریخ، وغیرہ کسی نہ کسی علمی عنوان کے قالب میں عموماً مذہب ہی پر حملہ آور ہوتی تھیں ان کتابوں کے مسلسل مطالعہ نے اسلام سے اتنی دوری اور بے دینی میں اتنا پختہ کردیا کہ ۱۹۱۰ء کے شروع میں جب انٹرمیڈیٹ کے امتحان کا فارم بھرنے لگا تو مذہب کے خانے میں اپنا مذہب بجائے اسلام کے ''ریشنلزم'' (عقلیت) درج کردیا اور جب نوبت بی، اے میں پہنچ کر نفسیات کے زیادہ وسیع مطالعہ کی آئی تو اب اپنی شناخت سے اور کتابیں اس مضمون سے نظر سے گذریں کہ وحی والہام سب ڈھکوسلے ہیں، یا غیر طبعی نفسیاتی کیفیتیں، محض صورتیں اختلال دماغی کی ہیں، کریلا یوں ہی کیا کم کڑوا ہوتا ہے اور پھر جو نیم چڑھا ہوا ہو، رفتہ رفتہ ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طرح کا بغض وعناد پید ہو گیا''۔

مولوی عبدالماجد دریابادی کی ''سرگذشت الحاد'' اگر چہ طویل ہوگئی مگر اس میں عبرت کا بڑا سامان موجود ہے کسی قوم کا اپنا نظام تعلیم نہ ہونے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ آج بھی

ہم اسی منزل میں ہیں۔ دریابادی کی سرگزشت کی اس روشنی میں فاضل بریلوی کے مندرجات کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

فاضل بریلوی کے ان خطوط کی نقل ہم نے حافظ محمد حسین موجد طلسمی پریس مرحوم سے حاصل کی تھی، یہ خط ہولڈر سے لکھے ہوئے تھے، خط صاف اور واضح تھا، کوئی لفظ قلم زدہ نہیں تھا، یہ تینوں خط لفافوں کی صورت میں لکھنو بھیجے گئے تھے، مختصر سے حواشی بھی تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ

سبحانہ وتعالیٰ جل جلالہ

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی
سابق پروفیسر ایم ایچ پی جی کالج مرادآباد

سہ ماہی ''افکار رضا''، بمبئی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء
ص: ۱۹ تا ۲۷

☆

مسجدیں بھری پڑی ہیں......

لوگوں کے دل دولتِ ایمان، لذت عبادت سے خالی

نماز پڑھی...... مسجد سے نکلے...... دروازے پر آتے ہی

وہی بک بک...... وہی بکواس...... وہی فضولیات...... وہی فواحش

اصلاحِ احوال کی کوئی فکر نہیں

قرآن کہتا ہے:

"نماز فواحش و منکرات سے روکتی ہے"

غور کرو!

تم نے نماز پڑھی......؟

حاجی...... حج کر کے آتا ہے

پھر وہی حال...... وہی ماحول

وہی چال ڈھال...... وہی گورکھ دھندا

حدیث کہتی ہے:

حاجی ایسا ہی ہے...... جیسے نومولود بچہ...... یعنی بالکل بے گناہ

بتاؤ!...... تمہارا حج ہوا؟

یہ نماز...... یہ حج

کیا دکھاوا تو نہیں؟

(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص:۳۳)

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری

ڈاکٹر صابر سنبھلی، صدر شعبہ اردو، ایم، ایچ، پی، جی کالج، مراد آباد

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر نثر نگاری کی، اور اردو ادب کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا۔ لیکن ابھی تک نہ تو ان کی نثر کی کمیت کا صحیح اندازہ ہو پایا ہے اور نہ کیفیت کا۔ جیسا کہ سبھی جانتے ہیں ان کی نثر کا موضوع اول تا آخر دین اسلام رہا۔ لیکن طویل مدت تک لکھنے اور بسیار نویسی کے باعث ان کی نثر کا اسلوب بھی ایک نہیں ہے۔ تحقیقی تحریروں کا اسلوب الگ ہے تو تنقیدی تحریروں کا الگ، فقہ کا الگ ہے تو عقائد کا الگ، منقولات سے کام لیتے ہیں، تو انداز بیاں اور ہوتا ہے اور معقولات کا سہارا لیتے ہیں، تو اور۔ فلسفے اور منطق میں نثر کا جو انداز ہے، سائنسی موضوعات میں اس سے ہٹ کر ہے۔ جہاں عقلیت کی کارفرمائی ہے۔ وہاں تحریر کا رنگ دوسرا ہے اور جہاں جذبات عشق رسول الفاظ کا جامہ پہنتے ہیں وہاں کوئی اور۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک ان اسالیب کو متعین نہیں کیا جا سکا ہے اور یہ کام ایک مضمون میں ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کیلئے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور اس کام کو ایک، منصوبے کے تحت ہی انجام دیا جا سکتا ہے۔ شاید کوئی امام احمد رضا کی نثر کو پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کیلئے موضوع بنالے تو س کام

سے عہدہ برآ ہو سکے۔

مکتوب نگاری نثر کی ہی صنف ہے۔ کہا گیا ہے کہ مکاتیب سے شخصیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ خطوط کا اسلوب ادبی تحریروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اندازہ ہے کہ امام احمد رضا نے زندگی میں ہزاروں خطوط لکھے ہوں گے۔ لیکن ہم تک ابھی ان کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی پہنچا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی خطوط نگاری کا علمی انداز میں جائزہ لیا جائے، کیونکہ یہ بھی ان کی نثر نگاری کا اہم حصہ ہیں۔

امام احمد رضا کے مکاتیب کی تلاش ہوئی، تو سننے میں آیا کہ پاکستان میں ان کا کوئی بڑا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود وہ بھارت میں دستیاب نہ ہو سکا۔ ان کے جو خطوط راقم السطور کے علم میں سب سے پہلے آئے، وہ حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی سید عرفان علی بیسل پوری مرحوم کے نام لکھے گئے تھے۔ جو "حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول" مرتبہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری بہاری کے آخر میں شامل ہیں۔ ان کی کل تعداد ۵۷ ہے جن میں سے ۴۳ ملک العلماء کے نام اور ۱۲، سید صاحب کے نام ہیں۔ ایک خط مولانا لعل محمد خاں مدراسی کے نام ایک خط خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کے نام ہے۔

"اکرام امام احمد رضا" مصنفہ مولانا مولوی محمد برہان الحق جبل پوری میں اردو کے ۲۰ مکاتیب شامل ہیں۔ ان کو ملا کر تعداد ۷۸ ہوگئی۔ خواہش ہوئی کہ ایک سو خطوط دستیاب ہو جائیں تو کچھ لکھوں۔ حسن اتفاق کہ "مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی" مرتبہ مولانا محمود احمد قادری دستیاب ہوگئی۔ اس میں شامل کل مکاتیب کی تعداد ۱۰۹ ہے۔ دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ لیکن جب مطالعہ کیا تو مایوسی ہوئی۔ اس مجموعے میں ۹ خط "اکرام امام احمد رضا" سے نقل کیے گئے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلانا کوئی بری بات

نہیں۔ لیکن ''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول سے ٦٥ خطوط اس میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ انہیں نکال کر تعداد ٣٥ رہ گئی۔ ان ٣٥ میں بھی ٥ خطوط جو شیخ محمد مکی کے نام لکھے گئے ہیں عربی میں ہیں۔ اگر چہ ان کا ترجمہ بھی شامل مجموعہ ہے۔ لیکن معلوم نہیں ترجمہ کس نے کیا ہے۔ اس لئے اردو مکتوب نگاری پر لکھتے ہوئے ان کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ایک خط مولانا عبدالسلام صاحب کے نام بھی عربی میں ہے۔ ان کو نکال کر اردو مکاتیب کی تعداد کل ٢٩ رہ گئی۔ گویا جس کتاب میں ١٠٩ خطوط شامل ہیں اس سے صرف ٢٩ خطوط کا فائدہ متصور ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل بے تکی اور اٹ پٹی معلوم ہوگی۔ کوئی اس کو کاتب کی غلطی بھی قرار دے سکتا ہے۔ جس کسی نے مندرجہ بالا پیراگراف کو غور سے پڑھا ہے وہ یہ سوال کر سکتا ہے۔ کہ مولانا محمود احمد صاحب نے ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے ٦٥ خطوط کیسے نقل کر لئے۔ جب کہ اس کتاب میں کل ٥٧ خطوط ہیں؟ سوال درست ہے اور جواب بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

مجموعہ ''مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی'' کی صورت حال یہ ہے کہ اس میں صفحہ ٥٣ تا صفحہ ٧٧ ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے ٢٦ خطوط نقل کیے گئے ہیں۔ مولانا صاحب نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ جن خطوط پر حضرت ملک العلماء نے تاریخ کا اندراج نہیں کیا تھا انہوں نے ان کی ترقیم کی تاریخیں بھی لکھ دی ہیں۔ پھر صفحہ ١٠٣ پر ایک خط بنام حاجی محمد لعل خان مدراسی اور صفحہ ١٠٤، ١٠٥ پر خط بنام خلیفہ تاج الدین احمد کو بھی ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' سے نقل کر دیا ہے۔ اس طرح یہ تعداد ٢٨ ہو گئی۔ اس کے بعد صفحہ ١٥٧ پر ''اضافات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ و مولانا عرفان علی قدس سرہ کے نام، مزید مکتوبات''۔

عنوان دے کر ''حیات اعلیٰ حضرت ، حصہ اول'' سے ۲۷ خطوط کے عکس شامل کردیئے ہیں۔ اس طرح کچھ خطوط کی تکرار ہوگئی ہے۔ مندرجہ بالا سرنامے میں لفظ ''مزید'' کو ذہن میں رکھئے اور خطوط کی تکرار کو دیکھئے، تو یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ مولانا نے خطوط کو غور سے پڑھا بھی نہیں ہے یا ذمے داری سے کام نہیں لیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مرتب مجموعہ مولانا محمود احمد صاحب قادری نے مقدمے میں (زیر عوان تقدیم) صفحہ ۲۱ پر یہ بھی لکھا ہے کہ خطوط کی نقل پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی عنایت سے حاصل ہوئی۔ جب کہ آخری ۲۷ خطوط ''حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول'' کے خطوط کے فوٹو ہیں۔ (صرف خطوط کے نمبر محو کردیئے گئے ہیں۔) آخری خط پر تو یہ تماشا بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ ''حیات اعلیٰ حضرت ، حصہ اول'' کا ترقیمہ بھی چھپ گیا ہے۔ جب کہ کتاب کا نام ''مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی'' ہے۔ غالباً مرتب صاحب نے اس لطیفے پر غور ہی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ دوسرے ایڈیشن میں بھی وہ یوں ہی چھپا رہا۔ بہرحال مجموعے کے مکاتیب کو ملا کر مکاتیب کی تعداد ۱۱۷ ہوگئی ہے۔

مضمون لکھنے کے لئے یہی تعداد خطوط کافی تھی۔ لیکن بعد میں ''مکتوبات امام احمد رضا بریلوی'' مرتبہ مولانا پیر محمود احمد قادری (غالباً مرتب سابقہ مجموعہ) مع ''تنقیدات وتعاقبات'' مرتبہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب بھی دستیاب ہوگئی۔ جس میں فاضل بریلوی کے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام لکھے ہوئے ۲۲ خطوط شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر طویل ہیں۔ ان کے علاوہ دو خط اور بھی ہیں۔ ان کو ملا کر یہ تعداد ۱۴۱ ہوگئی (خطوط شماری میں کہیں غلطی ہو، تو اس کیلئے معذرت خواہ ہوں اور پیشہ ور بنیوں کی طرح ''بھول چوک لینی دینی'' بھی لکھے دیتا ہوں۔

ان سب خطوط پر خامہ فرسائی بھی اس ایک مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ البتہ سبھی

خطوط پر طائرانہ نظر ڈال لی ہے۔ بحث میں سارے خطوط شامل نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہ سبھی خطوط علماء کے نام ہیں۔ اس لئے القاب تو عالمانہ ہیں ہی انداز بیان بھی زیادہ تر عالمانہ ہی ہے۔ امام احمد رضا کو غیر عالم (غیر عربی و فارسی داں) بلکہ کم پڑھے لکھے بھی خطوط لکھتے ہوں گے اور ان کے جواب بھی دیئے گئے ہوں گے لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں۔ علماء کو تو خطوط لکھتے ہوئے ان کے علمی معیار کے پیش نظر مشکل زبان ہی استعمال کی جاتی ہوگی۔ لیکن عوام کو لکھے گئے خطوط یقیناً سادہ اور عام زبان میں ہوتے ہوں گے۔ اس کا ثبوت بھی بعض خطوط سے ملتا ہے۔ اگر عوام کے نام لکھے ہوئے خطوط بھی دستیاب ہو جاتے تو نتائج دلچسپ ہو سکتے تھے اور امام صاحب کے مکاتیب میں متنوع اسالیب کا سراغ مل سکتا تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ دستیاب ۱۱۷ خطوط میں بھی عام فہم اور سادہ زبان میں لکھے گئے خطوط موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں طویل خط بھی ہیں مختصر بھی۔ طویل خطوط میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے نام ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کا مرقومہ خط ۳۴ صفحات پر اور انہیں کے نام ۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کا لکھا ہوا خط ۲۱ صفحات پر محیط ہے۔ مولانا عبد الباری کو لکھے گئے خطوط میں زیادہ تر علمی بحثیں تھیں۔ اس لئے طویل ہو گئے۔ لیکن ان کے نام مختصر خطوط بھی دستیاب ہیں۔ جیسے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا!

تسلیم، میرے ایک نیاز نامے کو دس دن ہوئے دوسرے کو بیس جناب تحریر فرما چکے کہ میرا سوال صاف ہے۔ پھر جواب سے اعراض کی وجہ سمجھ میں نہ آئی، نہ لکھنؤ جیسے شہر میں آپ جیسے شخص کو خط نہ پہنچنا متوقع، پھر بھی احتیاطاً دونوں کی نقل حاضر۔ بواپسی

ڈاک جواب عنایت ہو۔ فقط

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ، بقلم محرر ۱۹ اشوال المکرم ۱۳۳۹ھ

اس خط کا مضمون پوسٹ کارڈ کے ایک رخ پر آ سکتا ہے۔ ایک اور خط کا مضمون اس سے تقریبا دوگنا ہے۔ وہ پوسٹ کارڈ کے دونوں طرف آ سکتا ہے۔ کچھ مختصر خطوط آگے بھی نقل ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو عربی، فارسی زبانوں اوران کی انشاء پر خاص قدرت ہوتی ہے۔ وہ سادہ اور سہل اردو میں لکھ ہی نہیں سکتے۔ ہمارے سامنے اس کی ایک مثال جناب ابوالکلام آزاد کی ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے اس مفروضے کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ سادہ اور سہل زبان لکھنے پر بھی قادر تھے۔ چند مثالیں درج ہیں۔

۱۔ ''قریب تین مہینے ہوئے کہ مکان سے جدا ہوں۔ ہفتوں میں ڈاک جمع ہو کر مجھے ملتی ہے۔ آپ کے تین خط ایک ساتھ پائے۔ رسالہ ''نور الفرقان بین جند الالہ وحزب الشیطان'' صاف شدہ تھا۔ مصطفی رضا نے دو دن تلاش کیا، نہ ملا۔ ناچار اس کا اور ''اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفی والآل والاصحاب'' کا مسودہ بھیجتا ہوں۔ بعد فراغ با حتیاط ملے۔[۲]''

۲۔ ''وہابیہ خذلہم اللہ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا۔ بھاگل پور، فیروز آباد، راندیر۔ بھاگل پور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہو گیا۔ یہ خط اصل ہے۔ بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لئے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا۔ وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحان بھاگل پور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ تیار رہیں۔ مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید

ابھی انہیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔ ۳ے

۳ ''مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان، مال کی حفاظت فرمائے۔ بعد نماز عشاء آپ ایک سو گیارہ بار ''طفیل حضرت دستگیر، دشمن ہوئے زیر'' پڑھ لیا کیجئے۔ اول آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ ان سے فقیر کا سلام کہیے۔ یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح وشام سوتے وقت، بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی۔'' ۴ے

زیر نظر مکاتیب میں ایسے نثری ٹکڑے اور بھی ہیں۔ طوالت کے خوف سے مزید مثالیں نہیں دے رہا ہوں۔ یہ مکاتب سلیس سادہ نثر کے نمونے ہیں۔

امام احمد رضا کے زیر نظر مکاتیب میں سلیس رنگین نثر برائے نام ہے۔ اس لئے مثالیں بھی نہیں نقل کر رہا ہوں۔ البتہ دقیق سادہ نثر کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ''فقیر کو بھی پانچ روز سے تپ آئی ہے۔ تین روز غفلت رہی۔ کل مسہل تھا۔ اب بہ برکت دعائے سامی بحمد اللہ تعالیٰ بہت تخفیف ہے۔ البتہ دماغ وصدر پر نوازل کی کثرت ہے۔ حرارت کا بھی بقیہ ہے اور ضعف زائد۔'' ۵ے

(۲) ''یہ فقیر حقیر باوصف کثرت معاصی ہر آن غیر محدود و نامتناہی نعم رب اکبر عز جلالہ وسید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد کمر ومثانہ وسر وغیرہا امراض کا لازم ہو گئے ہیں۔ قیام وقعود، رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ کثرت اعداء روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیل لامتناہی شامل حال۔'' ۶ے

(۳) ''مولانا! مکرما! بحمد للہ تعالیٰ یہی جان کر تو گزارش کی تھی کہ ملا زمان سامی نہ صرف مومن بلکہ عالم صافی صوفی صفی ہیں۔ اس بنا پر امید کی تھی اور ہنوز یاس نہیں کہ مذہب اہلسنت کے ضرر پسند نہ فرمائیں گے۔ آپ نے سوالات بالاستیعاب ملاحظہ فرمائے، تو غور نہ فرمایا۔ یا غور فرمایا، تو انہیں تحریرات کتب و مضامین ندوہ سے نہ ملایا۔ ورنہ آپ جیسے فضلاء پر مخفی رہنے کی بات نہ تھی۔'' ۷

زیر نظر مجموعوں میں دقیق رنگین نثر بھی کم ہے۔ لیکن معدوم نہیں ہے۔ ایک اقتباس نقل ہے۔

''میرے عوام بھائی، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں اذباب فی ثیاب کے جبوں عماموں، مولویت، مشیخیت کے مقدس ناموں، قال اللہ و قال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکار گرگان خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں۔'' ۸

امام احمد رضا کے مکاتیب میں روانی اس قدر ہے کہ پڑھتے وقت نہ کہیں نظر رکتی ہے نہ شعور کو دھچکا لگتا ہے بالکل وہی انداز ہے جو فتاویٰ اور عقائد کی کتب میں ہے۔ روانی کے لحاظ سے امام صاحب کی عالمانہ تحریروں (بلکہ کتابی تحریریں کہنا چاہئے، کیونکہ علم و عرفان کے دریا تو ان کے مکاتب میں بھی بہائے گئے ہیں) اور ان مکاتیب میں کوئی فرق نہیں۔ ہر جملہ اپنے اگلے پچھلے جملوں سے اسطرح جڑا ہوا ہے کہ بسا اوقات جملہ ختم ہونے اور شروع ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ راقم السطور کی نظر میں کسی بھی نظر کی یہ بڑی خوبی ہے۔ ورنہ حروف عطف کے استعمال میں اچھوں اچھوں کو ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے۔

مکاتیب کی نثری خاصیت کے ذیل میں اب تک جو اقتباسات نقل ہوئے ہیں وہ سب عالمانہ ہونے کیساتھ ساتھ سنجیدہ بھی ہیں۔ لیکن حضرت امام احمد رضا بڑا اچھا مزاح بھی فرمالیتے تھے۔ فقہی اور تردیدی تحریروں میں تو اسکے نمونے ملتے ہی ہیں۔ بعض خطوط میں بھی

انہوں نے لطیف مزاح فرمایا ہے۔ تین نمونے حاضر کر رہا ہوں۔

(۱) مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے بھتیجے مولوی عبداللہ فرنگی محلی نے کسی خط میں (جو "ہمدم" میں چھپا تھا) لکھا تھا۔ "یاد رکھو اگر کسی میں ۹۹ آثار کفر ہیں اور ایک اثر ایمان ہے۔ تو احناف کے نزدیک وہ شخص ضرور مسلمان کہا جائے گا۔" اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیا حنفیہ کرام کا معاذ اللہ یہی مذہب ہے کہ ہمیشہ دن میں ۹۹ بار مہادیو کے آگے گھنٹی بجایا کرے اور کسی وقت دو رکعت نماز بھی پڑھ لیا کرے۔ اسے ضرور مسلمان کہا جائے گا۔"

(۲) "لوگ جناب کو باری میاں سے تعبیر جناب کے پیچھے کرتے ہیں۔ جناب کے منھ پر کرتے ہیں جناب انکار نہیں فرماتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باری میاں کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے ہیں۔ عبدالباری سے باری ہو گئے۔ وہ جہال اگر اپنے جہل کے سبب معذور ہوں، جناب تو اپنے منھ بہت بڑے مجدد مدراس ہیں۔ آپ کے لئے سوا اپنی الوہیت تسلیم کرنے کے اور کیا محمل ہے۔ باری یقیناً اسمائے حسنیٰ سے بمعنی خالق کل ہے۔ بھلے سے اسم شریف عبداللہ نہ ہوا ورنہ اللہ میاں کہلواتے اور اس پر بولتے" ۱۰

(۳) "سولہویں گلی سنجر گانہ نقالی۔ بعض کمسن بچوں میں طرف مقابل کو عاجز کرنے کا ایک طریقہ معمول ہے۔ جسے وہ بندانوں کی کہانی کہتے ہیں کہ فریق جو کچھ کہے وہی لوٹ کر کہہ دیا جائے مثلاً الف کی دونوں آنکھیں ہیں۔" ع "میری تو دونوں آنکھیں ہیں" الف "تو جھوٹا ہے" ع "تو جھوٹا ہے۔" الف "جس سے چاہے، پوچھ دیکھ میں انکھیارا ہوں اور تو کانا"۔ ع "جس سے چاہے پوچھ دیکھ میں انکھیارا ہوں اور تو کانا" الف سب دیکھ رہے ہیں کہ تو کانا ہے۔" ع "سب دیکھ رہے ہیں کہ تو کانا ہے۔" الف "مسخرہ جو میں کہتا ہوں وہی الٹ دیتا ہے"۔ ع "مسخرہ جو میں کہتا ہوں وہی الٹ دیتا ہے۔" آخر الف

کوہی کہ سراسر حق پر ہے چپ رہنا پڑتا ہے اور اس کانے کے چھپنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ اسنے وہ سلسلہ نکالا ہے جسے انتہا نہیں۔ جناب یہی طریقہ میرے ساتھ برتنا چاہتے ہیں۔"[۱]

ان خطوط میں روانی کے علاوہ دوسری خوبی قوت استدلال کا موجودہ ہونا ہے۔ چونکہ خطوط طویل ہیں اوران میں کثرت کیساتھ علمی مباحث ہیں اسلئے ہر جگہ بیشتر عقلی اور کمتر نقلی دلائل کا زور ہے۔ اگر نقلی دلائل کی فراوانی ہوتی، تو یہ خطوط، خطوط نہ ہوکر مضامین کے قریب ہوجاتے۔ اب یہ اسلئے بھی مضامین نہیں ہیں کہ ان میں ہر جگہ مکتوب الیہم موجود ہیں۔ "غبار خاطر" کی طرح ایسا نہیں ہے۔ کہ "صدیق مکرم" کے بعد (ایک دوجگہ کو چھوڑ کر) جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں مکتوب الیہ کا کوئی حصہ ہی نہ ہو۔

استدلالی انداز کی فراوانی کے باوجود مثالیں اس لئے نہیں نقل کررہا ہوں کہ مضمون کے طویل ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ مثالیں دی بھی جائیں، تو سیاق وسباق کے بغیر بات نہیں بنے گی اور سیاق وسباق کے مندرجات کے بعد طویل استدلالوں کا نقل کرنا مضمون کے حجم کو بڑھانا ہی ہوگا۔ ایک دومثال بھی کافی طوالت کا باعث ہوجائے گی۔ یوں بھی مضمون میں اقتباسات بہت نقل ہوچکے ہیں۔

نثر کی اہم خصوصیت تاثیر بھی ہے۔ جو مکتوب لکھے گئے ان کا مکتوب الیہم پر کیا اثر ہوا۔ یہ تو تحقیق کا موضوع ہے۔ جو باتیں معلوم ہین ان سے تو یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ اثر خواہ ہوا۔ تاثری کی مثال کیلئے صرف ایک خط نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مولانا سید عرفان علی بیسل پوری مرحوم کے صاحب زادے کی وفات پر تعزیت کا خط لکھتے ہیں۔

"اللہ کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں عمر مقرر ہے۔ اس سے کمی بیشی نا متصور ہے۔ بے صبری سے گئی چیز واپس نہیں آسکتی۔ ہاں! اللہ کا ثواب جاتا ہے۔ جو ہر چیز سے اعز واعلیٰ ہے اور محروم تو وہی ہے جو ثواب

سے محروم رہا۔ صحیح حدیث میں ہے۔ جب فرشتے مسلمان کے بچے کی روح قبض کر کے حاضر بارگاہ ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل فرماتا ہے، وہ خوب جانتا ہے۔ کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی؟ عرض کرتے ہیں ہاں، اے رب ہمارے۔ فرماتا ہے، تم نے دل کا پھل توڑ لیا؟ عرض کرتے ہاں، اے رب ہمارے۔ فرماتا ہے۔ پھر اسنے کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں تیری حمد بجالایا اور الحمد للہ کہا۔ فرماتا ہے۔ گواہ رہو، میں نے اسے بخش دیا اور جنت میں اس کے لئے مکان تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے تین بچے نابالغی میں مرجائیں، آتش دوزخ سے اس کیلئے حجاب ہوجائیں گے۔ کسی نے عرض کیا اگر دو مرے ہوں۔ فرمایا دو بھی۔ ام المومنین صدیقہ نے عرض کی، اگر کسی کا ایک ہی مرا ہو۔ فرمایا ایک بھی۔ اسے نیک سوالوں کی توفیق دی گئی۔ اس حکم میں ماں باپ دونوں شامل ہیں۔

طوالت کے خوف سے خط پورا نقل نہیں کیا ہے۔ آگے بھی صبر کی تلقین ہے۔ ایسے تعزیت نامے کو پڑھ کر کس کا دکھی دل قرار نہ پائے گا۔ دیگر تعزیت ناموں میں بھی ان باتوں کا ذکر ہے۔ یہاں غور طلب یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر تسلی اور تسکین کیلئے اور کون سے کلمات ہوسکتے ہیں۔ شاید ہی کسی نے اس سے زیادہ پر تاثیر تعزیت نامہ لکھا ہو اور اگر لکھا بھی ہوگا، تو یہی باتیں ہوں گی۔ ان کلمات کے علاوہ دیگر کلمات کسی مسلمان کے زخمی دل پر ایسا کارمرہم نہیں کرسکتے جیسا یہ کلمات کرتے ہیں۔

مکاتب کاروباری نثر میں لکھے جاتے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کے مکاتب کا بڑا حصہ خالص علمی یا استدلالی نثر میں لکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ امام صاحب کے زیادہ سے زیادہ خطوط کو جمع کر کے شائع کرایا جائے۔ ان میں نہ جانے کتنے علوم و معارف کے خزانے پوشیدہ ہوں گے۔

مراجع وحواشی

۱) مکتوبات امام احمد رضا بریلوی مع تنقیدات وتعاقبات۔ ص ۲۰۸

۲) مکتوبات بنام حضرت ملک العلماء مرقومہ ۱۴، صفر المظفر ۳۵ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص ۲۷۳، مکتوب نمبر ۲۰۔

۳) مکتوب بنام حضرت ملک العلماء مرقومہ ۸۔ رجب ۳۶ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول ص ۲۷۴، مکتوب نمبر ۲۱۔

۴) مکتوب بنام سید عرفان علی بیسل پوری مرقومہ ۲۵ ذی الحجہ ۲۹ھ مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۳۱۲، مکتوب نمبر ۴

۵) مکتوب بنام مولانا شاہ محمد عبد السلام جبل پوری، مرقومہ ۴ جمادی الاولی ۳۵ھ، مشمولہ اکرام امام احمد رضا، مصنفہ مفتی محمد برہان الحق جبل پور، طبع دوم، ناشر مجلس العلماء مظفر پور، ص ۶۳۔

۶) ایضا۔ ص ۱۲۸۔

۷) مکتوب بنام مولانا محمد علی مونگیری، مرقومہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی۔ مرتبہ مولوی محمود احمد قادری، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور۔ طبع دوم، اگست ۱۹۹۰ء ص ۹۰۔

۸) مکتوب بنام مولوی اشرفعلی تھانوی۔ مرقومہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ، مشمولہ مکتوبات اماماحمد رضا محدث بریلوی۔ ص ۱۱۵۔

۹) مکتوب بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرقومہ ۱۲، ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ مشمولہ مکتوبات امام احمد رضا محدث بریلوی ص ۲۲۰۔ ۲۲۱۔

۱۰) مکتوب بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرقومہ دومذوالحجہ ۱۳۳۹ھ۔ مشمولہ ایضا۔ ص ۲۸۲۔ ۲۸۳۔

۱۱) مکتوب بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرقومہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ مشمولہ ایضاص ۱۳۹۴ھ

۱۲) مکتوب مرقومہ ۲۰ ذیقعدہ۔ ۳۶ھ۔ مشمولہ حیات اعلیٰحضرت، حصہ اول ص ۳۰۸۔ ۳۰۹۔

ملک العلماء
مکتوبات رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
ڈائریکٹر الرضا اسلامک مشن، بریلی

(ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور دسمبر ۱۹۹۵ء ص: ۱۲ تا ۲۱)

☆

چراغ تو ہے...... پر روغن نہیں
چولہا تو ہے...... پر ایندھن نہیں
تالا تو ہے...... پر چابی نہیں
کشتی تو ہے...... پر ناخدا نہیں

بڑوں کا پیار...... چھوٹوں کے لئے...... روغن ہیں
بزرگوں کی محبتیں...... چھوٹوں کے لئے...... ایندھن ہیں
اکابر کی شفقتیں...... اصاغر کے لئے...... چابیاں ہیں
اسلاف کی تربیتیں...... اخلاف کے لئے...... ناخدا ہیں

کجلاہوں کو...... روغن بن جانا چاہیے
رہنماؤں کو...... ایندھن بن جانا چاہیے
علماء کو...... چابی بن جانا چاہیے
زعماء کو...... ناخدا بن جانا چاہیے
کہ چھوٹوں کی زندگیاں سنور جائیں

کنویں سے پانی نہ نکلے...... خلق کی پیاس نہ بجھے
تو لوگ!
اسے کیا کہیں گے...... کنواں یا بئر بضاعہ؟

(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص: ۴۰، ۴۱)

ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی
مکتوبات رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی بریلی شریف

خطوط انسان کی سیرت وشخصیت کے بارے میں معلومات کا وسیلہ ہوتے ہیں اوران سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کا پتہ ملنے کے ساتھ ساتھ مکتوب الیہ کی سیرت وشخصیت بھی کافی حد تک اجاگر ہوتی ہے۔ دنیا کی عظیم شخصیتوں کے خطوط سے ان کی حیات وشخصیات کے بہت پوشیدہ گوشے سامنے آئے ہیں اوران کے متعلقین ومخالفین (جن کو انہوں نے خطوط لکھے ہیں) کے مزاج وکردار اور شخصیت کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

امام احمد رضا کا شمار بھی دنیا کی عظیم شخصیات میں ہوتا ہے، انہوں نے بھی اپنے احباب واصحاب اور مخالفین ومعاندین کو خطوط لکھے ہیں، کاش! آج امام محترم قدس سرہ العزیز کے مکاتیب یکجا ہوتے توان کی شخصیت کی اور بھی نئی جہتیں سامنے آتیں اور علم وتحقیق کے نئے باب وا ہوتے ۔ یہ ہم مسلمانان اہل سنت بالخصوص رضویوں پر ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ والرضوان کا احسان ہے کہ اپنی

تالیف ''حیات اعلیٰ حضرت'' (حصہ اول) کے توسط سے ۱۴ اویں صدی کے عظیم ترین مجدد اور متبحر عالم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات و شخصیت اور ان کے کارناموں سے روشناس کرایا بلکہ ''مکاتیب رضا'' کے جلوے دکھا کر ان کے مکتوب نگاری کی انداز ان کے نثر کے شخصی اسلوب اور کئی اہم شخصیات کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائیں۔

ملک العلماء سیدنا مولانا محمد ظفر الدین قادری کو امام احمد رضا سے تلمذ، بیعت اور خلافت و اجازت کا شرف حاصل تھا، وہ برسوں خدمت رضا میں رہے اور علم و فضیلت و معرفت کے اس مہر درخشاں سے کسب ضیاء کر کے آسمان علم و فضل کا ماہ تاباں بن گئے کہ آج بھی جن کی چاندنی سے علم و فن کے شہرستانوں سے لے کر فکر و نظر کے شبستانوں میں اجالا پھیلا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء امام احمد رضا کے صف اول کے ان ۱۴ خلفائے کرام میں ہیں جن کا ذکر انہوں نے ''الاستمداد علی ارجیال الارتداد'' میں کیا ہے اور جنہیں بجا طور پر دربار امام احمد رضا کا چودہ رتن کہا جا سکتا ہے۔

''الاستمداد علی ارجیال الاتداد'' کے ص: ۱۹ر پر امام احمد رضا نے ملک العلماء کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

امام احمد رضا نے اپنے خلف اکبر و جانشین حجۃ الاسلام حضرت مولا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگ خلیفہ حضرت عبدالسلام جبل پوری والد حضرت برہان الملت رحمۃ اللہ علیہم کے بعد تیسرے نمبر پر سیدنا ملک العلماء کا ذکر کیا ہے اور میرے ظفر کہہ کر یاد فرمایا ہے، اس سے ان کے لئے امام کی اپنائیت و محبت اور قدر و منزلت کا جو اظہار ہوتا ہے

وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں!

ملک العلما مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری کی ولادت ۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء ، وصال ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ہوا رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار کے ایک معزز اور علمی و دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، آپ کا نسب نامہ ۲۹ ویں پشت میں غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے(۲)

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرزاق قدس سرہ العزیز ایک باعمل عالم دین تھے، آپ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ''ملک العلماء'' اور ''فاضل بہار'' کے خطابات عطا فرمائے تھے۔

ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین صاحب نے ''حیات اعلیٰ حضرت کے حصہ اول'' میں امام احمد رضا کے ۵۷ خطوط درج فرمائے ہیں، ان میں ۱۲ خطوط مولانا عرفان علی بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں، ایک خط خلیفہ تاج الدین صاحب اور ایک منشی محمد لعل خاں (رحمۃ اللہ علیہما) کے نام اور ۲۳ خطوط خود ملک العلماء کے نام ہیں، خلیفہ تاج الدین اور منشی محمد لعل خاں صاحبان کے خطوط میں بھی ملک العلماء کا ذکر ہے اور انہیں سے ان خطوط کا تعلق ہے۔

امام احمد رضا نے ملک العلماء کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں انہیں جن القابات سے یاد کیا ہے، ان کے بچوں کی خیریت دریافت کی ہے، ان کے لئے دعائیں کی ہیں اور ملک العلماء سے جس طرح گھریلو قسم کی گفتگو کی ہے۔ ان سے کتب و رسائل اور کتابوں کی عبارات وغیرہ طلب کئے ہیں، فتاویٰ اور تصانیف کی تعریف کی ہے، فقہی مسائل، فلسفہ و منطق، توقیت، تکسیر، ریاضی نجوم، ہیئت وغیرہ علوم و فنون سے متعلق کھل کر

گفتگو کی ہے، انہیں ہدایت دی ہیں، مکاتیب کے ذریعہ درس بھی دیا ہے، انہیں مناظرہ کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا ہے، سنیت کی فتح پر مبارک باد دی ہے اور بہت سے دینی، تبلیغی اوراشاعتی امور پر مشورے طلب کئے ہیں اور ہدایات دی ہیں ان سے ملک العلماء اور رضا کے خصوصی تعلقات کا پتہ بھی چلتا ہے اور ملک العلماء کی سیرت وشخصیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

مکتوبات احمد رضا سے ملک العلماء کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) ملک العلماء سے محبت اور دل میں ان کی قدر و منزلت (۲) دینی اور علمی معاملات میں ملک العلماء پر اعتماد۔

''حیات اعلیٰ حضرت'' جلد اول صفحہ ۲۶۵ میں آپ کی محبت اور قدر و منزلت میں امام احمد رضا نے ملک العلماء کو مندرجہ ذیل القابات سے یاد کیا ہے۔

''حبیبی وولدی وقرۃ عینی ومولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب ...... ولدی وزینی وقرۃ عینی، برادر دینی، ولدی الاعز ولدی اعزک اللہ، میرے بجان عزیز، جان پدر بلکہ از جان بہتر ولدی الاعز مولانا ظفر ......وغیرہ۔

ان القابات سے اپنائیت، چاہت اور محبت کے ساتھ عزت اور قدر و منزلت کا بھی اظہار ہوتا ہے، امام احمد رضا نے ملک العلماء کی صاحبزادیوں اور ان کے فرزند دلبند صاحبزادہ ذی وقار پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب کو دعائیں دی ہیں، ہر ایک کی خیریت دریافت کی ہے، ان کے لئے تعویذات بھیجے ہیں اور ٹھیک اسی طرح ملک العلماء صاحب کو ان سب کے متعلق ہدایات دی ہیں، جس طرح ایک شخص اپنے بیٹے کو اپنے پوتے اور پوتیوں کے بارے میں دھیان رکھنے کی ہدایات دیتا ہے۔

چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

(الف) ''ذی الحجہ میں آپ نے عزیزیہ زرینہ اوراس کی بہن کا صحیح وقت ولادت مع طول وعرض موضع ولادت کھینچنے کو لکھا تھا، اب تک نہ آیا، مولیٰ عز وجل آپ کو جزاءوافر عظیم عطا فرمائے، آپ کی رضائی بہت محل رضا میں کام آئی، اس جاڑے میں جو رضائی یہاں یعنی بھاری اور بہت روئی کی تھی، ایک ولایتی صابر قانع کو سخت ضرورت تھی، وہ ان کے نذر ہوئی اور آپ کی مرسلہ رضائی میں نے اوڑھی، جزاءکم خیر جزاء کثیرا''۔

(مکتوب ۱۲، صفحہ ۲۶۰، حیات اعلیٰ حضرت)

(ب) ''وہ پرچہ باحتیاط رکھ دیا تھا، اب تلاش کیا نہ ملا، بچیوں کو دعا''۔ (صفحہ ۲۸۱)

(ج) ''آپ کا خط مژدہ ولادت صاحبزادہ وطلب نام تاریخی میں آیا، میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اوراس میں تاریخی نام مختارالدین (۱۳۳۶ھ) لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی، میں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھا، اب کہ خط آیا اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہنچا ہی نہیں جسے بھیجے ہوئے آج ۱۶ دن ہوئے ، اگر ایسا ہے، تو اطلاع دیجئے کہ تار گھر سے مطالبہ ہو''۔

(د) ''نعمت تازہ کی خیریت سے اطلاع دیجئے اور یہ کہ تہنیت کا تار مع تاریخی نام مختارالدین (۱۳۳۶ھ) کہ آپ کے نام سے ملتا ہوا بھی ہے۔ جو میں نے ۲۸ ذی القعدہ ۳۶ھ روز جمعہ کو بھیجا، کیا آپ کو ملا؟''

مکتوبات امام احمد رضا سے ظاہر ہے کہ صاحبزادۂ ملک العلماء عالی جناب پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین صاحب کا یہ نام تاریخی سیدنا امام احمد رضا ہی کا رکھا ہوا ہے۔

ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اس کا ذکر بحوالہ سید ایوب علی قدس سرہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' ص: ۱۴۶ پر بھی فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''انہیں کا بیان ہے، پنجشنبہ کا دن ہے اور صبح کا وقت، حضور حجام سے خط

بنوا رہے ہیں، قریب ہی تپائی پر بیٹھا ہوں کہ ڈاک میں ایک کارڈ مکرمی جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی فاضل بہاری صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہ سہرام مدظلہ العالی کا آیا۔ حسب ارشاد فقیر نے پڑھ کر سنایا، اس میں ممدوح نے فرزند ارجمند کی ولادت کی اطلاع دیتے ہوئے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی، حضور نے سنتے ہی فی البدیہ فرمایا، نام تو مختار الدین (۱۳۳۶) ہونا چاہیے اور دیکھئے، تو [illegible] شاید تاریخ ہوگئی۔ میں نے جو شمار کیا تو پورے ۱۳۳۶ھ ہوئے اور یہی سن ولادت تھا''۔

یوں تو ہر سچا پیر اپنے مرید اور اپنے خلیفہ سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتا ہے اور ہر ایک پر یکساں اپنی شفقتیں لٹاتا ہے۔ لیکن ہر ایک سے اس کی نیاز کیشی 'حد ادب' سعادت مندی اور علم و فضل وغیرہ کے اعتبار سے محبت بھی کرتا ہے اور عزت بھی اور اس پر فخر و ناز بھی کرتا ہے...... ملک العلماء کے معاملے میں امام احمد رضا کا یہی انداز تھا، یہ ملک العلماء کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اس سے ان کی سحر خیز شخصیت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

(۲) ملک العلماء پر اعتماد:

دینی، ملی، علمی، تبلیغی اور اشاعتی امور میں سیدنا امام احمد رضا حضرت ملک العلماء پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور ظاہر ہے یہ ملک العلماء کے دینی درد، کام کرنے کی لگن، جذبے کے خلوص اور علم و فضل ہی کے سبب تھا۔ امام احمد رضا ملک العلماء کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے۔

چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے اور ملک العلماء کی علمی شخصیت اور ان کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔

(الف) ''وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی امید تھی کہ

اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے، اپنے موافق آپ کا تصدیقی خط ''دبدہٗ سکندری'' میں چھپ چکا ہے، مگر اس قدر کافی نہیں، رسائل و مسائل بھیجتا ہوں، ایک مختصر فتویٰ اگرچہ دو ہی سطر کا ہو، اپنی مہر سے اور جتنے لوگوں کی مہریں وہاں مل سکیں، فوراً فوراً ارسال کیجئے''۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ملک العلماء کی فتویٰ نویسی کے قائل تھے اور ان کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ امام احمد رضا جیسے عظیم فقیہ و مفتی اور اپنے زمانہ کے امام اعظم ابوحنیفہ کا کسی کے فتویٰ کی تعریف کرنا، اس سے فتویٰ لکھنے کو کہنا بلاشبہ اس مفتی کی فقہی عظمت کا ثبوت ہے اور یہ شرف ملک العلماء کو حاصل ہے۔

اپنے سب سے پہلے فتویٰ کے متعلق ملک العلماء صاحب خود لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اسے دیکھ کر کتنے مسرور ہوئے اور انہیں انعام عطا فرمایا:

''سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں''۔

اس واقعہ سے اپنے تلمیذ، مرید اور خلیفہ سے امام احمد رضا کی محبت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ فخر و ناز کا بھی کیسا اظہار ہوتا ہے؟

(ب) ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کی نقل بھیجئے ......

عبارت ...... یہ عبارت یوں ہے یا کیا اس میں کیا فرق ہے، اس کا سابق و لاحق کیا ہے؟ ''مبسوط'' چھپ گئی ہے مگر یہاں ابھی نہیں آئی، اب کہ بار نقشہ ماہ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟ یہ خط ابھی ڈاک کو نہ بھیجا کہ آپ کا نقشہ سحر و افطار آیا۔ فجز اکم خیرا کثیراً۔

(ج) ''یہ نقش جلیل ہیں، ان کے مختلف شرائط تھے اور بقدرت الٰہی اس جمعہ کو سب جمع ہو گئے اور ان سے اور زیادہ تھے...... ان میں دو نقشوں میں مکتوب کے نام کے اعداد بھی کئے جاتے ہیں، یہ وقت بہت قلیل تھا۔ صرف پندرہ نام اس کے لئے تجویز کئے، ان میں ایک آپ کا نام تھا، نقوش حاضر ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مبارک فرمائے''۔

امام احمد رضا کا ملک العلماء سے سرخسی کی عبارت طلب کرنا، عبارت کے بارے میں استفسار کرنا، ماہ مبارک کے نقشہ کے سلسلہ میں انہیں پر اعتماد کرنا، انہیں نقوش کے سلسلے میں ۱۵ آدمیوں میں ایک قابل قدر اور قابل اعتماد، نیز اس کا اہل سمجھنا وغیرہ ملک العلماء کے علمی وقار کو خوب خوب اجاگر کرتے ہیں۔

مکتوبات نمر ۱۰، ۱۱ (حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول، ص: ۲۵۳ تا ۲۶۱ و ص: ۲۶۲ تا ۲۶۴) میں امام احمد رضا کے قاعدے سے بھی آگاہ فرما رہے ہیں، مکتوب نمبر ۳۷، ص: ۲۹۸ تا ۳۹۰...... میں البرٹ ایف پورٹا سائنس دان و منجم کی جھوٹی پیش گوئی ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کہ ستاروں کے اجتماع سے دنیا میں تباہی و بربادی آئے گی اور زلزلے برپا ہوں گے، وغیرہ، کے رد میں لکھے جانے والے مضمون کی نقل بھیج رہے ہیں، جناب رضا کا یہی مضمون بعد میں رسالہ ''معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' کے نام سے شائع ہوا۔ البرٹ ایف پورٹا کی پیش گوئی کا انگریزی سے اردو ترجمہ ملک العلماء ہی نے کرا کے امام احمد رضا کو پیش کیا تھا۔

امام احمد رضا ملک العلماء کے نام خط لکھتے ہیں:

''مسودہ کی پہلی نقل آپ کو مرسل ہے۔ ''دبدۂ سکندری'' وغیرہ جہاں بھیجئے۔ مگر جلدی چاہیے کہ ۷ ادسمبر قریب ہے''۔

مسودہ کی پہلی نقل ملک العلماء کو بھیجنے میں یہ بات بھی رہی ہوگی کہ اگر وہ چاہیں، تو خود بھی مضمون کے سلسلے میں مشورے دیں گے، ساتھ ہی ساتھ مضمون کے مطالعہ سے اپنے علم میں اضافہ کریں، اس لئے کہ ملک العلماء خود بھی ریاضی، نجوم، اور ہیئت وغیرہ میں کافی مہارت رکھتے تھے اور رضا کو اس کا اعتراف بھی تھا۔

(د) مناظرہ کے سلسلے میں ملک العلماء پر امام احمد رضا بڑا بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے فتح وظفر کی امید رکھتے تھے بلکہ ہر محاذ پر باطل سے نبرد آزمائی کے سلسلے میں امام کو اپنے اس روحانی اور لائق وفائق خلیفہ سے فتح یابی کی پوری پوری امید رہتی تھی تبھی تو فرمایا ہے۔

میرے ''ظفر'' کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

مناظرہ ہی کے تعلق سے ایک خط میں ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

''وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا، بھاگلپور، فیروز آباد، راندیر، بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا، یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو، فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی، راند میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ ہوگا، وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے، میں نے فاتحان بھاگلپور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ

تیار رہیں مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اپنے اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو، لہٰذا آپ راندیر جانے کے لئے تیار رہیں، میرے تار کا انتظار کریں"۔

امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ نے سیدنا مولانا محمد ظفر الدین علیہ الرحمہ کو جو ۴۳ خطوط لکھے ہیں، ان میں سے چند کے اقتباسات سے یہ بخوبی واضح ہے کہ امام احمد رضا ان سے از حد محبت کرتے تھے، ایک لائق اولاد اور سعادت مند مرید کی طرح چاہتے تھے اور ایک ذی علم اور متقی خلیفہ کی حثیت سے ان پر ہر طرح اعتماد کرتے تھے اور انہیں اپنا سچا نائب و مظہر تسلیم کرتے تھے۔

امام احمد رضا کا وہ خط جو انہوں نے حضرت خلیفہ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ، مدیر ئی انجمن نعمانیہ لاہور کو ملک العلماء کی بابت تحریر فرمایا تھا، اس میں ان کی تمام تر صلاحیتوں اور خوبیوں کو امام نے خود ظاہر فرما دیا ہے اور ان کی اہمیت و عظمت واضح کر دی ہے، لکھتے ہیں:

"مکرمی مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد میں تحصیل علوم کی، اب کئی سال سے میر ے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں، میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

(۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔ (۳) مفتی ہیں، (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں، امام ابن

حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات اصحاب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر گھر جا بیٹھے انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں، فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لیے پیش کرتا ہے ،اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے"۔ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مکتوب ۱)

اس مکتوب پر کوئی تبصرہ نہ کر کے صرف امام کے اس جملے "فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے" پر توجہ دلا کر نگاہ رضا میں ملک العلماء کی عظمت واہمیت دکھانا چاہتا ہے۔ اہل نظر خود محسوس کریں۔

امام احمد رضا جیسے دینی، روحانی اور علمی پیشوا، ایک عبقری اور ہمہ جہت شخصیت کے سچے نائب ومظہر میں جو خوبیاں ہونی چاہیے تھیں، وہ سبھی ملک العلماء میں موجود تھیں۔ خلفائے امام احمد رضا میں ملک العلماء سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا کوئی نہیں ہے، انہوں نے مختلف نقلی اور عقلی علوم وفنون پر بالخصوص فقہ، حدیث، سیر، نحو، فلسفہ، منطق، توقیت، ہیئت اور نجوم وغیرہ پر ستر کتابیں لکھی ہیں۔

"الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری" ان کی سب سے زیادہ مشہور اور علمی تالیف ہے، اس کے چار حصے تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

رضویات پر ان کی تین کتابیں بہت ہی مشہور ہیں اور اولیات ملک العلماء

میں شمار ہوتی ہیں، وہ ہیں (۱) حیات اعلیٰ حضرت (۲) چودھویں صدی کے مجدد (۳) ''المجمل المعدد فی تالیفات المجدد'' جہان سنیت اور دنیائے علم و ادب کو سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی حیات و شخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلماء ہی کی ہے، آج گلشن رضویات کو توسیع اور تزئین اور آرائش میں جو باغبان و پاسبان مصروف عمل ہیں، انہیں عزم و حوصلہ عطا کرنے، گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا نام انہیں ملک العلماء کا ہے، آج کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' ماہرین رضویات اور مسافران راہ رضویات کے لئے ماخذ اور منارۂ نور بنی ہوئی ہے۔

امام احمد رضا، مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفےٰ علی مہتابی، پاکستان

انوار رضا، شرکت حنفیہ لمیٹڈ ۱۹۷۶

ص: ۶۷۷ تا ۶۸۱

☆

نجاست کا ایک قطرہ...... بھر مٹکا پانی کو ناپاک کر دیتا ہے

دہی کے چند قطرے...... دودھ سے لبریز برتن کو جما دیتے ہیں

سماج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں...... جو فطرت میں انتہائی غلیظ ہیں

شراب کی طرح

کپڑے تو سفید ہیں، بگلوں کی طرح...... اور اندرون نجس، خنزیر کی طرح

اسی سماج میں کچھ لوگ وہ ہیں...... جن کی مثال پارس کی سی ہے

سنار کی بھٹی ہیں وہ...... خام کو کندن بنا دیتے ہیں

ناقص کو کامل...... اور کامل کو اکمل کر دیتے ہیں وہ

ملت عزیز کے شہزادو!

راستے دو ہیں...... بیٹھکیں دو ہیں

دیکھنا یہ ہے!

تم کس پر چلتے ہو...... کہاں بیٹھتے ہو

مگر ہاں!...... یاد رکھو!!

حقیقی سرفرازی و سربلندی کے حقدار وہ ہیں

جو خود پارسا ہیں

پارسائی کو پسند کرتے ہیں

(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص: ۴۲، ۴۳)

امام احمد رضا
مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفےٰ علی مہتابی، پاکستان

کسی بھی شخصیت کے اصلی خدوخال پڑھنے کے لئے اس کے خطوط و مکتوبات کا مطالعہ سب سے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔ نجی مکتوبات میں تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ ہر لفظ بے لاغ اور ہر جملہ برجستہ ہوتا ہے۔ مکتوبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشخاص کی زندگی کا صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں مکتوبات میں مکتوب نویس کی زندگی آداب والقاب کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ جاتی ہے بلکہ ایک صاف شفاف تالاب میں کمل کے پھول کی طرح ابھر کر وہ جلوہ طرازیاں کرتی ہے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگتے ہیں۔

دنیا کے ادب میں مکتوبات نے بھی ایک ادبی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ اور شخصیتوں کی زندگی کے ہر گوشہ کو نمایاں کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جارہا ہے۔

مناظرہ:

ہم انہیں نظریات کی روشنی میں امام احمد رضا کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں آپ اپنے خط مرقومہ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ بنام مولوی ظفر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا وہاں بھی جاکر مناظرہ کا غل کیا پندرہ پندرہ ہزار روپئے جمع کر دیئے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوط پر بارہ دن کا مکالمہ رہا، مگر نہ تھانوی نے اقرار مناظرہ کیا نہ دیابنہ جم سکے۔ اسی طرح ماہ صفر میں رہتک ضلع پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے خط پر فرار کیا"۔

مندرجہ بالاسطور سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مناظرہ سے فرار دیوبندیوں اور وہابیوں کی عادت ثانیہ ہے۔ مناظرہ سے پہلے تار اور خطوط کے ذریعہ الجھانے کی ہمیشہ کوشش نامسعودان کا وطیرہ رہا ہے بھیمڑی کے مناظرہ میں بھی یہی سب کچھ ہوا تھا۔ جس کی طرف امام احمد رضا نے اشارہ فرمایا ہے۔

شاگردوں سے محبت:

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرماکرتے تھے اور ان کی علمی قابلیت کو سراہتے تھے چنانچہ خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کو لکھتے ہیں:

"مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہے اور میرے بجان عزیز ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں۔ سب سے یہ زائد ہے۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا۔

۱) سنی خالص، مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں۔۳) مفتی ہیں۴) مصنف ہیں ۵) واعظ ہیں ۶ مناظرہ بعونہ

تعالٰی کر سکتے ہیں ے علماء زمانہ میں ''علم توقیت'' سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامہ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بن پائے۔ جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر گھر جا بیٹھے، انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز تاریخ کے لئے اور ہر جملہ اوقات ماہ مبارکہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔

یہ خط ۵؍شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا تھا۔

اس خط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ''امام احمد رضا علم توقیت'' سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے جبھی تو اپنے ایک شاگرد کے ''علم توقیت'' پر عبور کو کس درجہ اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور یہ اظہار بھی مترشح ہے کہ اپنے زمانے میں علم توقیت سے لوگوں کی عدم توجہی پر ماتم کناں ہے اور اس علم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ ''امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے:

آج کی ہماری علمی درسگاہیں جنہیں ہم دار العلوم کہتے ہیں اس علم سے کس قدر بے خبر ہیں۔ علم توقیت وہ علم ہے جس کے ذریعہ اوقات طلوع وغروب ونصف النہار برائے زمانہ مستقبل آج بتایا جا سکے۔ اس کے لئے علم ہیئت وریاضی اور طول البلد وعرض البلد کا جاننا بھی ضروری ہے۔

وہابیہ کی فطرت:

ایک خط میں جو مولوی ظفر الدین صاحب کے نام ہے، لکھتے ہیں:

''لہٰذا یہ پلندہ بیرنگ مرسل ہے۔ وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے، مدت سے ان کی تمنا تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے''۔

نوٹ کیجئے وہابیوں کی فطرت کا کتنا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ وہ ہمیشہ سنیوں کو

الجھانے کے لئے ''اصول دین'' سے ہٹ کر کسی ''فرعی مسئلہ'' کو چھیڑ دیتے ہیں۔ یہ سنیوں کے لئے انتباہ ہے۔

سفید داغ کا مجرب نسخہ:

امام احمد رضا جنہیں طب میں بھی شغف تھا۔ مرض سفید داغ کے لئے ایک مجرب نسخہ تحریر فرماتے ہیں۔ صندل سفید ایک ماشہ، سم الفار سنکھیہ ایک ماشہ، ہر دو را خوب سحق کردہ قدرے بر داغ سفید خوب بمالند تا آنکہ آب از آں داغ بر آمد۔ ہر دو وقت بمالند جوش خواہد کر دروغن بر آتش داشتہ ٹکیہ برگ نیم در آں اندازند وقتیکہ سوختہ شد۔ برادر دروغن بر جراحت رساندہ خواہد شد و بدن برنگ اصلی می رسد۔

ترجمہ: صندل سفید ایک ماشہ رسم الفار سنکھیہ ایک ماشہ، دونوں کو خوب سحق کر کے اس سفید داغ پر خوب ملیں، یہاں تک کہ اس میں سے پانی نکلنے لگے۔ دو وقت ملے، تیل کو آگ پر خوب جوش دے کر اس میں نیم کی پتیوں کو ٹکیا بنا کر تیل میں اتنا پکائیں کہ وہ جل جائیں بعد ازاں تیل کو صاف کر کے مالش سے پیدا ہونے والے زخموں پر لگائے جسم کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آ جائے گا۔

شب براءت کی فضیلت:

ایک خط میں شب براءت کی فضیلت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان سچے دل سے ایک دوسرے سے محبت کرے، آپس میں نفاق نہ رکھے کہ نفاق مولیٰ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ سچے دل سے صلح و معافی ہونی چاہیے، مصالحت اخوان اور معافی حقوق یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے۔

اس لئے اس کے اجراء میں کوشش ہونی چاہیے، یہ سنت حسنہ ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے، اپنے منصب مجددیت کے فرائض کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خط کے الفاظ درج ذیل ہیں:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شب براءت قریب ہے، اس رات تمام

بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے، مگر چندان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے: ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔ لہٰذا اہل سنت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں کہ باذنہ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہوکر بارگاہ عزت میں پیش ہوں۔ حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ صادقہ کافی ہے۔ **التائب من الذنب کمن لاذلب له** ۔

ایسی حالت میں باذنہ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامہ ہے، بشرط صحت عقیدہ وھوالغفور الرحیم۔ یہ سب مصالحت اخوان و معافی حقوق بحمدہ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے، امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے **"من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجره واجر من عمل بهاالی یوم القیامة لاینقص من اجورهم شیئاً** کے مصداق ہوں۔

یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں۔ ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو وعافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

علم کی پیاس:

ایک خط میں اپنی طویل علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"۲۲/ذی قعدہ سے آج ۲۲/ربیع الاول شریف تک کامل ۴ مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے

جاتے اور لے آتے، اسی بیماری میں المنک 1918ء منگانی یاد نہ رہی۔"

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا کو بیماری کے عالم میں بھی علم سے جو شغف تھا وہ بدرجہ اتم تھا، مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مطالعہ سے خالی نہیں تھا۔

دوسرے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مطالعہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت متعصب نہیں تھے بلکہ کتاب خواہ انگریز کی لکھی ہو یا کسی بے دین کی، ضرور مطالعہ فرماتے تھے اور اس کے حسن و قبح کو پرکھتے تھے۔

المنک اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جس میں ستاروں کی چال، اوقات طلوع وغروب وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ جس کو ہندی میں پنچانگ کہتے ہیں۔ یہ اسپینی عربی لفظ المناخ سے مشتق ہے۔ کچھ علماء لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ مصری لفظ "المنیخیا" سے مشتق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان کو وسیع النظر ہونا چاہیے۔

فتاویٰ نویسی:

ایک خط میں امام احمد رضا نے اپنی دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے پہلا فتویٰ ۱۳ رسال کی عمر میں لکھا تھا، اور ۱۳۳۶ھ تک ان کی فتاویٰ نویسی کی عمر ۵۰ سال ہوئی تھی۔

"فقیر نے ۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ ربرس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا، اگر ے دن اور زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔

بیمہ یا انشورنس:

بیمہ یا انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں، امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعہ اس گتھی کو بھی سلجھا دیا۔ یہ اور انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

''جبکہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں، تو جائز ہے، حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو، جیسے روزوں یا حج کی ممانعت''۔

ظاہر ہے کہ وہ فعل جو خلاف شرع کا احتیاط کا پابند بناتا ہو مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے اور بیمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

امام احمد رضا کو جو بے پناہ عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، اس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی والہانہ عشق کا تذکرہ اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی میں اس طرح کرتے ہیں کہ ہند تو ہند مکہ میں مرنے کے لئے بھی راضی نہیں ہیں، بلکہ ان کی دلی تمنا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنی جان دیں۔ کیا محبت ہے کیا جذبہ ہے۔

''وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظّمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

مشورہ احباب:

امام احمد رضا احباب کے مشورے کو نہایت اہم تصور فرماتے تھے، چنانچہ ایک خط میں مولانا ظفر الدین کو لکھتے ہیں:

''آپ کا رسالہ موذن الاوقات آیا، نام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا، اس کے مقصد اول وخاتمہ کو ضرور دکھالینا چاہیے اور تذہیب کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھالینا فرض اہم ہے۔ مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورہ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے''۔

اردوئے معلّٰی:

اب آخر میں امام احمد رضا کے خط کا ایک اقتباس پیش کریں گے جس کو پڑھ کر

ناظرین کو مرزا غالبؔ کے مکتوبات پڑھنے کا لطف آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ امام نے اردوئے معلیٰ تحریر فرمایا ہے:

''کاغذ کے نمونے آ گئے۔ واقعی بہت گراں ہیں، حاجی عیسیٰ گئے مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔ کلکتہ میں بھی ایک عالم سنی کی بہت ضرورت ہے، حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے، تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں، سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے، افلاس کا مرض ہے، ورنہ کلکتہ میں حمایت کے لئے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز تھے۔ ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپے سالانہ کی جائداد اس کے لئے وقف ہے۔ اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے، مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہو جائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ، افسوس کہ ادھر نہ تو مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

حاجی صاحب نے چٹائیوں کی نسبت پھر کچھ نہ لکھا۔ اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بطور خود یہ کام بہ نیت لوجہ اللہ کیا، اس کا معاوضہ نہیں، تو بیشک نہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا اور اگر میرے لکھنے کی بنا پر میری وجہ سے ہے۔ تو حاشا! نہ یہ میرا مقصود تھا، نہ اب منظور، لہذا بات صاف ہونا ضرور۔

(ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت مولفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ)

☆☆☆

امام احمد رضا کی انشاء پردازی
مکتوبات کے آئینے میں

ڈاکٹر غلام غوث قادری
پی ایچ ڈی رانچی یونیورسٹی، رانچی

سہ ماہی ''افکار رضا'' بمبئی جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء
ص: ۴۴ تا ۵۰

☆

وقت ایک تیز سر کش گھوڑا ہے
اور وقت کی پابندی، اس کا مضبوط کھونٹا
پابندی کے اس کھونٹے کو...... نہ ہلنے دو
نہ کمزور پڑنے دو
ایسا کرو گے تو تمہاری زندگی خود بخود کامیاب اور وضع دار بنتی چلی جائے گی
اور دیکھو!
خدا نے تمہیں سوار بنایا ہے
اور وقت تمہاری سواری ہے
سواری کا استعمال کیسے کرتے ہو
تمہیں اختیار ہے
یاد رکھو!
اس اختیار کا...... تم سے امتحان لیا جائے گا
(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص:۱۷)

امام احمد رضا قدس سرہ کی انشاء پردازی مکتوبات کے آئینے میں

مولانا غلام غوث قادری فاضل ایم۔اے

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد، عشق رسالت کے گنج گراں مایہ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات قدسی صفات محتاج تعارف نہیں۔انہوں نے اپنی دینی و علمی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی وفکری انقلاب پیدا کیا،اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کی خدمات بے شمار ہیں۔جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمادیا۔علم حدیث، اصول حدیث، فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی، ہندسہ تصوف سلوک، لغت، ادب وغیرہ کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔فن شعر وسخن میں قدرت نے حضرت امام موصوف کو ید طولیٰ بخشا تھا۔شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کی ایک حد فاصل قائم کی۔آپ نے ایک اندازے کے مطابق کم وبیش سو ۱۰۰

سے زائد علوم وفنون میں ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔آپ کے سینے میں قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت ودیعت کی گئی تھی۔آپ کے ذریعہ قرآن پاک کا کیا گیا ترجمہ موسوم بہ ''کنز الایمان'' صرف ترجمہ نہیں بلکہ اردو زبان میں قرآن پاک کی صحیح ترجمانی ہے۔جس میں روح قرآنی کی حقیقی جھلک موجود ہے۔لفظ اور محاورہ کا حسین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔علم حدیث اور اصول حدیث کے علاوہ علم فقہ میں جو تبحر وکمال آپ کو حاصل تھا۔اس کا اعتراف آپ کے ہم عصر مخالفین نے بھی کیا۔فقہ میں آپ کی تصنیف ''فتاویٰ رضویہ'' اپنا جواب آپ ہے۔آپ کے فتاویٰ میں جو نظم وضبط اور جامعیت ہے۔اس سے آپ کے علم کی گہرائی وگیرائی کا پتہ ملتا ہے۔ نیز طرز تحریر کا انفرادی وادبی رنگ مطالعے پر مجبور کرتا ہے۔اسکے علاوہ امام موصوف کے مکتوبات بھی بے شمار حقائق ومعارف اور مسائل دینیہ سے بھرپور ہیں۔اسلوب نگارش کی انفرادیت اور ظاہری ومعنوی خوبیوں کا رنگ یہاں بھی ہر سطر پر چڑھا ہوا ہے۔امام موصوف کے علوم ومعارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملفوظات کا بھی ہے۔جوان کے ارشادات وکلمات طیبات پر مشتمل ہے۔جس میں حکایات بھی ہیں۔ اور روایات بھی، ضیاء قرآن بھی ہے اور بہار حدیث بھی، معرفت کی جھلک بھی ہے اور حقیقت کی خاموش بیانی بھی۔ان کی ادبی حیثیت بھی مسلم ہے۔ان کے مطالعہ سے جہاں ایک طرف نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔تو دوسری طرف اسلوب نگارش اتنا پرکشش، خوبصورت اور ادبی محاسن سے آراستہ ہے کہ اسے اردو انشاء پردازی کے بیش بہا خزانے میں ایک اہم اضافہ کہا جا سکتا ہے۔اسکے علاوہ قوت استدلال، بلندی فکر اور مواد کے اعتبار سے بھی آپ کا قلم اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ آپ شمع بزم ادب ہیں۔اسی لئے تو ان خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر داغ نے کہا ہے: کہ۔

ع ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

یوں تو امام احمد رضا کی تاریخ ساز شخصیت اور کارناموں پر متعدد مقالے اور بیشتر مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ نیز اب بھی جاری ہے۔ مگر ان کی انشاء پردازی کے جو ادبی وفنی نکات ہیں۔ جن سے امام موصوف کے اسلوب نگارش کی انفرادیت اجاگر ہوتی ہے، کا تفصیلی احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ اگر اس جہت سے ان کی نثر نگاری کا مطالعہ کیا جائے، تو اردو انشاء پردازوں میں دیگر فنکاروں سے کہیں بڑھ کر امام موصوف کا نام سنہرے حروف میں ملے گا۔ چنانچہ ہندوپاک کے بیشتر علماء وادباء اور ماہرین رضویات سے مشورہ کے بعد فدوی (رقم الحروف) نے اپنے تحقیقی (پی۔ ایچ۔ ڈی) مقالے کا موضوع حضرت ''امام احمد رضا قدس سرہ کی انشاء پردازی۔ ایک تفصیلی مطالعہ'' منتخب کیا ہے۔ جس کی ڈگری رانچی یونیورسٹی جھارکھنڈ ہند کے شعبہ اردو سے مل چکی ہے۔ انشاء اللہ عنقریب متذکرہ بالا تحقیقی مقالہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئے گا۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بہت پہلے ہی اس موضوع پر تصنیفات کثیر منظر عام پر آتیں تا کہ ماضی سے حال تک کے عظیم خسارے سے دوچار ہونے سے ہماری جماعت بچ جاتی۔ کیونکہ خواہ تاریخ جنگ آزادی ہند ہو کہ تدوین عصری نصاب تعلیم، موقع پرست عناصر نے ہمارے اسلاف کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے اور ہم ہیں کہ گہری نیند میں بستر استراحت سے چپکے رہے اور کبھی نیم بیدار بھی ہوئے، تو غنودگی طاری رہی۔ اور صرف اس حرف شکایت کو زبان پر لائے کہ تاریخ جنگ آزادی ہند اور عصری نصاب تعلیم میں دور تک ہمارے اسلاف کا کہیں پتہ نہیں چلتا بعدہ چین کی نیند سو گئے۔ یہ ایک المیہ ہے، جو نا قابل فراموش حقیقت ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تاریخ آزادی ہند، عصری نصاب تعلیم میں اپنے اسلاف کی شمولیت نہ ہونے کے اسباب وعلل پر غور کرتے ہوئے، اس کا حل تلاش

کرتے ہوئے شمولیت کی کوشش کی جاتی۔ میری ناقص سمجھ سے اس کی یہی وجہ منکشف ہوتی ہے۔ کہ ہمارے یہاں موقع شناسی کا فقدان ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف تو ہمہ جہت شخصیت اور خدمات کے جامع ہیں۔ مگر ہمارے یہاں اس بات کا فقدان ہے۔ ہمیں چاہئے یہ تھا کہ جس طرح دیگر مکتبہ فکر کے فنکاروں نے اپنے اسلاف کے متعلق کتب ورسائل کے توسل سے اردو ادب کی خدمات کو مبالغے کے ساتھ ثابت کیا۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اپنے اسلاف کی خدمات اردو میں شمولیت تحریک آزادی ہند کو باضابطہ تاریخی صورت میں قلم بند کرتے۔ یہ تشنہ توجہ موضوعات ہیں۔ یہ کام نہیں ہونے کی وجہ سے ہمارا پیغام حق ایک بہت بڑے طبقے تک پہنچے سے مانع ہے۔ یعنی حصول تعلیم کے بیشتر شعبے ہیں۔ مدارس، اسکولز، کالجز، یونیورسٹیاں، جہاں تک مسئلہ مدارس کا ہے تو یہ کئی خانوں میں منقسم مختلف مکتبہ فکر کے ہیں۔ جہاں تک مکتبہ اہلسنت و جماعت کے مدارس ہیں تو ہم اپنے طلباء کو اپنے اسلاف کی خدمات واحسانات سے واقفیت کراتے ہیں۔ وہیں دیگر مکاتب فکر کے مدارس ہمارے کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر مدارس کے طلباء ہمارے اسلاف کے خلاف ذہن لے کر فارغ ہوتے ہیں۔ یونہی بعض یونیورسٹیاں کسی خاص ازم کی علمبردار ہوا کرتی ہیں اور اس کے بیشتر طلباء اسی مخصوص ازم کے پیرو ہوتے ہیں۔ مگر عام طو سے جو تعلیمی ادارے کسی خاص ازم اور مکتبہ فکر سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہاں بھی ہمارے اسلاف کے اسماء کوسوں دور دیکھنے کے بعد نظر نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جن متعصبین حضرات کو تدوین عصری نصاب تعلیم، فراہمی مواد برائے تعلیم کی ذمہ داری ملی، وہ کسی خاص ازم اور گروپ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ جنہوں نے ہماری غفلت کا ناروا فائدہ اٹھا کر صرف اپنے گروپ کے مصنفین ودانشوران کو نصاب میں خوب سے خوب جگہ دی اور ہمارے اسلاف کو طاق نسیاں میں ڈال دیا۔

ادھر ہماری روش یہ ہے کہ دوسروں کی پکائی روٹی سے دستر خوان سجانے کا انتظار رہا۔ اس سے ہمارا خاصہ نقصان یہ ہوا کہ جن طلباء کی وابستگی ان عصری تعلیمی اداروں سے رہی وہ محض ایک طرفہ شخصیات کا مطالعہ کر سکے اور انہیں ہی سے متاثر نظر آئے۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

صرف نظر ہماری ان کوتاہیوں کے جب ہماری نگاہ اپنے اسلاف کے کارناموں پر جاتی ہے تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف کی خدمات ہر میدان میں دوسروں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مثلاً جب امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کا مطالعہ اردو انشاء پرداز کی حیثیت سے کرتے ہیں، تو ایک بیش بہا خزانہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں ان کی ہمہ جہت انشائیہ کا احاطہ تو ممکن نہیں لہذا ان کے اردو مکتوبات میں انشائیہ کے جو در بے بہا موجود ہیں۔ چند اقتباسات کے حوالے پیش خدمات ہیں۔

اردو میں مکاتب کی کمی نہیں بہت بڑے نیز چھوٹے آدمیوں کے ذاتی خطوط کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارا موضوع تحریر یہ سارے خطوط نہیں ہو سکتے۔ وہ اس لئے کہ خط بحیثیت خط ادب کی کوئی صنف نہیں جس طرح ہر لطیفہ افسانہ نہیں ہو سکتا، ہر خط مکتوب نہیں بن سکتا۔ خط نویسی اور خطوط نگاری دو مختلف چیزیں ہیں۔ ادبی اعتبار سے کاروباری یا اختیاری مراسلے خطوط کے ذیل میں نہیں آتے۔ ادبی خطوط صرف وہ ہیں، جن کا مقصد یا کم از کم اثر ادب ہو۔ یعنی ادبی خط شغل کی چیز نہیں بلکہ ذوق کی متاع ہے۔ یہاں ایک بڑے مغالطے کی تردید ضروری معلوم ہوتی ہے۔ عام طور سے ادبی سطح پر بھی کہا جاتا ہے کہ خط اور ادب کی دوسری صنفوں کے درمیان فرق تکلف اور بے تکلفی کا ہے۔ دوسری صنفوں میں لکھنے والا ہئیت کے قواعد میں کسا رہتا ہے۔ جب کہ خط لکھنے

والے پر کوئی پابندی نہیں۔ اسی غلط مفروضے سے یہ غلط نتیجہ بھی نکال لیا گیا ہے۔ کہ اصل خط وہ ہے جو غرض اشاعت سے نہیں لکھا گیا ہو۔ اس لئے کہ خط خلوت کی چیز ہے۔ نہاں خانے کی تصویر ہے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں خط کی مستقل ادبی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور خطوط نگاری فن کے بجائے محض ایک حرکت بن کر رہ جاتی ہے۔ جب کہ سمجھنے والوں نے خط کو ایک باضابطہ صنف ادب سمجھا ہے۔ خطوط کاروباری نوعیت کے بھی ہوتے ہیں اور بالکل ذاتی نوعیت کے بھی مگر اس قسم کے خطوط اشاعت کے مستحق نہیں اور ادبیت کا تو سزاوار بھی نہیں۔

بہر حال خطوط نگاری ایک موضوعی صنف ادب ہے۔ یہ دوسری تمام صنفوں سے زیادہ شخصی ہے اور مکتوب نگار کی شخصیت اپنے تمام اندازوں اور پیچ وخم کو افشاء کر دیتی ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ شخصیت اپنے لباس وجود کا ہر تار نوچ پھینکتی ہے، کوئی بھی شخصیت ایسا نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ شخصیت ایک بڑی گہری اور تہہ دار چیز ہوتی ہے۔ پھر شخصیت کی اپنی خودنگہداری اور وقار ہوتا ہے۔ یہ حقائق صاحب شخصیت کو اس کی فطری حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ فی الواقع مکتوب سے ہوتا یہ ہے کہ جس شخصیت کو ہم نے اسٹیج پر دیکھا ہے۔ اس سے گھر پر مل لیتے ہیں، جس سے تقریر سنی ہے اس سے گفتگو کر لیتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ عربی، فارسی کی انشاء پردازی پر مہارت رکھتے ہیں انہیں اردو انشاء پردازی میں سہل اور آسان، عام فہم راستہ اختیار کرنا دشوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو الکلام آزاد کے اسلوب پر ابھی تک جو بحث ہوئی ہے۔ اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

”کہ انہوں نے اردو میں ایک ایسے اسلوب کو مکمل کیا جو فارسی اور عربی علامتوں سے گرانبار تھا اور اس سے گرا بہا اور یہ گرانی کوئی خاصے کی چیز ہے اور عظیم

چیز ہے۔مگر اردو زبان کیلئے یہ کوئی اچھی چیز نہیں اور مفید بات نہیں ہے۔ اس سے اردو زبان کی اس سہل روایت کو جھٹکا لگا، جو سر سید اور حالی سے چلی تھی۔''

اردو کے بڑے نقادوں کا گرچہ میرے خیال میں یہ نقطہ نظر حکیمانہ نہیں ہاں البتہ ادبی ارتقاء سے صرف نظر کر کے تھوڑی دیر کیلئے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے۔ کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلے میں اردو کو اتنا آسان کر دیا جائے کہ ہندوستان کا ہر طبقہ اس کو آسانی سے بول اور سمجھ سکے، جس کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

امام احمد رضا کا اسلوب نگارش ہمہ گیر دکھائی دیتا ہے۔مکتوب الیہم کی لیاقت اور شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مکتوب نگاری عمل میں لاتے ہیں۔یعنی سہل نگاری کو بھی برتا ہے اور اردوئے معلیٰ سے بھی کام لیا ہے۔ وہ اپنے اسلوب نگارش میں کسی خاص فرد یا طبقے یا ازم سے متاثر نظر نہیں آتے بلکہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔موصوف نے ادب کو تفنن طبع کے طور پر نہیں برتا بلکہ مواد اور پیغام کیلئے وسیلہ اظہار سمجھا ہے۔ان کی نگارشات میں ٹھوس مواد اور حسین اسلوب نگارش کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کا لفاف وملفوف یکساں نظر آتے ہیں۔ جو کہ امام موصوف کا امتیاز خاص ہے۔گرچہ ان کے بیشتر مکتوبات تلاش بسیار کے باوجود تادم تحریر حاصل نہیں ہو سکے۔ (کوشش جاری ہے) پھر بھی چند مکتوبات جو کہ آسان بھی ہیں۔اور دقیق بھی کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اقتباس اول:

برادرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان ومال کی حفاظت فرمائے۔

بعد عشاء ۱۱۱، بار ''طفیل حضرت دستگیر دشمن ہوئے زیر'' پڑھ لیا کیجئے۔ اول آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ آپ کے والد ماجد کو مولیٰ تعالیٰ سلامت با کرامت رکھے۔ان

سے فقیر کا سلام کہئے۔ یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح وشام سوتے وقت، بعونہ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی۔ دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک شام ہے اور آدھی رات ڈھلے سے سورج چمکنے تک صبح۔ اس بیچ میں ایک ایک بار علاوہ نمازوں کے ہو جایا کرے اور ایک بار سوتے وقت آپ کے والد ماجد کو سلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ، بھوالی شب ۵ ذی الحجہ ۳۹ھ"

اقتباس دوم: "بھائی سلیمان صاحب نے مجھ سے تعویز مانگا تھا۔ میں آج کل لکھ نہیں سکتا۔ لہذا سب سے بہتر بات ان کی خاطر میری سمجھ میں آئی کہ خاص اپنے لئے جو عظیم تعویز ۸۴ ۷ خانے کا تیار کیا تھا۔ ان کی نذر کروں، زندگی اگر باقی ہے، تو اپنے لئے اور تیار کر لیا جائے گا۔"

اقتباس سوم: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲ ذیقعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ جمعہ کیلئے لوگ کرسی پر اٹھا کر لئے جاتے اور آتے۔"

ان اقتباسات سے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے محرک اور موضوع کے متعلق کئی ایک اشارے ملتے ہیں۔ سب سے قیمتی نقطہ تو صنف مکتوب نگاری ہی کے متعلق ہے۔ کہ اقتباس اول میں ذرا دیکھیں کہ وہ امام جس نے عرب میں جا کر اپنی عربی دانی کا سکہ ثبت فرمایا ہے۔ مگر جب وہ اپنے برادر دینی یقینی کے پاس خط لکھ رہا ہے تو دعائیہ کلمات تک عام فہم اور سہل اردو میں رقمطراز ہے ساتھ ہی حسب مراتب ترتیب لفظ کا حسین انتظام ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اقتباس اول: " مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان ومال کی حفاظت فرمائے۔"

اول ایمان کا ذکر کیا جو دنیا کی تمام تر قیمتی چیزوں سے عزیز ہے۔ دوم آبرو جسے جان دے کر بھی بچے تو بچائے رکھنا۔ کے مصداق ہے بعد میں جان و مال کا بیان ہے۔ جان پہلے ہے اور مال بعد میں جس جگہ لٹیرے جان اور مال دونوں میں سے کسی ایک کا تقاضا کریں۔ تو ہر عقلمند انسان مال دے کر بھی جان کی حفاظت چاہتا ہے۔

اقتباس دوم: اس میں بھی آسان اردو موجود ہے ساتھ ہی یہ خط ان کے کردار کا آئینہ دار ہے۔ جس امام موصوف کے بارے میں مخالفین یہ افتراء باندھتے ہیں۔ کہ وہ مغرور انسان ہیں۔ مگر کیسی عاجزی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ان کی نذر کروں زندگی اگر باقی ہے تو اپنے لئے تیار کرلیا جائے گا۔" مکتوب کا تیور بتاتا ہے کہ تعویذ کا سائل بہر حال امام موصوف سے مراتب میں کم ہے، مگر" نذر کروں" مخالفین کی امام موصوف پر افتراء پردازی کو خاکستر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اقتباس سوم: سہل نگاری موجود ہے۔ ساتھ ہی ان کی داخلی زندگی کا آئینہ دار۔ سو سے زائد علوم وفنون کا امین، ہزار سے زائد تصنیفات کا مصنف، ہجوم کار وابستگان کی فیض رسانی، شاگردوں کی رہنمائی، تربیت تصوف کی مشغولیت اور آخر عمر میں ضعیفی کا بار عظیم کو پیش نظر رکھیں۔ پھر ملاحظہ ہو۔

"سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لے آتے۔" یہاں کس قدر نماز باجماعت کا پاس، جماعت ترک کا قلق اور صاف گوئی سے کام لیا ہے۔

بعض مکتوبات کے اقتباسات دقیق عربی، فارسی سے پر ملاحظہ ہو۔

اقتباس اول: " بگرامی ملاحظہ، مولانا مولوی حافظ عبدالسلام صاحب دامت فضائکہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحت و مزاج والد سے مطلع فرمائیں۔ فقیر بے توقیر سوائے دعاء کے کیا کرسکتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے وجود مسعود کو اسلام وسنت کے حق میں محمود باوجود رکھے"۔

اقتباس دوم: "بشرف ملاحظہ حضرت بابرکت جامع الفضائل لامع الفواضل شریعت آگاہ طریقت دستگاہ حضرت مولانا المکرّم الحاج مولوی محمد انوار اللہ خاں صاحب بہادر بالقابہ العز۔

سلام مسنون، نیاز مشحون، ہدیہ مجلس ہمایوں! سگ بارگاہ بیکس پناہ قادریت غفرلہ ایک ضروری دینی غرض کیلئے مکلف اوقات گرامی، پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے رسالہ "القوال الاظہر" مطبوعہ حیدرآباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مرسلہ آیا۔ جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے، یہ نسبت اگر صحیح نہیں تو نیازمند کو مطلع فرمائیں۔ ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا کیا موقع ہوگا۔ کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں استکشاف حق کیلئے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں۔ بفضلہٖ عزوجل ذات والا میں سب آشکار ہے"۔

اقتباس سوم: "مولانا المکرّم ذی المجد والکرم اکرمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حالات حاضرہ مصائب دائرہ نے اسلام و مسلمین کو جس درجہ سراسیمہ و پریشان کیا ہے۔ آپ جیسے واقف کار حضرات سے مخفی نہیں۔ علمائے اہلسنت و جماعت اگر اب بھی بیدار نہ ہوں گے، تو خدانخواستہ وہ دن دور نہیں کہ سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ چارہ نہ پائیں گے۔ انہی ضرورتوں کو محسوس کر کے علماء اہلسنت و جماعت کا مہتم بالشان جلسہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ شعبان المعظم روز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ کو ہونا قرار پایا ہے۔ جناب کی اعانت دینی وتوجہ مذہبی سے امید واثق رکھتا ہوں

کہ اس ضروری دینی کام کو سب کاموں پر مقدم سمجھیں گے۔الی آخرہ۔''

یہ مکتوبات دراصل مرقع ہیں۔ایک ایسے شخص کے ذہن ومزاج کا جس پر مبداء فیاض نے ہزاروں بلکہ بےشمار راہیں کھول دی تھیں۔ان مرقعوں میں ارتقائے شخصیت کی گم شدہ کڑیاں بھی ہیں۔اور موجودہ عناصر کے تجزیئے یا توجیہیں بھی۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹکڑے خط کے نہیں ہیں انشائیوں کے ہیں۔اور یہ بات غلط نہ ہوگی کہ امام موصوف کے بہترین مکتوبات اردو ادب کے بہترین انشائیے ہیں۔ان میں ہیئت مکتوب کی ہے مگر اسلوب یہاں تک کہ کینوس، موضوع ، اثر پذیر انشائیوں کا ہے۔ رضویت کی رعنائیاں ایک جمیل اسلوب میں ظاہر ہوتی ہیں۔جس طرح خطوط کے مواد امام موصوف کی دوسری تصنیفات سے مختلف ہیں اسی طرح ان کی ہئیت بھی ممتاز ہے اور زیادہ تر مکتوبات کی مخصوص فضا اور تکنیک کے باعث مکتوبات کا اسلوب زیادہ لچک دار، رواں اور محکم ہے۔ان میں بے ساختگی ہے لیکن بے تکی نہیں۔ان میں محض مکتوب نگاری کی وضاحت نہیں۔اس سے زیادہ فن کی بلاغت ہے۔ان میں بلاغت کے تمام تیور پائے جاتے ہیں اور صنائع بدائع کے نقوش کی بھی کمی نہیں۔انشاء پردازی کی ان تمام خوبیوں سے ان کے مکتوبات مزین ہیں۔جن کا اردو ادب متقاضی ہے۔

☆

بزم حیات کے دو پھول ہیں...... بیٹا اور بیٹی

بیٹا کو رحمت...... اور بیٹی کو زحمت، مت سمجھو

دونوں ہی رحمت، دونوں ہی برکت

دونوں ہی زینت ہیں...... زندگی کے گلشن میں

نہ بیٹا گلاب ہے...... نہ بیٹی گیندا

دونوں گلاب ہیں...... تمہارے باغ میں

دونوں دو آنکھیں ہیں...... تمہارے سر کی

دونوں نور ہیں...... تمہاری نگاہوں کے

دونوں ٹھنڈک ہیں...... تمہارے سینوں کی

بیٹا حویلی کا محافظ ہے...... تو بیٹی اس کی روشنی

بیٹا ہمالیہ ہے...... تو بیٹی اس کی چوٹی

بیٹا پتنگ ہے...... تو بیٹی اس کی ڈور

بیٹا قطب مینار ہے...... تو بیٹی تاج محل

جیسے چائے میں چینی...... سالن میں نمک ضروری ہے

ویسے ہی گھر کے آنگن میں بیٹیوں کا وجود لازمی ہے

ایمان والو!

بیٹی ایک، دو ہوں...... یا زیادہ

جنت کی سیڑھیاں ہیں یہ...... خدا و رسول کی خوشنودیاں ہیں یہ

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۳۶، ۳۷)

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری
فکر و فن کے آئینے میں

ڈاکٹر غلام غوث قادری
پی ایچ ڈی رانچی یونیورسٹی، رانچی

ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی
جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء ص: ۱۴۹ تا ۱۵۵

☆

کھیتوں میں لہلہاتی فصلیں تو غیر ضروری جھاڑ جھنکار بھی ہیں
کیڑے مکوڑے بھی...... ان کی قدر کی جاتی ہے...... یہ ہیں بے توقیر
مگر ہیں دونوں کھیت ہی کا حصہ
زمین و آسمان...... سمندر اور پہاڑ...... اگر کائنات کا جز ہیں
تو دانہ بھی...... حباب بھی...... دل کی دھڑکنیں بھی
ولی اور عالم...... جاہل اور گنوار...... دونوں اسی سماج کے افراد ہیں
جو بھی مخلوق ہے...... کائنات کا حصہ ہے...... اس کا انکار کیسے کروگے؟
انبیاء!...... جاہلوں میں اترے...... علم لے کر...... حلم لے کر......
دعوت کے لئے نکلے...... اصلاح کے لئے چل پڑے
تو جاہلوں نے روڑے اٹکائے...... راستے روکے...... کانٹے بچھائے
جہاں علم کام نہیں آیا، وہاں حلم سے کام چلایا
نبی کے نائبو!...... رسول کے وارثو!!
تم عالم ہو، تم داعی ہو
تمہارے ذمہ کار نبوت ہے
انبیائی طریق کار اپناؤ
حلم سے کام لو
ضبط سے کام لو
جاہل کا جہل...... خود بخود شرمسار ہو جائے گا
(پرواز، خیال، مطبوعہ، لاہور، ص: ۵۰، ۵۱)

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری فکروفن کے آئینے میں

مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری

ادب میں مکتوب نگاری ایک ایسا فن ہے جس کے توسط سے انسان کی چھپی ہوئی شخصیت اوراس کے ذہن کو پڑھا جاسکتا ہے۔ خصوصاً مشاہیر کے خطوط ایسی مکمل اور منظّم دستاویز ہوتی ہے۔ جن کو پڑھ کر صاحب تحریر کا مذاق، مزاج، رجحان، ذاتی شوخی، سنجیدگی، متانت، ظرافت، ثقافت، خوش مزاجی، شگفتہ طبعی، برہمی، غضبناکی کے علاوہ دوسرے احساسات وجذبات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے کسی فرد کو دیکھے بغیر خط کی تحریر سے اس کی عادتوں، خصلتوں اور میلان طبع سے واقف ہوا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خط لکھنے والا بے تکلف ہوتا ہے۔ اس وقت اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کی یہ تحریر معرض تشہیر میں آنے والی ہے بلکہ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ یہ تحریریں جو اپنے کسی عزیز یا دوست کو لکھی جارہی ہیں۔ وہ ان کے محافظ اور امین ہوں گے۔ لہذا خطوط میں تمام جذباتی مدوجزر پورے طور پر آشکار ہوجاتے ہیں۔ بقول، پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

”خطوط کا معاملہ عشق ومحبت کا ہے۔ جس طور پر محبت ہوجاتی ہے، کی نہیں جاتی، اسی طور پر خط بھی لکھ جاتا ہے، لکھا نہیں جاتا۔ محبت کے دیوتا کی طرح خط کا دیوتا بھی اندھا رہتا ہے۔“

فاضل نقاد کی رائے میں خط لکھنے کا کوئی قاعدہ یا طریقہ نہیں ہوتا۔ جس طرح چاہے اس کی ابتداء کی جائے اور جہاں چاہے اختتام۔ شرط یہ ہے کہ لکھنا آئے۔ خط اگر مختصر لکھنا چاہیں، تو ایک لفظ میں بھی ہوسکتا ہے اور اگر پھیلانے پر آمادہ ہوں، تو دفتر کے دفتر سیاہ کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اچھے خط کی پہچان یہ ہے کہ نہ زیادہ مختصر ہو اور نہ ہی اتنی وسعت دی جائے کہ صفحات کے صفحات استعمال کئے جارہے ہوں۔ بلکہ میانہ روی اس کا حسن ہے۔ موضوع کا معاملہ ایسا ہے کہ یہ کسی مخصوص دائرے میں محدود نہیں۔ لیکن گفتگو کی طرح اس میں بھی غیر ضروری باتیں نہیں ہوتیں اور نہ زیادہ پھیلاؤ کی گنجائش ہے۔
اردو کے صاحب طرز انشاء پرداز اور بلند پایہ نقاد پروفیسر خورشید الاسلام نے خط لکھنے کو ایک ایسے فن سے تعبیر کیا ہے۔ جس کیلئے صرف قلم اور کاغذ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خط لکھنے کیلئے نہ کوئی ضابطہ ہے اور نہ کوئی اصول نہ اس کا کوئی خاص مزاج ہے اور نہ ہی موضوع، کہتے ہیں:

''ذہن میں کوئی خیال ہو یا نہ ہو، خط لکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح بات چیت کیلئے کسی موضوع کا نہ ہونا، اس کے ہونے سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ اسی طرح خط میں نہ اصول کی ضرورت ہے نہ خیال کی اور نہ موضوع کی۔ زندگی اپنی راہیں خود بنالیتی ہے۔ خط اپنی باتیں خود پیدا کرلیتا ہے۔ زندگی کا نہ آغاز نہ انجام، بس ایک بہاؤ ہے۔ ایک روانی ہے، ایک اپج ہے، خط میں نہ ابتدا نہ انتہا، نہ وسط، نہ تکمیل، نہ تشبیب، نہ دعائیہ بس گریز ہی گریز ہے۔'' (۲)

مذکورہ قول کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خط لکھنے کیلئے کسی غور وفکر، تلاش وتجسس بنیادی چیز نہیں اور نہ ہی اس کیلئے سوچ بچار کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ مکتوب الیہ کی شخصیت اور حیثیت اور جواب طلب امور کی نوعیت کے مطابق اسی

انداز وطریق سے خطوط لکھے جائیں۔ جس ترکیب وبندش سے بالمشافہ گفتگو ہوا کرتی ہے۔ جہاں تک خط کی زبان کا سوال ہے۔ جس طرح کی زبان چاہیں، استعمال کی جاسکتی ہے۔ مشکل سخت مقفی مسجع، عالمانہ یا سادہ، رواں دواں، لیکن گفتگو کی زبان مقدم رکھنی چاہئے۔ کتاب یا مقالے کی زبان سے خط میں بے لطفی اور بے کیفی پیدا ہوجانے کا خطرہ ہوجاتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی خط کے لئے عام فہم، سہل، سادہ زبان کے استعمال کی حمایت کی ہے، کہتے ہیں:

''ادب میں سینکڑوں دلکشیاں ہیں۔ اس کی بے شمار راہیں اور انگنت ردکھائیں ہیں۔ لیکن خطوں میں جو جادو ہے (بشرطیکہ خط لکھنا آتا ہو) وہ اسکی کسی ادا میں نہیں۔ نظم ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو یا کوئی اور مضمون ہو۔ غرض ادب کی تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ بناوٹ کی باتیں جلد پرانی اور بوسیدہ ہوجاتی ہیں۔ صرف سادگی ہی ایک ایسا حسن ہے، جسے کسی حال اور کسی زمانہ میں زوال نہیں۔ بشرطیکہ اس میں صداقت ہو اور ہم میں سے کون ہے، جس کے دل میں سچ کی چاہ نہیں۔'' (۳)

مکاتیب کے معیار کا انحصار مکتوب نگار کی اپنی علمی لیاقت پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ خط کا مزاج مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ بے تکلف دوستوں کے خطوط میں اپنائیت کی فضا اور سچائی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ان پر کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا۔ بہت سے خطوط ادب کے قلم رو میں داخل ہوکر ادب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ان میں ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ لطافت بھی، نزاکت بھی اور جیتی جاگتی زندگی کی جھلک بھی۔ ان میں سادگی بھی ہوتی ہے اور پرکاری بھی۔ وہ انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔

خط لکھنے کی ابتداء سب سے پہلے کس خوش نصیب شخص نے کی اور وہ کون خوش قسمت انسان تھا۔ جس کو پہلا خط ملا، یہ معاملہ اب تک تشنہ تحقیق ہے۔ البتہ یہ کہا جاتا رہا ہے کہ خطوط نویسی کا آغاز اس زمانے سے ہو گیا ہو گا جب انسان نے رسم الخط کا ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا۔ اب تک تحقیق کے مطابق باقاعدہ فن کی شکل میں مکتوب نگاری کی ابتداء سلطنت روم کے سائے میں ہوئی ۔ اس سلسلے میں سسر و اور سینکا بزرگ (Seneca The Elder) کے مکتوبات قابل ذکر ہیں۔ جن میں روم کی زندگی کی جھلکیاں اور اس کی معاشرت کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ رومیوں کے مکاتیب کی زبان میں خطابت اور روزمرہ کی بول چال بین بین ہے۔ انگریزی زبان میں پندرہویں صدی میں مکتوب نگاری کا آغاز ہوا۔ انگریزی زبان کی مکاتیب نگاری کی خصوصیات بے تکلفی، سادگی، شگفتہ بیانی اور بزلہ سنجی ہے۔ یہاں بلاغت کی چاشنی کم اور زندگی کی چاشنی کافی دیکھنے کو ملتی ہے۔ انگریزی ادب میں ڈاکٹر سموئیل جانسن (Dr. Samuel Johnson) لارڈ چیسٹر فیلڈ (Lord chester Field) ولیم کوپر (William Copper) چالیس لیمب، کیٹس، شیلے، بائرن، براؤننگ اور جارج برناڈ شا وغیرہ کے مکتوب قابل ذکر اور ادب کے شہ پارے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لاطینی زبان میں منظوم خط لکھنے کی روایت ہورلیس (Horace) نے قائم کی۔ فرانسیسی، ادب کے ادبی شہ پاروں میں نپولین، والیر، وکٹر، ہیوگو اور گائی دی موپاساں کے خطوط کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسلام کی آمد سے قبل عرب میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشے سے تعلق رکھنے والے کو کاتب کہا جاتا تھا۔ اسلام کے ظہور ہونے پر اس فن نے کافی ترقی کی اور اس کی نگہداشت اور یادداشت کو کثرت اور وسعت عطا ہوئی۔ مسلمانوں نے پہلے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو محفوظ رکھا۔ کم از کم چار خطوط اب تک اپنی اصلی

حالت میں محفوظ ہیں۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں خط لکھنے کیلئے کاتب مقرر کئے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر نے پہلی بار ''دارالانشاء'' قائم کیا اور ان کے زمانے میں حضرت زید بن ثابت کے علاوہ عبداللہ بن ابی بن خلف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاتب مقرر کئے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ذمہ داری مروان بن حکم کو سونپی تھی۔ جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عہد میں حضرت عبداللہ بن ابی رافع اور حضرت سعید بن نجران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کاتب مقرر کیا گیا۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد میں اس فن کو کافی عروج حاصل ہوا، دوسری صدی میں امام مالک علیہ الرحمہ کا خط خلیفہ ہارون رشید کے نام اور امام ابولیث کا خط امام مالک علیہما الرحمہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ خطوط نگاری میں مہارت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی کتابیں اور نمونے کے خطوط شائع کئے گئے ان میں ابوبکر الخوارزمی کے رسائل مقامات، بدیع الزماں الہمدانی اور ابومحمد القاسم الحریری کی مقامات حریری تصنیف ہوئیں، علماء اور صوفیوں میں امام غزالی کے مکتوب سے پہلے کی کوئی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ خطوط نویسی کے آداب اور اس کی تاریخی ارتقاء پر عربی زبان میں ''صبح الاعشیٰ'' جیسی ضخیم تصنیف ابوالعباس شہاب الدین نقشبندی نے لکھی۔ اس کے علاوہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے دیلمیوں، سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں کی حکومت میں بھی اہل قلم ادیبوں کو اپنے خطوط اور مراسلات کے جمع کرنے کا ذوق پیدا ہوا، اس خیال کی تحریک دو وجہوں سے ہوئی ایک تو یہ کہ ان عجمی بادشاہوں کی زبان فارسی اور ان کی حکومت کی زبان عربی تھی۔ مامون رشید کے زمانے سے ہی فارسی زبان میں خطوط و کتابت کا سراغ ملتا ہے۔ عجمیوں نے جہاں جہاں اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں فطری طور پر خط و کتابت

فارسی میں ہونے لگی۔ ادھر ہلاکو خان کے ذریعہ دولت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عربی زبان کا وقار بھی ختم ہو چکا تھا۔ لہذا فارسی انشاء کو فروغ پانے کا موقع مل گیا۔ فارسی کے ادیبوں میں صابی، صاحب اور عماد کاتب سے لیکر "مسل السائر" کے مصنف ابن عبدالکریم تک بہت سارے ایسے انشاء پرداز گزرے ہیں جن کے خطوط اور مراسلے ادب کے بیش بہا سرمایہ تصور کئے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے شاہی ادیبوں میں آئینہ اکبری کے مصنف اور اکبر کے نورتن ابوالفضل کے خطوط کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ فارسی میں صوفیانہ مکتوبات میں ہندوستان کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ مذہبی اور اخلاقی تعلیم فلسفہ وتصوف کے رموز ونکات کی تشریح وتعبیر کے لئے ہمارے صوفیاء نے مکاتیب نگاری کا سہارا لیا اور ان کے توسط سے مریدین معتقدین کی رشد ہدایت کی۔ ان میں مخدوم الملک شرف الدین یحیٰ منیری کے مکتوبات صدی، کے علاوہ سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید محمد مکی (صحائف السلوک) شاہ ولی اللہ علیہم الرحمہ کے مکتوبات آج بھی کوثر وسلسبیل کے روحانی پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ ان صوفیاء کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندی، عبدالقدوس گنگوہی، رشید الدین فضل اللہ، مولانا عبدالرحمٰن جامی، منیر لاہوری علیہم الرحمہ وغیرہ کے مکاتیب پر مشتمل کتابوں کا ادبی مرتبہ آج بھی بہت بلند ہے اور تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہیں۔ بادشاہوں میں اورنگ زیب عالمگیر کے "رقعات" اس چمن کے سدابہار پھول ہیں، علماء اور صوفیاء کے یہ خطوط اپنی روحانی برکتوں، علمی بحثوں اور مذہبی حقیقتوں کے سبب سے ہماری عقیدتمندیوں کا صحیفہ تصور کئے جاتے ہیں۔

اردو میں مکتوبات نگاری کا باقاعدہ آغاز مرزا اسداللہ خان غالب سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اردو کے شعرا متقدمین کے مکاتیب کا پتہ نہیں چلتا۔ مرزا غالب

کے دو مجموعے ''عود ہندی'' اور ''اردوئے معلیٰ'' کی انشاء پردازی کو ادبی اہمیت حاصل ہوگئی۔ اپنے خطوط کے بارے میں خود مرزا غالب کا دعویٰ ہے:

''میں نے مراسلہ کو مکالمہ بنادیا ہے''

مرزا غالب کے بعد خطوط کو لکھنے اور انہیں محفوظ کرنے کا ایسا سلسلہ چلا کہ اس کی ادبی حیثیت مسلم ہوگئی۔ سرسید کے خطوط، مولانا حالی کے مکاتیب، خواجہ محسن الملک کے مکتوبات، امیر مینائی کی تحریریں، اکبر مرحوم کے عنایت نامے، مولانا شبلی کے مکاتیب کے علاوہ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خطوط، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی اور خواجہ حسن نظامی نے اپنے خطوط میں انشاء پردازی کے کمالات دکھائے۔ نواب مرزا خان داغ دہلوی اور ان کے شاگرد علامہ اقبال، صاحب طرز انشاء پرداز نیاز فتحپوری ومہدی افادی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی وغیرہ نے اپنے اپنے طور پر اسلوب کی توانائی اور انداز بیان کی شگفتگی کے علاوہ علمی وادبی نکات کو بھی نہایت اعتماد اور سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کے مجموعے خصوصاً ''غبار خاطر'' کی اشاعت نے علمی نثر کو ادبی رنگ وآہنگ عطا کیا جس سے بلاشبہ اردو کے مکتوباتی ادب کا وقار بڑھا ہے۔

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد، عشق رسالت کے گنج ہائے گراں مایہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی شخصیت مستغنی عن التعارف ہے۔ آپ کے علمی ودینی کارناموں سے مسلمانوں میں جو ذہنی وفکری انقلاب پیدا ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔ جس کی شہادت پوری صدی دے رہی ہے۔ آپ کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا، جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمادیا۔ علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ، تفسیر، ریاضی، ہندسہ، تصوف، سلوک تاریخ،

لغت، ادب کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں

میری گفتگو کا موضوع اس کثیر الجہات شخصیت کے صرف ایک کارنامہ یعنی اعلیٰ حضرت کی مکاتیب نگاری کا فکری وفنی تجزیہ ہے، تاکہ فاضل بریلوی کے مکاتیب کی افادیت واہمیت کے تمام نکات اجاگر ہوسکیں، آپ کے خطوط میں بے شمار حقائق ومعارف اور مسائل دینیہ کے گوہر آبدار نمایاں ہیں، ان کے توسط سے معاشرتی زندگی کے مسائل کے حل بھی تلاش کئے جاسکتے ہیں، دوسری طرف ان مکاتیب کے مطالعے کے بعد اسلامی احکام کی پیروی کا جذبہ دلوں میں امنڈنے لگتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے روزمرہ کے مشاغل، تعلیمی سرگرمی، دینی وملی خدمات کے علاوہ اکابرین دین وملت سے ان کے تعلقات کا اندازہ بھی ان خطوں کے ذریعہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ فاضل بریلوی کی مکتوب نگاری کی سب سے بڑی خصوصیت انشاء پردازی، کا کمال ہے۔ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ ومعیاری خطوط نگاری کی ظاہری ومعنوی خوبیوں سے ان کے مکاتیب آراستہ وپیراستہ ہیں اور عالمانہ شان کے مظہر آیئے ایسے مکاتیب کی نشاندہی کی جائے۔ حضرت مولانا شاہ محمد میاں مارہروی قدس سرہ سجادہ نشیں مارہرہ شریف نے فاضل بریلوی سے مکاتیب کے ذریعہ کثرت سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے نام ایک خط اعلیٰ حضرت نے چند ہی فقہی مسائل کا جواب اس عالمانہ انداز سے دیا ہے کہ ایک خط کئی کتابوں پر بھاری ہے۔

''جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو نماز منفردانہ پڑھیں کہ جماعت واجب ہے، اس کی تقدیم، امامت کے لئے اسے آگے بڑھانا، بکراہت تحریم

اور واجب ومکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں، ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں اور ظہر اعادہ کریں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم ہے اسی طرح اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں۔ الفتنۃ اکبر من القتل''۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''سود لینا مطلقا حرام ہے۔ مسلم سے یا کافر سے، ہاں اگر ڈاک خانے میں یہ جمع کرے اور ڈاک خانہ اس پر جو کچھ زیادہ دے، اسے سود کی نیت سے نہ لے، بلکہ یوں کہ ایک برضائے غیر مسلم بلا عذر ملتا ہے، تو لے لینا جائز ہے اور فقرائے مسلمین پر اس کا صرف اولیٰ۔''

اعلیٰ حضرت کے خط کا اقتباس ہمارے اس خیال کو تقویت بخشتا ہے کہ خطوط کے ذریعہ آپ نے دین متین کی نہ صرف تبلیغ فرمائی بلکہ اسلامی علوم وفنون کو سہل انداز میں پیش کرنے کا ہنر عطا کیا۔ مذکورہ اقتباس میں اعلیٰ حضرت کے مزاج کی اعتدال پسندی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے، فقہی مسائل کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ قوت استدلال کی خوبی موجود ہے۔ علمی مباحث میں مکتوب الیہ کے علمی استعداد کے بموجب زبان استعمال کی گئی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی وسیع المشربی، رواداری، محبت وشفقت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن جب اپنے قریب ترین معتقد، مرید یا کسی فرد کو اسلامی شعار کی خلاف ورزی کرتے دیکھتے ہیں تو بے باکانہ طور پر اس کا اظہار اس پیرائے میں مخاطب سے کرتے کہ وہ خود شرمسار ہو کر فعل کے ارتکاب سے توبہ کرتا ہے، اس کا اندازہ بھی فاضل بریلوی کے مکتوبات کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً اعلیٰ حضرت کا ایک مکتوب حضرت مولانا شاہ عبد السلام جبل پوری کے نام ہے۔ اس خط میں مولوی سخاوت حسین صاحب سہوانی کے صاحبزادے

غلام قطب الدین جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلمیذ رشید تھے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''غلام قطب الدین صاحب جب کبھی یہاں تشریف لائے، فقیر کے ساتھ بہت خلوص سے پیش آئے، سر پر بال بہت لمبے مثل نساء تھے۔ فقیر نے عرض کی کہ یہ حرام ہے۔ اسی جلسہ میں کتر واڈالے۔ ان کا برہم چاری لقب البتہ ہندوانہ اور سخت معیوب ہے۔'' (ماخذ مکتوب ۴ر ربیع الاول شریف، ۳۲ھ)

محسوس کیا جاسکتا ہے کہ فاضل بریلوی کی تحریر سے غلام قطب الدین صاحب کے سلسلے میں کسی قسم کی استہزائی یا تضحیک کا پہلو نمایاں نہیں ہے۔ جذبہ اصلاحی ہے اور پھر مخاطب کو قائل بھی بالکل فقہی نکات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ خصوصاً یہ جملہ ''ان کا برہم چاری لقب البتہ ہندوانہ اور سخت معیوب ہے'' میں بھی خلوص کی گہرائیاں موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی انشاء پردازی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ان کی تحریر میں کسی قسم کا اشتعال یا سخت گیری کا پہلو نہیں ہوتا۔ اشاروں میں بات کہہ جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خطوط میں انشاء پردازی کے لحاظ سے کہیں کہیں مرزا غالب کا رنگ نمایاں ہے، پہلے مرزا غالب کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ کیجئے جو نواب انوار الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق کے نام ہے۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

''حضرت پیر و مرشد اگر آج میرے سب دوست اور عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسم تہنیت بجالاؤ، خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انوار الدولہ کا خط لایا''۔

مرزا غالب کے خطوط نگاری کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہم قوافی الفاظ کے استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے تحریر میں جاذبیت اور شیرینیت

پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مذکورہ اقتباس میں فراہم ہوتے، باہم ہوتے آؤ، بجالاؤ، دن دکھایا، خط لایا، تحریر میں ایسے الفاظ کی صوتی آہنگ سے لطف، مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت اعلیٰ حضرت کے مکاتیب میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثلاً ان کے ایک خط کا اقتباس پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ خط حضرت مولانا شاہ عبدالسلام کے نام ہے:

''دعائے جناب واحباب سے غافل نہیں، اگرچہ منہ دعا کے قابل نہیں۔ اپنے عفو وعافیت کے لئے طالب ہوں، کہ سخت محتاج دعائے صلحاء ہوں، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل''۔

صوتی آہنگ کے لئے قوافی کا التزام اعلیٰ حضرت نے بھی کیا ہے۔ جناب، احباب، غافل نہیں، قابل نہیں، طالب دعا ہوں، دعائے صلحاء ہوں، اجل نزدیک، عمل رکیک، ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نثر میں شاعری کی ہے۔ پڑھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے خیال سے اعلیٰ حضرت کے اس اقتباس کا تقابلی مطالعہ مرزا غالب کے مذکورہ اقتباس سے کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت مرزا غالب پر برتری لے گئے ہیں۔ مرزا غالب کی تحریر میں ظرافت اور مردم پرستی کا عنصر نمایاں ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں خاکساری، انکساری، کے علاوہ بے ثباتی عالم کا درس بھی ہے، جو ہمیں دعوت فکر دیتا ہے۔ اس طرح یہ کہنے میں ہمیں ذرا بھی تامل نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے مکاتیب میں علم وعرفان کی فضا دل کشی کے ساتھ ملتی ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خطوط عام طور پر طویل نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض کام کی باتوں کے اظہار کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں الجھتے البتہ جو کچھ لکھتے ہیں، نہایت اعتماد، استناد اور صداقت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو لکھے ایک مکتوب میں فاضل بریلوی نے جہاں

ایک فقہی مسئلے کا جواب نہایت استناد کے ساتھ پیش کیا۔ وہیں دوسرے حوالہ جات کے سلسلہ میں بھی معیاری اور معتبر کتابوں کو پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ اقتباس:

"تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ ورد میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے علیہ السلام کے اختصار ع،م لکھنا کفر ہے۔ تخفیف شان نبوت ہے۔ اب کبھی بانکی پور جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ اگر آپ کو ملے تو بحوالہ کتاب و باب و فصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے۔

(مکتوب بنام مولوی ظفر الدین کا اقتباس)

اس اقتباس سے اعلیٰ حضرت کی فقہی معلومات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مسائل کے استنباط و استخراج کی بھرپور صلاحیت فاضل بریلوی میں تھی۔ اس چھوٹے سے اقتباس سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ دونوں کے درمیان کہنے سننے کی فضا ہے۔ پوچھنے اور بتانے کا ماحول ہے۔ گفتگو عالمانہ ہے، لیکن خشک نہیں۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

اعلیٰ حضرت کو دیار حبیب سے کس قدر عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ ان کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے۔ وہاں پہنچنے کے لئے کس طرح بے تاب نظر آتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام جائداد کا معاملہ نپٹا کر ہمیشہ کے لئے گنبد خضریٰ کے زیر سایہ بچی ہوئی زندگی گزار دی جائے۔ لیکن وائے حسرت خانگی بٹوارہ مخل ہوا رقم کے انتظام نہ ہونے کی وجہ سے خالی ہاتھ جانا طبیعت کو ناگوار گزرتا ہے۔ اپنے ان جذبات کی ترجمانی اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں:

"وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ بھی مرنے کو نہیں چاہتا۔ اپنی خواہش یہی کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ

دفن نصیب ہوا اور وہ قادر ہے ۔ بہر حال اپنا خیال ہے ، مگر جائیداد کی جدائی یہ لوگ کسی طرح نہ کرنے دیں گے ۔ خریدار کو مجھ تک پہنچنے ہی نہ دیں گے ۔ کوئی منقول شے نہیں کہ بازار بھیج کر نیلام کردی جائے اور خالی ہاتھ بھیک پر گزرنے کے لئے جانا شرعاً جائز نہ دل کو گوارا ، دعا کیجئے کہ ہر کام کا انجام بخیر ہو۔

والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

۱۸ر ماہ مبارک ۳۲ھ

پوری تحریر شاہد ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں بسر ہوتا رہا ۔ آپ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے ۔ جن کے قلب عشق الٰہی و محبت رسول سے سرسبز و سرشار ہیں ۔ آپ شریعت کے امام و مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت کے بادشاہ بھی ہیں ۔ لہٰذا خالی ہاتھ جانا فاضل بریلوی کو گوارا نہ ہوا۔

حوالہ جات:

(۱) رشید احمد صدیقی ، ''مکتوبات نیاز پر اظہار خیال'' مشمولہ رسالہ نگار لکھنؤ ، جولائی ۱۹۴۰ء ۔

(۲) پروفیسر خورشید الاسلام ، تنقیدیں ۸۷۵

(۳) مولوی عبدالحق ''ادبی تبصرے'' ص: ۷۶

☆☆☆☆

☆

مسلمان قوم ایک چشمہ ہے......اور سب قومیں پیاسی، تشنہ لب

کوئی زمانہ تھا...... یہ چشمہ اچھلتا بہت تھا...... آبشار سے زیادہ

زمانے سیراب ہوئے...... قومیں آسودہ ہوئیں

تاریخ شاہد ہے

مگر آج یہ چشمہ کیا گدلا ہو گیا؟

کیا خشک ہو گیا؟...... نہیں نہیں

کنتم خیر امة اخرجت للناس......

......تم تو سب سے بہتر ہو

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین......

ہاں، ایمان پر قائم رہے تو تم ہی سب سے برتر ہو۔

اے قوم مسلم!

تو پھر انحطاط اور پستی کی وجہ کیا ہے؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۱۷، ۱۸)

ملک العلماء

مکتوبات رضا کے آئینے میں

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

ماہنامہ، کنز الایمان دہلی
اکتوبر ۲۰۰۰ء ص: ۴۱ تا ۴۳

☆

چلچلاتی دھوپ میں...... کسان نے ہل چلایا...... کھیت جوتا
تیار کیا...... بیج ڈالا...... کھیتی اگائی...... نرائی کی...... پکی کھیتی تیار ہوئی
فصل کاٹی...... کھیت سے کھلیان لایا...... شہر لے گیا
بھاؤ ملا...... بیچ دیا...... دام کھرے کئے...... سر میں کیا سودا سمایا
شہر کی عشرت و شہوت میں ڈوب گیا
نشہ ہرن ہوا...... تو دیہات لوٹا...... زمیندار نے کہا: حساب چکاؤ
حساب و کتاب تو کیا چکاتا...... غبارے سے ہوا نکل گئی...... زمین دار نے زمین چھین لی
اوپر سے تاوان (جرمانہ) عائد کر دیا...... کسان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا

دولت والو!

اقتدار والو!

یہ دولت و اقتدار تمہارے ہاتھوں چند روز کی امانت ہیں

کان لگا کر سنو!

تم سے بھی اس امانت کا حساب لیا جائے گا

دیکھو کسان کی حالت زار سامنے ہے

عبرت لو

عبرت پکڑو

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۵۸)

ملک العلماء
مکتوبات رضا کی روشنی میں

غلام جابر شمس مصباحی پورنوی

ملک العلماء حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین ، دریائے گنگا کے لب پر آباد شہر عظیم آباد، پٹنہ میں پیدا ہوئے، شفقت پدری کی گھنیری چھاؤں میں تعلیمی سفر کا آغاز کیا، نہر نہر، دریا دریا، غواصی کرتے رہے اور آبدار موتی مونگا چن چن کر دامن مراد بھرتے رہے۔ تا آنکہ توفیق ایزدی نے سعادت شعار جویائے علم کو فضیلت آثار استاذ، امام احمد رضا کی دہلیز پر پہنچا دیا، بلبل کو پھول اور پیاسے کو پنگھٹ چاہیے، بس یہیں انہوں نے ڈیرا ڈالا، آسن جمایا اور دھونی رمایا، ذہین و فطین، اخاذ و نباض، موفق من اللہ اور تراشیدہ کمال قدرت تو تھے ہی، امام احمد رضا کی فیض صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور پھر یہیں سے آپ کی حیات مستعار کا دوسرا زریں دور شروع ہوا، بریلی، آرہ، پٹنہ، کلکتہ، سہسرام، اور کٹیہار کی کشت علم پر برکت علم برسا کر خیابان رضا سے اٹھنے والا یہ ابر بارندہ اپنی ہی زمین کے افق پہ جا کر تھم گیا اور خاک ہند کے جس مردم خیز خطے سے علوم و معارف کا یہ سورج اگا تھا، برصغیر کے ذرے ذرے کانٹے کانٹے کو چمکا کر اسی خطے کے ایک حصے ''شاہ گنج'' میں روپوش ہو گیا۔

ملک العلماء امام احمد رضا کے سب سے بڑے مکتوب الیہ ہیں، چونکہ امام احمد رضا کے ذخیرۂ مکاتیب میں سب سے زیادہ مکتوب آپ ہی کے نام ملتے ہیں، جو کمیت وکیفیت اور قدر وقیمت ہر دو اعتبار سے نہایت وقیع ہیں، لہٰذا مکتوبات رضا کے اجالوں میں ملک العلماء کو تلاش کرنے سے پہلے، آیئے اس عظیم ومحبوب تر مکتوب الیہ کی سدا بہار زندگی کا اجمالی خاکہ پیش نظر رکھئے۔

۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ میں وہ پیدا ہوئے ۱۳۲۰ھ میں اپنے زمانے کے ماہر ومشہور استاذ حدیث مولانا وصی احمد محدث سورتی سے مدرسہ ''حنفیہ'' پٹنہ میں اخذ علم کیا۔ ۱۳۲۱ھ میں ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا احمد حسن کانپوری سے معقولات میں استفادہ کیا، ۱۳۲۱ھ میں ہی مرکز علم وعرفاں بریلی حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ ۱۳۲۲ھ میں ''منظر اسلام'' کے قیام میں بانیانہ کردار ادا کیا، ۱۳۲۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، سنہ مذکورہ ہی میں منظر اسلام کے استاذ نامزد ہوئے اور امام احمد رضا نے تمام سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت عطا فرمائی، نیز ''ملک العلماء اور فاضل بہار، کے خطاب سے نوازا، ۱۳۲۶ھ میں اونی مدنی جبہ دے کر مناظرۂ میوات کے لئے روانہ فرمایا۔ ۱۳۲۹ھ تک بریلی رہے، دینی خدمات کا ریکارڈ قائم کیا، پھر شملہ اور آرہ ہوتے ہوئے ۱۳۳۰ھ کو مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی مسند فقہ وتفسیر کو زینت بخشی، ۱۳۳۴ھ میں ''خانقاہ کبیریہ'' سہسرام تشریف لے گئے اور علم وفضل کے گوہر لٹائے ۱۳۲۶ھ ہی میں فرخندہ لڑکا تولد ہوا، تو امام احمد رضا نے تہنیت کا تار بھیجا، ۱۳۳۸ھ میں بحیثیت سینئر استاذ باصرار دوبارہ مدرسہ ''شمس الہدیٰ'' بلالئے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ ''شمس الہدیٰ'' کے پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے، ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء ''ظفر منزل'' شاہ گنج میں اقامت گزیں ہوکر عبادت وریاضت اور تصنیف وتالیف کرتے رہے، ۱۹۵۰ء میں شہر

کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا۔ ۱۹۶۰ء تک یہیں آپ کا چشمہ علم وفن بحر قلزم اور مہا ساگر بن کر بہتا رہا، ملک العلماء کے شہکار شاگرد علامہ خواجہ مظفر حسین پورنوی، اسی زمانہ خیر وبرکت کی حسین یادگار ہیں۔ ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال فرمایا۔

اس تمہیدی خاکہ کی روشنی میں حیات ملک العلماء کو مقالہ نگار تین ادوار میں تقسیم کرتا ہے، پہلا دور ۱۳۰۳ھ تا ۱۳۲۱ھ۔ دوسرا دور ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۴۰ھ۔ اور تیسرا دور ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔ پہلا دور اور تیسرا دور ظاہری ربط وتعلق سے خالی نظر آتا ہے، البتہ تیسرے دور میں نسبت علمی اور روحانی تعلق ضرور قائم ہے بلکہ اس رسم محبت کا رشتہ تو جتنی بہاریں لوٹنے تک استوار رہے گا۔ بچا دوسرا دور جو نہایت تابناک ہے اور تقریباً ۱۹ سالوں پر محیط۔ پھر اس کی بھی تین حیثیتیں ہیں، (۱) ملک العلماء بحیثیت طالب علم ۱۳۲۱ھ تا ۱۳۲۵ھ (۲) ملک العلماء بحیثیت مدرس ''منظر اسلام'' مصنف، مناظر، معتمد مفتی اور مشیر خاص امام احمد رضا ۱۳۲۵ھ تا ۱۳۲۹ھ، (۳) ملک العلماء بحیثیت مفسر، محدث، فقیہ، مناظر، مصنف، مرشد طریقت، مکتوب الیہ اور مسلک امام احمد رضا کا جاں سپار نقیب وترجمان۔

راقم آثم کا موضوع گو تیسری حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، مگر پہلی دونوں حیثیتوں پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے تاکہ ربط باہم کے نشانات ابھر ابھر کر خود سامنے آسکیں۔

۱۳۲۱ھ میں ملک العلماء بریلی شریف وارد ہوئے ہیں اور چند دنوں میں ہی وہ اپنی ذہانت ومتانت بلند سیرت، حسن عمل، علمی اٹھان، اور فکری اڑان کی بنا پر امام احمد رضا کے دل میں گھر بنا لیتے ہیں، وہ حلوا کھاتے ہیں، عیدی وتہوار پاتے ہیں، خاص خاص موقع پر جوڑا ملتا ہے، اونی مدنی جبہ دیا جاتا ہے وہ بھی حرم نبوی کا وہ پھولے نہیں سماتے ہیں، ان کے لئے کرتا، ٹوپی، پائجامہ، اور بیش قیمت انگرکھا بنایا جاتا ہے، وہ برسوں

ان کا استعمال کرتے ہیں، اتنا سارا پیار کیوں نہ ملے، وہ مربی و مشفق اتالیق یہ سراپا ادب ونیاز تلمیذ، آہ! کیسے کیسے الطاف وعنایات خسروانہ اور کیا کیا انعام واکرام کہ سو سو جان قربان! امام احمد رضا خود فرماتے ہیں ''جیسے مصطفیٰ (مفتی اعظم ہند) ویسے تم'' شفقت استاذ نے اندر باہر کی تفریق مٹا دیا تھا، عربی مدارس کے اساتذہ سبق سیکھیں۔

درس نظامی کی تکمیل اور رسم فراغت سے تین سال پہلے ہی ۱۳۲۲ھ میں ملک العلماء نے پہلا فتویٰ لکھا، جھجھکتے ہوئے اصلاح کے لئے امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کیا، پھر کیا ہوا، اس کی منظر کشی انہیں کے لفظوں میں دیکھئے اور بلندی اقبال پر رشک کیجئے۔

''۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو میں نے فتویٰ لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لئے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اعلیٰ حضرت (مولانا نقی علی خان) والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے، اسی لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لئے دیتا ہوں''۔

علم وحکمت، بصیرت وتدبر، اصابت رائے، صلابت فکر، سچے شعور، اور راست سوچ کے پیکر تھے۔ ملک العلماء، امام احمد رضا کی جوہر شناس نگاہوں نے نظر اول ہی میں پہچان لیا، ان کی گہری سوچ اور باوزن افکار کا کس قدر احترام تھا امام احمد رضا کے یہاں، ''جامعہ منظر اسلام'' کی تاسیس کے پس منظر میں ذرا جھانک کر دیکھئے، سب سے پہلا داعیہ جس کے دل میں انگڑائی لیا، وہ ملک العلماء ہی تھے اور ''منظر اسلام'' کے موسس علام اپنے ہونہار محرک اور ہنر مند مجوز کی خوبصورت تحریک وتجویز کو رد نہ فرما سکے،

تحریک کی طاقت اور خلوص فکر رنگ لایا اور اسی سال منظر اسلام کا قیام عمل میں آ گیا، تفصیلات کے لئے مولانا محمود احمد قادری کی ''تذکرہ علمائے اہل سنت'' وغیرہ دیکھئے۔

بعد میں یہی ''منظر اسلام'' بغداد العلم کہلایا، رشک یونان واصفہان بنا، غرناطہ سبکسار اور دہلی، لکھنو شرمسار ہوا، بڑے بڑے علمی مراکز سرنگوں ہوئے، اونچی درسگاہیں اور نامور تعلیم گاہیں للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہوگئیں، رحمت رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں اور مدینۃ العلم کے رحمت بردوش معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش وکرم نے امام احمد رضا کو حجازی حافظان حدیث اور فاضلان علوم اسلامیہ کا معلم بنا دیا۔ اللہ اکبر! خدمت خلق، اشاعت علم اور حب نبی کا بیش بہا صلہ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا، اسی مشہور آفاق مرکز علم وحکمت کے پہلے برگ وبار اور اولین فصل بہار ہیں، ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین، خدا! اپنی تجلیوں سے تو ان کے شبستان خاکی کو جگمگائے رکھ، رحمتوں کے پھولوں سے مہکائے جا!!

مدارس وجامعات کی تاریخ میں شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ بانی، متعلم اور پھر معلم، کسی شخص واحد کو یہ تینوں حیثیتیں بیک وقت میسر ہوئی ہوں کہ ادارے کی تاسیسی تحریک میں مثل موسس رول ادا کرے، چٹائی پہ بیٹھے، زانوئے تلمذ تہہ کرے، اور تکمیل درسیات ہوتے ہی اسی درسگاہ کی مسند تدریس کی زینت بنا دیا جائے، اس خصوص میں ملک العلماء منفرد نظر آتے ہیں۔

زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرۂ زمین پر قدیم وجدید تعلیمی مراکز میں جو چراغ علم فروزاں ہے اس کے روغن کا سر رشتہ مجدد اسلام اور منظر اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے، ماتم یہ ہے کہ تاریخ مرتب نہیں، منظر اسلام کی خدمات جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، کا تاریخی تناظر میں جائزہ لیا جائے اور تمام کارنامے جو پس منظر میں چلے گئے یا دفتر گاؤ

خورد ہو کر رہ گئے ہیں، پیش منظر لایا جائے، تاریخ ہند میں خدمت علم اور اشاعت دین کا یہ سب سے روشن باب ہے، مگر ہائے صد حیف! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے، خزانے کھنگالے جائیں، دفینے اجالے جائیں جامعہ منظر اسلام کے موجودہ ارباب مجاز کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

''منظر اسلام'' قائم ہو گیا۔ ملک العلماء پڑھتے، امام احمد رضا کے مشاغل علمیہ میں ہاتھ بٹاتے، نقل و تبییض کرتے، حوالہ جات نکالتے، حوادث زمانہ پر گہری نظر رکھتے، وقت کے سرکشوں کو کرارا جواب دیتے، الصحبۃ مؤثرہ کے بموجب راہوار قلم کو مہمیز لگ چکی ہوتی ہے، لہٰذا وہ تصنیف و تالیف بھی کرتے، عہد طالب علمی ہی کی یہ پانچ کتابیں یادگار ہیں، (۱) ظفر الدین الجید ۱۳۲۳ھ (۲) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ۱۳۲۳ھ (۳) الحسام المسلول علی منکر علم الرسول ۱۳۲۳ھ (۴) شرح کتاب الشفا، بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ (۵) مبین الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ ۱۳۲۴ھ، ان میں سے مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس کو عرس کی شرعی حثیت کے عنوان سے ادارۂ افکار حق بائسی پورنیہ بہار نے کوئی دس سال پہلے شائع کیا ہے، اور اس پر امام احمد رضا قدس سرہ کی تقریظ جلیل مرقوم ہے اور مطبع اہل سنت بریلی سے چھپی بھی تھی۔

۱۳۲۵ھ میں ملک العلماء نے نصاب تعلیم پورا کیا، تو خوب دھوم سے جشن بہاراں منایا گیا ان کے ماتھا مبارک پہ ورثۃ الانبیاء کا تاج سجا، عبا قرۂ عصر کے بابرکت ہاتھوں نے دستار باندھی سند و شہادت سے نوازے گئے، بیعت مرشد کا شرف حاصل تو تھا ہی، جملہ سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ ''ملک العلماء'' اور ''فاضل بہار'' خطاب عطا ہوا، میکدہ کا جو بھی میکش تھا، ساقی مقرر ہوا، جو بھی تشنہ تھا، سیراب ہو گیا، جو بھی متعلم تھا، طالبان علوم نبوت کا معلم نامزد ہوا، واہ رے! سرفرازیاں!!

ان سعادتوں میں بھی ملک العلماء کی انفرادی شان معلوم ہوتی ہے۔

بحر شریعت و طریقت کے تیراک ، امام احمد رضا کے علم و عمل کا مظہر ، فکر و قلم کا پرتو ، فیضان نظر کی کرامت اور خصوصی توجہات کے محور نے بصد اعجاز جب تدریس کی ابتداء فرمائی ، تو عمل تدریس ، نصاب تعلیم ، نظام اخلاق ، مدرسین و معلمین و متعلمین کی تعداد یا ان کے کھان پان اور رہائش وغیرہ اور منظر اسلام کی تعمیر و توسیع ، کن کن جہتوں میں کیا۔ اصلاحات و ترمیمات ہوئیں ، کیسی کیسی ترقیاں ہوئیں اور کس قسم کے اثرات و ثمرات رونما ہوئے۔

جس درسگاہ فیض بخشش کا ہر ذرہ آفتاب و مہتاب بن کر چمکا ، افسوس ! ان احوال تک دست قلم کی رسائی نہیں لیکن ملک العلماء کے چاک و چوبند ذہن و دماغ اور زمین شور میں سنبل اگانے والی صلاحیت و قابلیت کے قرین قیاس یہی ہے کہ نمایاں ترین نتائج برآمد ہوئے ہوں گے۔

۱۳۲۶ھ میں ملک العلماء اپنی عمر کی بائیسویں بہار سے گزر رہے تھے ، علاقہ میوات فیروز پور میں توہب زدہ گاؤں کے ٹھیکیداروں نے اودھم مچا رکھا تھا ، حضرت مولانا صوفی شاہ رکن الدین الوریؔ نے ، حضرت مولانا احمد حسین رام پوری کو بریلی بھیجا کہ وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو وہاں کے حالات کہہ سنائیں اور کوئی مناظر لیتے آئیں۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے مصنف کی تحریر پڑھئے۔

''اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے ، آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیوں کو شکست دیجئے ، میں نے عرض کیا تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں ، حضور کے دعاء کی ضرورت ہے ، حضور کی دعا شامل حال رہی تو وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی ، اس وقت

اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے، میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔

اونی مدنی جبہ کے جلوؤں نے اپنا اثر دکھایا اور امام احمد رضا کی دعاء میرے ظفر کو اپنی ظفر دے، کی تاثیر و برکت سے کامرانیوں نے قدم چوما، وہابیوں کو سنگین شکست ہوئی اور آپ فاتح و غالب ہو کر واپس تشریف لائے، تمام تفصیلی روداد آپ کی کتاب ''شکست سفاہت میں موجود ہے۔ ''میرے ظفر'' میں جو پیار، اپنائیت، اور اعتماد کا عنصر پایا جاتا ہے اس سے ہر صاحب ذوق لطیف، لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

غیر مطبوعہ خطوطِ رضا کا جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

سالنامہ یادگار رضا ممبئی ۲۰۰۷
ص: ۹۰ تا ۹۶

☆

چلچلاتی دھوپ میں...... کسان نے ہل چلایا...... کھیت جوتا
تیار کیا...... بیج ڈالا...... کھیتی اگائی...... نرائی کی...... پک کھیتی تیار ہوئی
فصل کاٹی...... کھیت سے کھلیان لایا...... شہر لے گیا
بھاؤ ملا...... بیچ دیا...... دام کھرے کئے...... سر میں کیا سودا سمایا
شہر کی عشرت و شہوت میں ڈوب گیا
نشہ ہرن ہوا...... تو دیہات لوٹا...... زمیندار نے کہا: حساب چکاؤ
حساب و کتاب تو کیا چکاتا...... غبارے سے ہوا نکل گئی...... زمین دار نے زمین چھین لی
اوپر سے تاوان (جرمانہ) عائد کر دیا...... کسان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا
دولت والو!
اقتدار والو!
یہ دولت و اقتدار تمہارے ہاتھوں چند روز کی امانت ہیں
کان لگا کر سنو!
تم سے بھی اس امانت کا حساب لیا جائے گا
دیکھو کسان کی حالت زار سامنے ہے
عبرت لو
عبرت پکڑو
(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص:۵۸)

غیر مطبوعہ خطوطِ رضا کا جائزہ

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

آہ! اس عنوان میں کتنی کشش ہے۔ خصوصاً ان کا شوق، جو اس موضوع سے شغف رکھتا ہو اور دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ خاکسار نے اس جہت سے کام کیا ہے۔ خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا اور کام ابھی جاری ہے۔ یہ میدان بہت وسیع ہے۔ ایک نہیں، کئی جہتوں سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ اپنی وسعت اور پھیلاؤ کے سبب یہ کام ٹیم ورک چاہتا ہے۔

کتابیں ہوں، مقالات ہوں، ان کا ماحول و مزاج قطعاً مختلف ہوتا ہے۔ مکتوبات ہوں، ملفوظات ہوں، ان کا رنگ و آہنگ ہی الگ ہوتا ہے۔ وہاں تکلفات کا دخل ہو سکتا ہے۔ یہاں نگار خانۂ اندرون صاف کھلا ہوتا ہے۔ وہاں موضوعات متعین ہوتے ہیں۔ یہاں رنگا رنگی اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ وہاں قلم کار موضوع کے حصار میں قید ہوتا ہے۔ یہاں فن کار آزاد ہوتا ہے۔ وہاں گلِ واحد ہوتا ہے۔ یہاں گلہائے شوخ رنگ کی دلکش بہاریں ہوتی ہیں۔ وہاں فنکار کی شخصیت محجوب و مستور ہو سکتی ہے۔ یہاں

فن کار اپنی شخصیت چھپائے بھی تو چھپ نہیں سکتی۔ عیاں ہو ہی جاتی ہے۔ خطوط و ملفوظات جہاں اپنے فنکار کے راز ہائے حیات کھول دیتے ہیں وہیں ان میں پورا عہد اپنے تمام احوال و کیفیات کے ساتھ سانسیں بھی لیتا ہے۔ اس لئے خطوط و ملفوظات کی راست حیثیت مسلم ہے۔ داغ دار نہیں بے داغ ہے۔

اولیائے کاملین ہوں، علمائے عاملین ہوں، ان کے خطوط و ملفوظات کے جمع و ترتیب کا سلسلہ یارِ طرح دار کی زلفوں کی طرح دراز ہے۔ ان فن پاروں کی قدر کیجئے، یہ امراضِ قلب چھڑا دیتے ہیں۔ ان یاروں کی صحبت میں بیٹھئے، ان کی صحبت حبِ دنیا کی جڑ ہی کاٹ دیتی ہے۔ غمِ روزگار سے آزادی ہی مومن کا اصل سرمایہ ہے۔ کتابِ حکمت میں ارشادِ رسالت مآب میں اس کی بھرپور تاکید آئی ہے۔ امام احمد رضا آواز دیتے ہیں۔

کانٹا میرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

دل روشن تو جہاں روشن، اسی میں دو جہاں کا جوہر پوشیدہ ہے، دل زنگ آلود تو دو جہاں ابر آلود۔ امام احمد رضا کے مکتوبات و ملفوظات پر ان کی حیات ہی میں کام شروع ہو چکا تھا۔ مکتوبات پر کام وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے اور اب تک ہو رہا ہے۔ ملفوظات کا کام جہاں سے شروع ہوا تھا وہیں پر آ کر رک گیا۔ آگے کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ "الملفوظ" پر کام کرنے کی، اس کے چاروں حصوں کو از سرِ نو مرتب کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے۔ نئی کتابت اور پیرا بندی کر دی جائے۔ جو باتیں (ارشادات) اشاروں میں، بند لفظوں میں کہی گئیں، وہ ملفوف ہیں۔ انہیں قوسین میں کھول دیا جائے۔ آیات، احادیث، عربی فارسی عبارات، رجال، اماکن کی الگ الگ فہرستیں تیار کی جائیں۔ واقعات، قصص، روایات پر بھرپور روشنی ڈالی جائے۔ یہ کام حواشی و تعلیقات کے ذیل میں رکھا جائے۔ تمام حوالوں کی

تخریج دی جائے۔ یعنی ترتیب، تحقیق، تحشیہ اور تخریج جدید فنِ تدوین کی روشنی میں کیا جائے۔ غیروں کے اعتراضات کے مدلل جوابات دے دئے جائیں۔ تو یہ بے شک ایک بڑا کام ہوگا۔ بلاشبہ ''الملفوظ'' ایک اہم علمی و تاریخی آبگینہ ہے۔

بات دور نکل گئی، مگر ہے کام کی۔ آیئے ''غیر مطبوعہ خطوطِ رضا'' پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ حال ہی میں ایک کتاب ہمیں موصول ہوئی۔ مرتب معروف قلم کار ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، قادری کتاب گھر بریلی سے چھپی۔ سالِ اشاعت ۲۰۰۴ء ہے۔ ۹۲/صفحے کی اس کتاب میں ۲۲ مکتوب الیہ کے نام خطوط کی تعداد ۳۳ ہے۔ ان میں ۱۵/خطوط ہی میری ناقص معلومات کی حد تک غیر مطبوعہ ہیں۔ بقیہ ۱۸/خطوط متعدد مقامات میں چھپ چکے ہیں۔ ڈاکٹر عزیزی صاحب نے اس مجموعہ کا نام رکھا ہے ''غیر مطبوعہ خطوطِ رضا''۔ تسمیۃ الکل باسم الجز کے اعتبار سے یہ نام بالکل مناسب ہے۔ باعتبار یافت و اشاعت کے اس مجموعہ کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے۔

۱) ص ۱۰، ۱۱ پر سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کے نام دو خطوط ہیں۔ دونوں خطوط کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے ''عطیہ خصوصی مارہرہ شریف'' یہ عبارت قوسین میں ہے۔

۲) ص ۱۲، ۱۳ پر سید شاہ نور عالم مارہروی کے نام ایک خط ہے۔ کہاں سے ماخوذ ہے مذکور نہیں ہے۔ مدت مدید سے یہ خط چھپتا رہا ہے۔ (الف) ''الملفوظ'' حصہ اول ص ۳۵، ۳۶۔ (ب) ''حیاتِ مولانا احمد رضا'' از پروفیسر محمد مسعود، طبع کراچی ص ۹۲۔ (ج) ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۲۰۳، ۲۰۴۔

۳) ص ۱۴ تا ۲۲ پر سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں مارہروی کے نام ۵/خطوط ہیں۔ اول و دوم کے آخر میں قوسین لگا کر ''عطیۂ خصوصی مارہرہ شریف'' لکھا گیا ہے۔ سوم،

چہارم، پنجم یوں ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ خط نمبر۳ کا ماخذ یہ ہے۔ (الف) ''فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ''، طبع لاہور، جلد ۱۲، ص ۲۶۳۔ (ب) ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد اول، ص ۳۷۔ ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' میں سید صاحب موصوف کے نام خطوطِ رضا کی تعداد ۱۳ ہے۔ عزیزی صاحب کی دریافت سے اب یہ تعداد ۱۷ ہو گئی۔ سیدِ والا کے خطوط امام احمد رضا کے نام ۱۵ ہیں، جو خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا کی زینت ہیں۔

۴) صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے نام ایک خط ہے۔ حوالہ کیا ہے، موجود نہیں ہے۔ ماخذ یہ ہے۔ (الف) ''حیاتِ صدر الافاضل''، طبع لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۶، ۱۳۷۔ (ب) ''صدر الافاضل'' مطبوعہ تنظیم صدر الافاضل، ممبئی ۲۰۰۲ء، ص ۲۷ تا ۲۹۔ مشہور عالمِ دین اور اہل قلم مولانا وارث جمال قادری، صدر تبلیغ سیرت ممبئی نے مجھے یہ کتاب ہدیۂ عنایت کی تھی۔ (ج) ''کلیاتِ مکاتیبِ رضا'' جلد دوم، ص ۲۹۵، ۲۹۷۔

۵) مولانا سید عرفان علی بیسل پوری کے نام ۴ر خطوط ہیں۔ یہ سب عزیزی صاحب نے حاصل کئے۔ ''بعض مکاتیب حضرتِ مجدد'' خود سید صاحب کی ترتیب ہے۔ اس میں ۱۳ خطوط ہیں۔ پھر یہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' میں نقل ہوئے ہیں۔ ایک خط میری دریافت میں آیا ہے۔ یہ کل ۱۴ر خطوط ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم میں ص ۹۲ تا ۱۰۵ درج ہیں۔ عزیزی صاحب کے دریافت شدہ خطوط سے اب یہ تعداد ۱۸ تک پہنچ گئی۔

۶) شیخ عظمت علی بیسل پوری کے نام دو خطوط ہیں۔ میرے لئے یہ نیا نام ہے، نیا مواد ہے۔ یہ عزیزی صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

۷) ص ۳۲ تا ۳۵ مولانا عبدالعزیز صاحب کے نام ایک خط ہے۔ یہ وضاحت نہیں کہ یہ خط کہاں سے لیا گیا ہے۔ میری معلومات میں یہ خط پہلی بار ماہنامہ

''الرضا'' بریلی شمارہ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ ص ۱۹، ۲۰ میں شائع ہوا۔ جو ''کلیاتِ مکاتیبِ رضا'' جلد دوم، ص ۱۴۷ تا ۱۵۱ میں شامل ہے۔

۸) حضرت مولانا مفتی عمر الدین ہزاروی جید عالم تھے، ان کے نام ایک خط ہے۔ مرتب نے حوالہ درج نہیں کیا ہے۔ یہ خط فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ، طبع لاہور، جلد ۷، ص ۲۵۴ پر موجود ہے۔ ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' ص ۱۴۴ پر بھی منقول ہے۔ خود مفتی ہزاروی نے امام احمد رضا کو ۸ر خطوط ارسال کئے ہیں۔ یہ ذخیرہ میری کتاب ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۹) ایک خط مولانا سید محمد عمر الہ آبادی کے نام موجود ہے۔ یہاں بھی ماخذ مذکور نہیں ہے۔ یہ خط مطبوعہ ہے۔ ''فتاویٰ رضویہ'' طبع ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۸۸ اور ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۱۵۱، ۱۵۲ پر دیکھ لیں۔ مولانا موصوف نے بھی امام احمد رضا کو خط لکھا ہے۔ جو ''خطوط مشائخ بنام امام احمد رضا'' میں شامل ہے۔

○ ۱۰) مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی کے نام بھی ایک خط ہے۔ جو پیشِ نظر مجموعہ میں غیر محولہ ہے۔ یہ خط ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شمارہ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ، ص ۱۸، ۱۹۔ اور ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۱۴۵، ۱۴۶ پر موجود ہے۔

۱۱) مولانا سلطان احمد خان بریلوی کے نام ایک خط ہے۔ ماخذ مذکور نہیں، یہ مرتب کی دریافت ہے۔ مولانا موصوف کے دو خطوط ''خطوطِ مشائخ بنام امام احمد رضا'' میں درج کئے گئے ہیں۔

۱۲) مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری کے نام غیر محول مکتوب پہلی مرتبہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان کی کتاب "سلامۃ اللہ لاھل السنۃ من سبیل العناد و الفتنۃ" طبع بریلی ۱۳۳۲ھ، ص ۴۳، ۴۷ میں اشاعت پذیر ہوا۔ ''کلیاتِ مکاتیب رضا''

جلد اول، ص ۲۷۳ تا ۲۷۶ میں بھی مندرج ہے۔

۱۳) مولانا نور احمد فریدی بیسل پوری کے نام ایک خط ہے۔ یہ بھی بنا حوالہ درج ہے۔ (الف) فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ، طبع لاہور، جلد ۱۴، ص ۶۴۱ تا ۶۴۶ اور ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۳۰۴ تا ۳۰۸ پر مطبوع ہے۔

۱۴) ص ۴۹ تا ۵۳ سردار مجیب الرحمٰن خان لکھیم پوری کے نام بھی ایک ہی خط ہے۔ جو بے حوالہ ہے۔ یہ خط (الف) ''فتاویٰ رضویہ'' طبع ممبئی، جلد ۱۲، ص ۱۸۹ تا ۱۹۲۔ (ب) ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۲۵۹ تا ۲۶۵ پر درج ہے۔

۱۵) ص ۵۴ پر مولانا حکیم عبدالقیوم بدایونی کے نام ایک خط ہے۔ یہ غیر مطبوعہ بھی ہے، غیر محولہ بھی۔ یہ حضرت مرتب کی کوشش و یافت ہے۔

۱۶) ص ۵۵ تا ۶۱ مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی کے نام ایک خط ہے۔ یہ بھی غیر مطبوعہ ہے اور غیر محولہ بھی۔ یہ بھی نئی دریافت ہے۔

۱۷) مولانا قاضی غلام یٰسین ڈیرہ غازی کے نام بھی ایک خط بنا حوالہ درج ہے۔ عرصہ ہوا، یہ خط المجمع الاسلامی، محمد آباد، گوہنہ، یوپی سے شائع ہونے والی کتاب ''ندائے یارسول اللہ'' کے آخر میں چھپا تھا۔ ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۱۹۸، ۱۹۹ میں نقل ہوا ہے۔

۱۸) ص ۶۴ تا ۶۹ الحاج سیٹھ عمر آدم دھوراجی کے نام اکلوتے خط کا بھی وہی حال ہے۔ غالباً یہ خط پہلی بار ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی، شمارہ مئی ۱۹۶۵ء میں طبع ہوا۔ جس سے ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۱۸۳ تا ۱۸۹ پر منقول ہوا۔

۱۹) ص ۷۰ تا ۷۵ مولانا ریاست علی خان شاہ جہاں پوری کے نام دو خطوط ہیں۔ حوالے کی صراحت نہیں ہے۔ یہ دونوں خطوط بھی عرصہ مدید پہلے ''الطاری الداری''

میں شائع ہوئے پھر تنقیدات و تعاقبات ص ۱۵۷ تا ۱۶۳ میں بھی شائع کئے گئے۔ بعض وجوہ سے یہ خطوط ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' میں چھپنے سے رہ گئے۔

۲۰) مولانا حکیم عبدالرحیم احمد آبادی کے نام بھی دو خطوط ہیں، جو ص ۷۶ تا ۸۹ پر محیط ہیں۔ یہ دونوں خطوط ایک رسالہ کی صورت میں جس کا نام ''جمل النورفی نہی النساعن زیارۃ القبور'' ہے، ''مزارات پر عورتوں کی حاضری'' کے عرفی عنوان سے متعدد بار چھپے ہیں۔ ''فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ'' طبع لاہور، جلد ۹، ص ۵۴۷ تا ۵۶۴ میں بھی شامل ہے۔ ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد دوم میں بھی شریک اشاعت ہیں۔ کلیات میں ان کے نام ۱۷ خطوط ہیں۔ ان کے خطوط امام احمد رضا کے نام ''خطوط مشاہیر'' میں بھی نوٹ کئے گئے ہیں۔

۲۱) ص ۹۰، ۹۱ پر مولانا شاہ غلام گیلانی اٹک کے نام ایک خط جو درج ہے، یہ بھی مطبوعہ غیر محولہ ہے۔ ''فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ'' طبع لاہور میں یہ خط جلد ۱۱، ص ۶۶۴ تا ۶۶۶ پر درج ہے۔ ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد دوم میں ص ۱۹۴ و ۱۹۵ پر ہے۔

۲۲) ص ۹۲ پر حکیم عبدالرحمٰن صاحب سونی پت کے نام بھی ایک خط ہے۔ یہاں بھی وہی حال ہے۔ اس کا حوالہ دیکھئے۔ (الف) ''فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ'' طبع لاہور، جلد ۱۵، ص ۱۷۵، ۱۷۶۔ (ب) ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد دوم، ص ۱۸۲، ۱۸۳۔

یہ رہا جائزہ، غیر مطبوعہ خطوطِ رضا، مرتبہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کا۔ ابھی حال ہی میں امام احمد رضا کے ایک غیر شائع شدہ خط کا عکس شائع ہوا ہے، ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی، شمارہ دسمبر ۲۰۰۶ء میں، مکتوب الیہ برہانِ ملت مولانا برہان الحق جبل پوری ہیں۔ شائع کردہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ ہیں۔ مدیر ''معارفِ رضا'' لکھتے ہیں:

''محترم پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے علی گڑھ سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ

کا ایک نایاب مخطوطہ (خط) ''معارفِ رضا'' میں اشاعت کے لئے ارسال فرمایا ہے، جو امام صاحب کے مکتوبات پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا''۔ (ص ۴۸)

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب اپنے نوٹ کے آخر میں لکھتے ہیں:

''یہ مکتوب گرامی غیر مطبوعہ ہی نہیں، بلکہ کسی کی نظر سے آج تک نہیں گزرا۔ اس لئے کہ یہ ایک سفینہ میں اب تک چھپا رہا۔ اب پہلی مرتبہ قارئین معارف رضا کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔'' (ص ۴۸) ص ۴۹ پر خط کا عکس چھاپا گیا ہے۔

۱۹۷۸ء میں برہانِ ملت نے ایک کتاب مرتب فرمائی، ''اکرام امام احمد رضا''۔ یہ نام بھی تاریخی ہے، جس سے ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء متسخرج ہوتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تہذیب نو نے کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا۔ ۱۹۸۱ء میں یہ کتاب مرکزی مجلس رضا، لاہور سے چھپ کر خواجہ تا شانِ رضویت کے لئے سرمۂ چشم بنی۔ ۱۹۹۰ء میں مجلس العلما مظفر پور سے دوبارہ شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ص ۱۳۹، ۱۴۰ پر یہ خط من وعن موجود ہے۔ ص ۱۴۸ پر خطی نسخہ کا عکس بھی شامل ہے۔ میرے ذخیرۂ اوراق میں بھی موجود ہے۔ یہ خط ''کلیاتِ مکاتیب رضا'' جلد اول، ص ۱۷۹، ۱۸۰ پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''کلیاتِ مکاتیب رضا'' ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر مختار الدین صاحب، مدیر معارف رضا سب کو ہدیۃً پہنچی ہے۔ کلیات میں خطوط کی تعداد ۳۵۰ سے متجاوز ہے۔ ۲۰۰۵ء میں ہندو پاک سے اس کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

ڈاکٹر عزیزی صاحب فکرِ رضا کے قدیمی خدمت گار ہیں۔ ان کی نیک نیتی پر کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مگر جدید فنِ تدوین کا تقاضا ہے، جو چیز جہاں سے بھی لی جائے اس کا حوالہ پیش کر دیا جائے۔ ڈاکٹر مختار الدین صاحب کا جذبہ بھی قابلِ قدر ہے کہ انہوں نے

یہ مخطوطہ ارسال و اشاعت کی منزل سے گزار کر علمی دیانت کا ثبوت دیا۔ ورنہ وہ اس چیز کو چھپائے دبائے رکھ سکتے تھے۔

اس تفصیل سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ امام احمد رضا کے مخطوطات کی کتنی اہمیت ہے۔ ایک ایک ورق اعتنا کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ اہتمام سے چھاپا جا رہا ہے۔ یوں چھپی چیز باہر آرہی ہے اور ابھی مزید آنے کی توقع ہے۔ اس سے سفیرانِ رضویات کی توجہ، دل چسپی، اخلاص، رفتار اور تگ ودو کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر کچھ حضرات وہ ہیں جو نوادرات و مخطوطات کو تبرک بنا کر حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ دیتے ہیں، نہ دکھاتے ہیں۔ خود کام کرتے ہیں، نہ اوروں سے کراتے ہیں۔ تب کیا ہوگا، جب دیکھنے والا نہ رہے گا، کرنے والا نہ بچے گا۔ ذرا سوچو تو سہی!

حسن کی فطرت میں چھپنا نہیں، ابھرنا ہے۔ وہ ابھر کر ہی رہے گا۔ فکرِ رضا کا حسن ابھرتا نکھرتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ایسا حسن ہے، جو حسنیانِ عالم کی توجہ اپنی طرف متوجہ کرتا نظر آرہا ہے۔ عرب وعجم میں اس کا شہرہ ہے۔ مشرق و مغرب میں اس کا چرچا ہے۔ روکنے والا حیران ہے، معتوب کرنے والا پریشان ہے۔ امام احمد رضا فنِ حدیث میں فرمایہ تھے اور نہ جانے کیا کیا کہنے والا کہہ کر چلا گیا، کرنے والوں نے کر دکھایا۔

امام احمد رضا اور علمِ حدیث ۵؍جلدوں میں سامنے آئی۔ جامع الاحادیث ۱۰؍جلدوں میں اشاعت پذیر ہوئی۔ سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت ۴؍جلدوں میں رونما ہوئی۔ خطوط کی ضخیم جلدیں اہلِ علم تک پہنچیں۔ تفسیری افادات و نکات پر بھی کئی جلدوں میں کام ہو چکا ہے۔ مفتی محمد عیسیٰ رضوی نے اس موضوع پر کام کیا ہے۔ کئی جلدوں کی خوش خبری سنائی ہے۔ مولانا حافظ عبد العلیم رضوی، اندور بھی اسی موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ حدائقِ

بخشش کی شرح ۲۵؍جلدوں میں لکھی گئیں اور تو اور فتاویٰ رضویہ جب پھیلنا چاہا تو ۳۰؍ضخیم جلدوں تک پھیل گیا۔ قطرہ تھا، دریا بن گیا، ذرہ تھا آفتاب بن گیا۔ اگر اس کی ضخامت ۵۰۰۔۵۰۰ صفحات کی ہوتی تو یہ فتاویٰ ابنِ تیمیہ کی ۴۰؍جلدوں سے بہت آگے نکل جاتا۔ یہ تو محض کمیت کی بات ہے۔ کیفیت میں تو اس کی شان ہی منفرد ہے۔

مطلع صاف ہورہا ہے، حقیقت بے نقاب ہورہی ہے۔ گھنگھور چھٹ رہی ہے، نئے نئے زاوئے سے کام ہورہا ہے، نئی نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، فکرِ رضا آج درس گاہوں میں زیرِ بحث ہے، دانش گاہوں میں زیرِ تحقیق ہے۔ الغرض یہ ہشت پہل ہیرا آج دنیا کے علمی ایوانوں میں سجتا سنورتا چلا جارہا ہے۔

☆☆☆

امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی

خطوط وفتاویٰ کے اجالے میں

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی، اپریل ۲۰۰۷

☆

مسلمان قوم ایک چشمہ ہے......اور سب قومیں پیاسی، تشنہ لب

کوئی زمانہ تھا...... یہ چشمہ اچھلتا بہت تھا...... آبشار سے زیادہ

زمانے سیراب ہوئے......قومیں آسودہ ہوئیں

تاریخ شاہد ہے

مگر آج یہ چشمہ کیا گدلا ہو گیا؟

کیا خشک ہو گیا؟......نہیں نہیں

کنتم خیر امة اخرجت للناس......

......تم تو سب سے بہتر ہو

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین......

ہاں، ایمان پر قائم رہے تو تم ہی سب سے برتر ہو۔

اے قوم مسلم!

تو پھر انحطاط اور پستی کی وجہ کیا ہے؟

(پرواز خیال، مطبوعہ لاہور، ص: ۱۷، ۱۸)

امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی

خطوط وفتاویٰ کے اجالے میں

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

آب وگل کی آمیزش ہوئی، تو انسان پیدا ہوا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس انسان کا آغاز ایک قطرۂ آب ہے اور انجام ایک مشت خاک۔ اس آغاز وانجام کی کہانی پل بھر بھی ہوسکتی ہے، پہروں بھی چل سکتی ہے اور پیڑھی در پیڑھی بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ ہاں! انسان اتنا ناتواں ہے، اتنا بے کراں ہے۔ شاعر کے تخیل نے کیا خوب تصویر اتاری ہے:

سمٹے تو اک مشت خاک ہے انساں
پھیلے تو کونین میں سما نہ سکے

وہ، جس کی فکری توانائیوں سے ملت کی تعمیر ہوتی ہے۔ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ تاریخ اسے ہر دور میں رجل عظیم، بطل جلیل، مصلح امت اور مفکر ملت بنا کر پیش کرتی رہتی ہے۔ وہ تو چلا گیا کہ اسے جانا ہی تھا۔ مگر اس کی فکر زندہ ہے۔ اصلاحی کوششیں تابندہ ہیں،

دینی و علمی نگارشات درخشندہ ہیں۔

تاریخ گواہ ہے، نہ فرعون و نمرود رہا، نہ ہامان و شداد رہا، ہاں! اس کی حکایت تو ضرور موجود ہے۔ مگر کتنی عبرت ناک ہے، افسوس ناک ہے۔ کتنا بھولا ہے وہ، جس نے زندگی نذرِ آورگی کردی، یہ دانائی نہیں، نادانی ہے، حماقت ہے۔ یقیناً دانا ہے وہ، جس نے زندگی وقفِ بندگی کردی، اس نے زندگی گنوائی نہیں، کمائی ہے۔ بگاڑی نہیں، بنائی ہے اور بے شک اسی زندگی کو تابندگی ملی ہے، درخشندگی ملی ہے۔

دور کی بات تو دور ہے، قریب آئیں، جھانک کر دیکھیں۔ امام اعظم پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد ۱۱۴۰ ہے اور حنفیوں کی تعداد ۸۶ کروڑ سے زائد ہے۔ ۱ امام ربانی مجدد الف ثانی پر ۳۶۰ کتابیں وجود میں آئیں۔ ۲ یہ تعداد ۱۰۹۴ھ تک کی ہے۔ اب تو اور زیادہ ہوگی۔ امام احمد رضا پر ۲۶۷ کتب و مقالات تحریر کئے گئے۔ ۳ یہ تو صرف اب تک کی بات ہے۔ جب کہ یہ سلسلہ زلف یار طرح دار کی طرح دراز ہوتا چلا جارہا ہے۔ بتایا جائے! یہ زندگی، تابندگی، درخشندگی نہیں، تو کیا ہے؟

یہ سوچنا محض بھول ہے کہ زندگی آنے جانے کا نام ہے۔ عیش و طرب کا نام ہے۔ حیات اور موت یہ دو کنارے ہیں۔ نہ زندگی سے فرار ممکن ہے، نہ موت سے مفر۔ یہ محسوس زندگی کی بات ہے، ورنہ زندگی سے پہلے کی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی کی نوعیت جدا جدا ہے۔ زندگی میں زندگی سمائی ہوئی ہے۔ زندگی کبھی فنا نہیں ہوتی۔ انسان پر یہ بھید بتدریج آشکار ہوتا ہے۔ ۴

امام احمد رضا نے ریاست و امارت میں آنکھ کھولی۔ مگر عسرت و غربت میں زندگی گزاری۔ وہ عسرت و غربت نہیں، جو دست سوال دراز کرنے پر اکسائے۔ یہ تو صبر و استغنا اور زہد و قناعت سے عبارت ہے۔ ان کے مکتوب میں ایک جملہ یہ ہے۔ .دنیا میں مومن کا

قوت کفاف بس ہے۔۵ کیسی بے لاگ تلقینِ صبر وشکر ہے۔جس کا نمونہ صرف سلف صالحین ہی کی سیرت میں مل سکتا ہے۔ایک صاحب کو حضوری و باریابی حاصل تھی۔نواب نانپارہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کی گذارش کی۔ذات کے خان پٹھان تو تھے ہی۔غیرت خاندانی اور جلالِ ایمانی طیش میں آیا،قلم اٹھایا،لکھا تو یہ لکھا:

کروں مدح اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں ۶

نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔بریلی اسٹیشن آیا،تو نواب کی اسپیشل ٹرین رک گئی۔نواب کے مدارالمہام (وزیراعظم) اور سید مہدی حسن میاں نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار روپے کی نذر لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ غالباً بعد ظہر کا وقت تھا۔ آپ قیلولہ (دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹنے کو کہتے ہیں) فرمارہے تھے۔خبر ہوئی۔چوکھٹ تک آئے۔پوچھا،کیا ہے؟ عرض کیا گیا: یہ ڈیڑھ ہزار نذر ہے اور واپسی کے وقت نواب ملاقات کے خواستگار ہیں۔کھڑے کھڑے یہ کھرا جواب دیا: یہ ڈیڑھ ہزار (اس وقت کا ڈیڑھ ہزار، آج کا ڈیڑھ لاکھ) کیا،کتنا بھی ہو۔واپس لے جایئے اور نواب سے کہہ دیجئے کہ فقیر کا مکان اس قابل کہاں کہ ان کو بلا سکوں اور نہ میں والیان ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔۷

کھڑے کھڑا ایسا کھرا جواب بظاہر بھلا معلوم نہیں ہوتا۔مگر یہی شانِ فقیری ہے۔یہی شان درویشی ہے۔جو حکمرانِ وقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ جس کی مثال بزرگانِ کاملین کی حیات وکردار میں ملتی ہے۔

نواب حیدر آباد کا واقعہ مولانا سیف الاسلام دہلوی کی زبانی سنئے:

''میں نے سوداگری محلّہ کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت صرف اسی کی اطاعت کے لئے ہے۔ میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں۔ ۸

یہی مولانا سیف الاسلام دہلوی بیان کرتے ہیں :

''نواب حامد علی خاں مرحوم کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار انہوں نے اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ حضور رام پور تشریف لائیں۔ تو میں بہت ہی خوش ہوں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو، تو مجھے ہی زیارت کا موقع دیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرفدار اور ان کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعات میں معاون ہیں۔ لہٰذا میں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہوں، نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہوں۔ ۹

یہ تو نوابوں، راجاؤں کی بات تھی۔ اخص الخواص دیندار دوستوں کی نذر بھی امام احمد رضا نے قبول نہیں کی یا کبھی قبول کی، تو حیلے بہانے سے اس سے زائد لوٹا دی۔ سفر عظیم آباد، پٹنہ کے دوران قاضی عبدالوحید فردوسی کے خسر صاحب آراستہ طشت میں کچھ تحفے اور نذر پیش کی، تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میزبان نے کہا : حضور ساٹھ (۶۰) روپیے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: ساٹھ ہزار بھی ہوں، تو فقیر اللہ کے کرم سے بے نیاز ہے۔ ۱۰

۱۳۳۷ھ میں امام احمد رضا جبل پور تشریف لے گئے۔ قریب ایک ماہ چار دن قیام فرمایا۔ میزبان مولانا شاہ عبدالسلام رضوی نے ایک ہزار روپئے ہدیہ

کئے۔ قبول تو کر لئے۔ مگر اس سے کئی گناہ زائد نقد اور طلائی زیورات میز بان اور ان کے بچوں، بچیوں کو پیش کر دیئے۔ ۱۱ سفر بیسل پور کے دوران جو ان کو نذرانے ملے، وہ انہوں نے نعت خوانوں، ثنا خوانوں میں تقسیم کر دیئے۔ ۱۲

پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔ امام احمد رضا کے بڑے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان تھے۔ نظام حیدر آباد، دکن نے ان کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ منصب قاضی القضاۃ، چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا۔ ہر طرح اصرار کیا۔ ہر طرح لالچ دیا۔ تو مولانا موصوف نے یہ جواب دے کر نظام حیدر آباد کو مایوس کر دیا۔ فرمایا: میں جس دروازۂ خدائے کریم کا فقیر ہوں، میرے لئے وہی کافی ہے۔ ۱۳

مولانا محمد ابرہیم رضا خان، مولانا حامد رضا کے بیٹے تھے اور امام احمد رضا کے پوتے۔ قرب و جوار کے دیہات میں اور دور دراز کے شہروں میں ابراہیم رضا خان دینی اجتماعات اپنے خرچ سے منعقد کرایا کرتے تھے۔ ۱۴ وہ مدرسہ منظر اسلام کے مہتمم بھی تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے گھر کا اثاثہ اور زیورات بیچ کر مدرسہ کے مصارف میں لگا دیئے۔ ۱۵

یہ تو سیرت نگاروں کی زبان ہے۔ اب خود صاحب سیرت کی زبانی سنیے:

مولانا شاہ سید حمید الرحمٰن رضوی نواکھالی، بنگلہ دیش کے مشہور عالم دین تھے اور امام احمد رضا کے تلمیذ و عقیدت کیش۔ انہوں نے یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو جواب مسائل کے لئے ایک مکتوب لکھا۔ تو یہ بھی لکھا: ایک روپیہ بطور استاذی خدمت کے روانہ کیا جاتا ہے۔ ۱۶

جواب میں لکھتے ہیں: جواب مسئلہ حاضر ہے۔ الحمدللہ کہ آپ کا

روپیہ نہ آیا اور آتا، اگر لاکھ روپئے ہوتے، تو بعونہ تعالیٰ واپس کیے جاتے۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ رشوت لی جاتی ہے، نہ فتویٰ پر اجرت۔ ۱۷

کلکتہ سے حاجی نادر علی صاحب نے استفتا کیا، اس میں ایک جملہ یہ تھا:
خرچ وغیرہ کے لئے تو غلام خدمت کے لئے حاضر ہے۔ ۱۸
جواب ارقام فرماتے ہیں: یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا، نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔ ۱۹

ریاست بہاول پور سے مولینا عبدالرحیم خانقاہی کے اس جملہ: اجرت جواب آنے پر دی جائے گی۔ ۲۰ کا جواب قلمبند کرتے ہیں: یہاں فتویٰ پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی، نہ پہلے، نہ بعد، نہ اپنے لئے اسے روا رکھا جاتا ہے۔ ۲۱

گوجر خان، راولپنڈی سے محمد جی صاحب نے کئی بار خطوط لکھ کر جواب مسائل حاصل کئے ہیں۔ ہر بار انہوں نے اجرت و قیمت کی بات کی ہے۔ قلم کا تیور دیکھئے۔ لکھتے ہیں: قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لئے دیا جاتا ہے، بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے۔ ۲۲

بریلی کے قریب تلہر، شاہ جہاں پور سے مولانا عبدالغفار خان نے ایک مسئلہ دریافت کیا، تو فرماتے ہیں: یہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ غنی ہے۔ اموال خیرات نہیں لے سکتا۔ ۲۳ مولانا محرم علی چشتی صدر انجمن نعمانیہ لاہور سے مخاطب ہو کر تحریر فرماتے ہیں: اپنے سے زیادہ جسے پایا، اگر دنیا کے مال و منال میں زیادہ ہے۔ (تو) قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا۔ ۲۴

ریاست پٹیالہ کے شیخ شیر محمد صاحب کے جواب میں یوں رقم طراز ہیں:
یہاں بحمدہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ تمام

ہندوستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتا آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے ۹۱ برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے ۵۱ برس ہونے آئے۔ یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے۔ اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں۔ بحمد اللہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں، کون لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں۔ جنہوں نے یہ صیغہ کسب (آمدنی کا طریقہ) کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمانان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! **ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین** ۔ ۲۵، میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے، اگر وہ چاہے۔ ۲۶

علمی نگارشات میں دینی خدمات میں امام احمد رضا کا ہر پل مصروف تھا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جو صاحب چاہیں اور جتنے دن چاہیں، فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں۔ مہینہ دو مہینہ، سال دو سال اور فقیر کا جو منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں، اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں دوسرا کام کر سکتا تھا۔ ۲۷

خود تو حبِ دنیا سے آزاد تھے ہی، اپنی اولاد، اپنے تلامذہ، مریدین،

خلفاء، احباب اور احناف علماء کو اسی کی سخت تاکید و تلقین کرتے تھے۔ ایک ضروری ہدایت نامہ کا یہ حصہ دیکھیں :

یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احناف علماء شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت وحمایت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ ۲۸

یہ تو نثر ہوئی، شاعری میں بھی سن لیجئے :

کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا — یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو ۲۹

ان جزئیات سے امام احمد رضا کا جو چہرہ سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ ان کے نزدیک دنیا غلیظ ہے، فاحشہ ہے۔ ۳۰ دنیا سے محبت کا مطلب غلاظت و فواحشات سے لو لگانا ہے۔ جو دین و دانش کے قطعاً خلاف ہے۔ تم خدا کے آگے جھکو، دنیا تمہارے آگے خود بہ خود جھک جائے گی۔ **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب** ۔ ۳۱

اس لئے امام احمد رضا نے فقیری میں امیری کی، امیری میں فقیری نہیں، درویشی میں رئیسی کی، رئیسی میں درویشی نہیں۔ فقیری و درویشی وہ نہیں، جو شاہوں، نوابوں اور دین بیزار، دنیا پرست مالداروں، ساہوکاروں کی دریوزہ گری کرے۔ بلکہ عزت فقیری اور غیرت درویشی یہ ہے، جس کی دہلیز پر وہ خود بخت خفتہ لے کر سر کے بل آئے اور بیدار بخت ہو کر جائے۔ یہ ہے امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حوالہ و حواشی

۱ جہانِ امام ربانی امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی ۲۰۰۵ء ۲/۲۴۸

نوٹ: شافعیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ، مالکیوں کی تعداد چار کروڑ اور حنبلیوں کی تعداد چالیس لاکھ ہے۔ یہ ایک عرب محقق کا سروے ہے۔ جو انہوں نے چند سال قبل کیا تھا۔ (نفس مصدر)

۲ جہان امام ربانی امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی ۲۰۰۵ء ۲/۲۴۸

۳ جہان امام ربانی امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی ۲۰۰۵ء ۱/۸۵

۴ محمد عیسی رضوی، مولانا قرطاس وقلم ایڈوانس پرنٹنگ و پبلیشنگ، دہلی ۲۰۰۶ء ص ۱۳

۵ غلام جابر شمس ڈاکٹر پرواز خیال ادارہ مسعودیہ، لاہور ۲۰۰۵ء ص ۱۳

۶ محمد ظفر الدین، مولانا حیات اعلیٰ حضرت قادری کتاب گھر بریلی ۱/۳۰۸

۷ احمد رضا خان، امام حدائق بخشش ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱/۶۷

۸ محمد ظفر الدین، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی ۱/۹۲

۹ عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرت امام احمد رضا پروگریسیو بکس، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۵۳

۱۰ عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرت امام احمد رضا پروگریسیو بکس لاہور ۱۹۹۵ء ص ۵۴

۱۱ ماہنامہ معارف رضا، کراچی شمارہ اپریل ۲۰۰۲ء ص ۱۶

۱۲ محمد ظفر الدین، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت قادری کتاب گھر، بریلی ۱/۵۶، ۵۷

۱۳ ہفت روزہ دبدبہ سکندری رام پور ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء

۱۴ عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرت امام احمد رضا ، پروگریسیو بکس ، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۵۳

۱۵ عبد الواجد قادری، مولانا، حیات مفسر اعظم
القرآن اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ ۲۰۰۳ء ص ۸۹

۱۶ عبد الواجد قادری، مولانا، حیات مفسر اعظم، القرآن اسلامک فاؤنڈیشن

نیدر لینڈ ۲۰۰۳ء ص ۷۹

۱۷ احمد رضا خان، امام، فتاوی رضویہ ، رضا اکیڈمی ، بمبئی ۱۹۹۴ء ۵۷۴/۹

۱۸ الف، احمد رضا خان، امام، فتاوی رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۴ء ۵۷۵/۹

ب، غلام جابر شمس ڈاکٹر کلیات مکاتیب رضا، مکتبہ نبویہ، مکتبہ بحرالعلوم، لاہور ۲۰۰۵ء ص ۲۲۰

۱۹ احمد رضا خان، امام فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۷ء ۶۶۰/۱۱

۲۰ احمد رضا خان، امام، فتاوی رضویہ ، رضا اکیڈمی ، بمبئی ۱۹۹۴ء ۱۷۱/۶

۲۱ احمد رضا خان، امام ، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا اکیڈمی بمبئی ۱۹۹۷ء ۱۷۱/۶

۲۲ احمد رضا خان، امام فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۷ء ۲۵۴/۱۱

۲۳ احمد رضا خان، امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۲۰۰۱ء ۵۰۴/۲۰

۲۴ احمد رضا خان، امام فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۷ء ۱۲۳/۱۲

۲۵ القرآن ۱۲۷/۲۶

۲۶ الف، احمد رضا خان، امام فتاوی رضویہ ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۴ء ۲۳۰/۳

ب، احمد رضا خان، امام فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۴ء ۵۶۲/۶

۲۷ غلام جابر ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، مکتبہ بحرالعلوم، لاہور ۲۰۰۵ء ۲۸۵/۲، ۲۸۶

۲۸ الف، ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شمارہ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ ب، کلیات مکاتیب رضا ۳۳۶/۲، ۳۳۷ ج، امام احمد رضا اور تصوف از علامہ محمد احمد مصباحی مجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۸ء ص ۸۰، ۸۱

۲۹ احمد رضا خان، امام، حدائق بخشش ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۸۱/۱

۳۰ محمود احمد قادری، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، بمبئی ۱۹۹۰ء ص ۱۹۶

۳۱ محمد مصطفیٰ رضا مولانا، الملفوظ، قادری کتاب گھر، بریلی ۲۱/۳

۳۲ القرآن، ۲/۶۰ ۳۳ القرآن ۳/۶۰

(ب)

☆ منظوم تاثر

☆ خطوط

☆ تاثرات

☆ تبصرے

☆ تنقیدیں

☆ تعارف

چند حروف

استاذ گرامی مفتی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی قد سے زیادہ قبا کے قائل نہیں۔ وہ افشاء راز پر اخفاء راز کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ یہ دور افشا و نمائش کا ہے۔ ہر چند کہ کلیۃً یہ بھی صحیح نہیں۔ مگر اظہار حقیقت اور تحدیث نعمت بھی تو ادائے شکر و احسان کا ہی ایک حصہ ہے۔

ان کی کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' مرکز الثقافۃ السنیہ کالیکٹ کے دوران قیام ہی مرتب ہو چکی تھی۔ اگر انتظام ہو جاتا، تو یہ کتاب آج سے آٹھ سال قبل چھپ سکتی تھی، مگر

ع اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے

اس کتاب پر اہل دین و دانش کی طرف سے اتنے تاثرات و مضامین موصول ہوئے کہ جب ان کو جمع کیا گیا تو بجائے خود ایک کتاب بن گئی۔ اس کی غرض اشاعت بھی یہی ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی مکتوب نگاری کی فنی خصوصیات اور ان کی نثر نگاری پر مواد مہیا کرنا ہے اور ان کے پیغام صداقت کو عام کرنا ہے۔ حضرت مصباحی صاحب کا خیال تھا کہ توصیفی جملے اور ستائشی عبارتیں نکال دی جائیں۔ مگر ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ انہیں جملوں اور عبارتوں سے دوسرے فضلا کا جذبہ جاگ اٹھے گا اور ایک لہر پیدا ہوگی۔ اسی جذبے کے تحت میں نے اور حضرت مولانا مجیب الرحمٰن نوری نے یہ کام کیا ہے۔

در پاک رضا کا گدا

محمد شرافت حسین رضوی

تمغۂ تحقیق

از: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، مالیگاؤں

بحر مکتوبات رضا میں
ہو گیا تو غوطہ زن
کرتا رہا شناوری
کرتا رہا شناوری
آخر کو تو نے پالیا
نایاب درج بے بہا
جہان رضویات میں
اک دلکش ہار کا
تو نے اضافہ کر دیا
تہنیت! تیری کاوشات کو
تحسین! تیری تحقیقات کو
تبریک! تیرے عزم جنوں انگیز کو
اور تیرے تمغہ تحقیق کو

محمد حسین مشاہد رضوی مالیگ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور

۱۵/اپریل ۲۰۰۵ء

حضرت محترم علامہ ڈاکٹر شمس مصباحی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں لاہور میں چشم براہ تھا کہ محترم شمس کی شعاعیں میری شب ہجراں کو روشن کریں گی اور کراچی سے ہوتے ہوئے لاہور تشریف لائیں گے اور اپنی دیرینہ یادیں تازہ کریں گے۔ مگر ایسا معلوم ہوا کہ آپ کو کراچی کا ویزہ نہیں ملا اور میں لاہور میں آنکھیں فرش راہ کئے بیٹھا رہا۔

بایں ہمہ آج آپ کی کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' جلد اول، جلد دوم اپنی زرق برق رعنائیوں کو لے کر آ پہنچیں اور ہماری وہ آنکھیں جو آپ کے لئے فرش راہ بنی ہوئی تھیں۔ آپ کی تصانیف کی ضیاؤں سے جگمگا اٹھیں۔ شکریہ قبول فرمایئے۔

مجھے ان کتابوں کی اشاعت کا بڑا انتظار تھا۔ پھر آپ کی ان مشکلات کا بھی احساس تھا، جو اشاعت کے راستے میں حائل تھیں۔ اللہ نے کرم فرمایا اور ''کلیات مکاتیب رضا'' زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آ گئیں اور دل خوش ہو گیا۔ اس خوشی کے اظہار میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' کا ایک خوبصورت سیٹ نذرانہ وشکرانہ بنا کر پیش کر رہا ہوں۔

آپ نے جلد اول کے آغاز میں ''صاحب مکتوبات'' کے عنوان سے مجھے نوازا اور دنیائے رضویت میں میری خدمات کا تعارف کرایا۔ فجزاک اللہ خیراً کثیراً۔

پھر جہاں آپ نے اپنے احباب، معاونین اور محبین کا ذکر کیا۔ وہاں بھی مجھے عزت بخشی۔ میں آپ کی ان عنایتوں کا کن کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں۔

آپ نے دنیائے رضویات میں ایک نئی طرز کو اپنایا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے حضرت مولانا ظفر الدین بہاری، پیر محمد محمود قادری نے اس موضوع پر کام کیا تھا۔ مگر آپ نے ان بنیادوں پر فلک بوس عمارت کھڑی کر کے اہل علم کو دعوت مطالعہ دی ہے۔

ع من از سر نو جلوہ دہم لعل و گہر را

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر و برکت دے۔ بڑی محنت کی۔ بڑی تحقیق کی۔ بڑا کام کیا۔ ایک وقت آئے گا کہ آپ کی اس کاوش کی صدائے بازگشت اہل علم کے ایوانوں میں گونجے گی اور اہل قدر آپ کو بلند مقام دیں گے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری اپنی جگہ۔ مگر علمی حلقوں میں ایک تحقیقی کتاب کا آنا بڑی بات ہے۔

میں لاہور بیٹھا ہوں۔ سفر کی دوریاں حائل ہیں۔ جسمانی ناتوانائیاں سدراہ ہیں ورنہ خود آتا۔ آپ کو سلام کرتا۔ آپ کی خدمات کی داد دیتا۔

میرا یہ خط اور ہدیہ ملے، تو ضرور لکھیں۔

والسلام

اقبال احمد فاروقی

ڈاکٹر مختار الدین احمد

سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۰ر نومبر ۲۰۰۵ء

مکرمی............السلام علیکم

کچھ دیر پہلے ''کلیات مکاتیب رضا'' اورآپ کا خط ملا۔ یاد فرمائی کے لئے ممنون ہوا۔ ''جہان رضا'' (لاہور) میں اقبال احمد فاروقی صاحب کا مضمون اس کے بارے میں دیکھا تھا۔ اس کے حصول کے لئے ناشر کو خط لکھنے والا تھا کہ آپ نے کرم فرمایا۔ سرسری طور پر تو ابھی دیکھ گیا ہوں۔ بعد کو فرصت نکال کر اطمینان سے آپ کی مرتب کردہ کتاب کا مطالعہ کروں گا۔

کتاب پر آپ نے بہت محنت کی ہے۔ کہاں کہاں سے یہ کمیاب خطوط آپ نے حاصل کئے ہوں گے اوران کے اصل یا عکس کے حصول میں جو پریشانیاں آپ کو لاحق ہوئی ہوں گی۔ ان کا مجھے اندازہ ہے، مولیٰ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ کتاب کی طباعت بھی بہت عمدہ ہے۔ کاش تحریروں کے عکس بھی اچھے چھپتے۔ آئندہ ایڈیشن میں خیال رکھئے۔

والتسلیم

مختار الدین احمد

علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری

مہتمم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ

عزیزی مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکاتیب رضا پر پی ایچ ڈی کی مبارکباد پیش کر چکا ہوں۔ خط ملا ہوگا۔ اوائل جون میں دہلی گیا۔ تو آپ کی کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' کی زیارت ہوئی۔ مولانا انوار احمد صاحب کو آڈر دے آیا تھا۔ چند روز میں کتاب کا پارسل آ گیا۔ دونوں حصے سرسری طور پر مطالعے میں آئے۔ دونوں جلدوں کے مقدمات بطور خاص مطالعہ سے گذرے۔ ڈھیر ساری معلومات آپ نے جمع کر دی ہیں۔ ان مکاتیب کی ترتیب اور نایاب مکاتیب کی تلاش میں آپ نے جو کوہ کنی کی ہے۔ وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ عشقِ رضا کے صدقے آپ کی یہ خدمت خدائے بزرگ قبول فرمائے اور مزید کام کی توفیق دے۔

آپ کو دوبارہ مبارکباد ہو۔ مولیٰ تعالیٰ علم وعمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ والہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری

دار العلوم چریا کوٹ، مئو

علامہ محمد منشا تابش قصوری

استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فنا فی القلم، صاحب العلم والحلم، مجسمہٗ رحم و کرم مولانا المکرّم حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی زید مجدہ، عملہ، علمہ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... : مزاج گرامی!

آپ کے مکتوب دلربا کے ساتھ نہایت ہی عمدہ، گرانقدر اور نادر تحقیقی تحفہ وصول پایا۔ سلمہ ربہ تعالیٰ عجیب اتفاق کہ چند روز قبل 'پرواز خیال' سے اتنا محظوظ ہوا کہ اپنے بیٹے حافظ محمد مسعود اشرف قصوری جو آج کل پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم۔ اے۔ عربی کر رہے ہیں نیز جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں دورۂ حدیث شریف کی سعادت سے بہرہ مند ہیں۔ بیک وقت دونوں ذمہ داریوں سے انشاء اللہ العزیز باحسن وجوہ عہدہ برآں ہوں گے۔ بس آپ ایسے نوجوان مقبولان بارگاہِ صمدیت کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ آپ نے جس محبت بھرے انداز میں خط رقم فرمایا ہے اس پر شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے جس عشق و محبت سے علوم دینیہ و عصریہ کی منازل طے کی ہیں۔ بڑے بڑے اس پر آپ کو خراج تحسین و تبریک پیش کر رہے ہیں اور پھر جس خلوص سے قلم کو مضبوطی عطا کی ہے اسے منعم حقیقی کا انعام قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ "کلیات مکاتیب رضا" اس پر شاہد و

ناطق ہیں۔ سید عالم نبی مکرم ﷺ کی خصوصی نگاہ اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اچھی طرح آپ پر مبذول رہی۔ یہاں تک کہ یہ تاریخی شاہکار منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوا اور آپ کے دامن کو ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری سے بھر دیا۔ یوں کم عمری میں بڑوں سے آگے بڑھا دیا۔ آج اکابر آپ پر دعاؤں کے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔

"ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء۔" نیز "واللہ یختص برحمتہ"

چنانچہ یہ عطائے ربی ہے کہ آپ مورد فضل ورحمت الٰہی ہوئے۔ مکاتیب رضا کا انداز مکتوبات مجدد الف ثانی سے قدرے مختلف ومنفرد ہے۔ ان کا اپنا مقام ہے اور ان کی اپنی شان۔ حال ہی "مکتوبات مسعودی" کے نام سے (نازش لوح قلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ) کی ایک کتاب مارکیٹ میں آئی ہے "نشان منزل" احقر کے قلم سے شامل ہے۔ امید ہے موصوف وہ کتاب آپ تک پہنچا چکے ہوں گے۔

یہ سن کر آپ یقیناً مسرت محسوس کریں گے کہ مکرم جناب پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی، مدیر "جہان رضا" لاہور مکاتیب رضا کی کاپیاں پریس بھیج چکے ہیں۔ چند روز ت میں پاکستانی مطبوعہ نسخہ آپ تک پہنچ جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز) جو صفحات مس پرنٹ ہیں، وہ بھی صحیح حالت میں دیکھیں گے۔ اہل سنت کیلئے یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی دعا ہے مولیٰ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ ﷺ آپ کو دین ودنیا کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

نوٹ: میری متعدد کتابیں دہلی سے شائع ہو رہی ہیں جام نور کے ایڈیٹر سے یا ان کے والد ماجد سے میرا نام لے کر حاصل کریں۔ امید ہے کہ وہ ضرور دے دیں گے۔ مرحومہ اہلیہ پر آپ نے تعزیت فرمائی شکریہ۔

فقط والسلام مع الاحترام

خیر اندیش: محمد منشا تابش قصوری مرید کے۔ فون نمبر: 42/7982021

الحاج مقبول احمد ضیائی قادری

ناظم اعلیٰ رضا اکیڈمی لاہور

۲۵ / دسمبر ۲۰۰۵ء

حضرت مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب مدظلہ

سلام ورحمت مزاج گرامی!

آپ کے بے بہا قیمتی تحفہ ''کلیات مکاتیب رضا'' وصول پایا۔ پرانی یاد تازہ ہوئی۔ اس پر بصد مسرت شکریہ ادا کرتا ہوا عرض گزار ہوں کہ میرا تو مشن ہی ''امام احمد رضا'' کی ذات بابرکات پر اہل علم وقلم نے جو کچھ تحقیق پیش کی ہے اسے حتی الامکان قوم وملت کے سامنے لانا ہے۔ اگر یہ کتاب علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب شائع نہ کرتے، تو یقیناً ہم خود اشاعت کا اہتمام کرتے۔ یہ اپنے مضامین کے اعتبار سے خوب اور محبوب ترتیب ہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ اس قابل ہیں کہ قلم بے ساختہ ہدیہ تبرک تحسین نذر کرنے کے لئے بیتاب ہے۔

ماشاء اللہ! اس ترتیب کے کیا کہنے۔ اعلیٰ حضرت کے مکتوبات میں شریعت وطریقت اور دیگر بیسیوں موضوع پر اچھا خاصا میٹر پایا جاتا ہے۔ سچی بات ہے براعظم ایشیا کی اس عظیم شخصیت نے ہر چھوٹے بڑے اہل قلم کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ جو کام انہوں نے بریلی میں تن تنہا کیا، آج بریلی سے باہر کی دنیا اسے پھیلانے میں پیہم مصروف ہے گویا کہ امام احمد رضا صرف بریلی والوں کے ہی نہیں بلکہ سب کے ہیں۔ وقت آئے گا۔

جب غیر بھی انہیں اپنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

رضا اکیڈمی لاہور نے 250 سے زائد ناموں پر دس لاکھ سے زائد کتابیں شائع کر کے فری تقسیم کیں اور تادم حیات یہ سلسلہ جاری رکھنے کا عزم بالجزم ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

آپ اپنی جملہ کتب مطبوعہ وغیر مطبوعہ ارسال فرمادیں۔ آہستہ آہستہ شائع کرتے کراتے رہیں گے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اہل محبت سے سلام مسنون، مولانا محمد منشا تابش قصوری سلام سے یاد کرتے ہیں۔ موصوف آپ کے نام خط ارسال کر چکے ہیں۔ مولانا محمد احمد مصباحی مدظلہ (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارکپور) آپ تک پہنچادیں گے۔

فتاویٰ رضویہ ۲۱ سے ۳۰ تک اور الدولۃ المکیہ وغیرہ آپ کے نام ارسال کر رہا ہوں وصول پر اطلاع فرمائیے گا۔

والسلام مع الاکرام

خیر اندیش

محمد مقبول احمد ضیائی قادری

ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی

سیف خان سرائے

سنبھل، مراد آباد ۷۸۶

۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء

عزیز القدر ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل کی ڈاک میں ''کلیات مکاتیب رضا'' (دو جلد) کا پیکٹ موصول ہوا، بے حد ممنون ہوں۔ آپ کی یہ کاوش پہلے ہی نظر نواز ہو چکی ہے۔ دو تین ماہ قبل ایک کرم فرما پڑھنے کے لئے دے گئے تھے۔ واقعی آپ نے بڑا کام کیا ہے۔ اب تو دو باتیں ذہن میں ہیں۔ ایک تو آپ کی انتھک محنت اور دوسرے پروف ریڈنگ کی کمپوزنگ میں بہت سی غلطیوں کا راہ پا جانا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ کمپیوٹر کمپوزنگ کی تصحیح شاید ممکن نہیں ہے۔ پانچ، پانچ بار پروف ریڈنگ کے بعد بھی بچوں کے لئے لکھی گئی میری کتابوں میں غلطیاں رہ گئیں، یہ بھی تجربہ ہوا کہ ہر پروف میں کمپیوٹر کچھ نئی غلطیاں لا کر رہتا ہے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

فقط والسلام

صابر سنبھلی

ڈاکٹر شکیل احمد خان
آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۳ر نومبر ۲۰۰۵ء

مکرمی ! تسلیم

آپ کی مرتب کردہ ''کلیات مکاتیب رضا'' (دو جلد) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لئے موصول ہوئی، شکریہ! ہمارے اندراج رجسٹر کے مطابق ان ہر دو جلدوں کا نمبر ۸۴۔۱۲۱۵۸۳ ہے۔

''کلیات مکاتیب رضا'' شائع کر کے آپ نے ایک گرانقدر علمی کام کیا ہے۔ آپ اس وقیع کام کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آپ کی قلمی خدمات کی فہرست میں ''کلیات مکاتیب رضا'' کو تین جلدوں پر مشتمل لکھا گیا ہے۔ کیا تیسری جلد زیر اشاعت ہے؟ آپ کے مقالۂ تحقیقی (امام احمد رضا کی مکتوب نگاری) کی اشاعت کا بھی انتظار ہے۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

والسلام
شکیل احمد خان

ڈاکٹر محمد مشاہد حسین رضوی

مالیگاؤں، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت عالی عزت مآب حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجاہد سنیت الحاج محمد سعید نوری صاحب نے آپ کی مرتبہ ''کلیات مکاتیب رضا'' کی دو جلدیں عنایت کیں۔ نام باصرہ نواز ہوتے ہی سرور وانبساط کی لہریں دنیائے قلب سے اٹھنے لگیں۔ عرصہ دراز سے جس چیز کی تلاش وجستجو تھی، وہ مل گئی یعنی امام احمد رضا کی حیات تابندہ کے مکمل مکاتیب، مگر ضخامت دیکھ کر میں متحیر رہ گیا کہ امام احمد رضا جیسی متنوع صفات اور ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت کے مکتوبات نادرہ کی ''کلیات'' اتنی مختصر! مگر جب ورق گردانی شروع کی، تو دل کی باچھیں کھل اٹھیں کہ تیسری نہیں، بلکہ اب چوتھی جلد کا بھی منظر عام پر آنا بعید نہیں، آپ کی اکثر تصنیفات وتالیفات راقم کے پاس موجود ہیں۔ آپ کے درجنوں مضامین ومقالات بھی نظروں سے گزر چکے ہیں۔ آپ کا صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری مدظلہ کو لکھا گیا۔ خوبصورت خط جو کہ ''معارف رضا'' کراچی میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ شاید ہی کبھی پردہ ذہن سے محو ہو۔ سطر سطر، سرور ووجد پیدا کرتی ہے۔ پڑھتا ہوں اور بار بار پڑھتا ہوں۔ کرمفرما! آپ

کی تصنیفی وعلمی کاوشات جمیلہ کا جب راقم نے تجزیہ کیا، تو اسی نتیجہ پر پہنچا کہ آپ روایتی موضوعات سے قدرے دور ہٹ کر کچھ نہ کچھ نیا اور جدید موضوع جو اپنی تشنگی کا احساس دلاتے دلاتے تھک سا گیا ہے۔ اسے ہی متعین کر کے کام کو آگے بڑھا کر دنیائے علم وادب کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ انفرادی خصوصیت ہے، جو آپ کو عصر حاضر کے نوجوان علما و محققین میں ممتاز کرتی ہے۔

مجھے مکتوبات سے یک گونہ دلچسپی ہے۔ غالب، اقبال، ابراہم لنکن، جواہر لال نہرو، ظ انصاری، ابوالکلام آزاد، حسن نظامی، جاں نثار اختر، علی سردار جعفری اور مجروح جیسے ادباء وشعرا کے مکاتیب نظروں سے گذر چکے ہیں، مگر راقم کو بنیادی طور پر مذہبی ادب سے عمومی طور پر دلچسپی اور لگاؤ ہے، خصوصی طور پر رضویات سے، لہٰذا امام احمد رضا کے مکتوبات سے متعلق جتنی بھی کتب مہیا ہوسکیں۔ ان سے راقم نے فیض اٹھایا۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ میں موجود مکاتیب کی دل خوش کن خوشبو میں سے بھی میں نے اپنی مشام جان وایمان کو معطر ومعنبر کیا۔ اب آپ کی مرتب کردہ ''کلیات مکاتیب رضا'' میرے ذوق جمیل کی تسکین کا سامان فراہم کررہی ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ ہے۔ سرورق نفیس ودیدہ زیب ہے۔ کمپوزنگ کی خامیاں بہت زیادہ راہ پاگئی ہیں، ''بامراد مجنون ۔۔ بامراد مجون ہوگیا ہے۔ انشاء اللہ بشرط فرصت مکمل دو جلدوں کی کمپوزنگ کا تصحیح نامہ ارسال کرنے کی سعی کروں گا۔

آپ کا احوال واقعی پڑھ کر انتہائی صدمہ پہنچا۔ یہ سچ ہے کہ علمی وتحقیقی کام کرنے کے لئے فارغ البالی اور معاشی خوش حالی انتہائی ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو ناقابل بیان وبرداشت تکالیف ومشکلات کا لمحہ لمحہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر قربان جاؤں! آپ کی پامردی وجنون انگیز عزم پر کہ آپ اس خاراشگاف وادی میں بے خطر کود پڑے، آتش نمرود

میں عشق کے مصداق مصائب جھیلتے ہوئے، فاقہ کشی کرتے ہوئے۔ کامیابی وکامرانی سے اپنی منزل مقصود کی سمت رواں دواں ہیں۔ اللہ رب العزت یقیناً آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے گا۔

ہم اہلسنت کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم پیشہ ور مقررین وخطبا کی موٹی موٹی رقوم اور مرغن غذاؤں سے تواضع تو کردیتے ہیں۔ مگر قصر سنیت کی آرائش وزیبائش کے ساتھ ساتھ اس کی بنیاد کو استحکام اور مضبوطی بخشنے والے بیش قیمت پتھروں یعنی مصنفین ومحققین کی قدر دانی تو کجا؟ ان کی خیریت بھی دریافت نہیں کرتے۔ ہمارے بعض اہل قلم ایسے بھی ہیں، انتہائی خستہ حالی اور کسمپرسی کے شکار ہیں۔ جو کہ نان شبینہ کے بھی محتاج ہیں۔ ضرورت ہے۔ اس فکر میں مثبت تبدیلی کی۔

آپ کی یہ تحقیقی وعلمی کاوش یقیناً ان آرام پسند اور تفرقہ پسند افراد واشخاص کے لئے ایک تازیانہ سے کم نہیں جو سنیت کو مختلف خانوں میں منقسم کردینے کی شب وروز کوشش کرتے رہتے ہیں۔ آج ہمیں تقسیم در تقسیم اور تقسیم در تقسیم کے ضرر رساں جال سے نکلنا بہت ضروری ہے، صاحب مکتوبات امام احمد رضا نے اتحاد ووداد کی بات کی ہے۔ اپنوں سے خیر خواہی کا پیغام دیا ہے۔ آپ سے اگر روٹھ بھی جائیں، تو انہیں منانے کی تلقین کی ہے۔ اگر ہم محبت رضا کے سچے دعویدار ہیں، تو ہمیں اپنا طرز فکر تبدیل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ اللہ ہمیں ایک اور نیک بنائے۔

حضرت غلام جابر شمس مصباحی کی تحریری، علمی، ادبی، اور تحقیقی کاوشات جمیلہ کو اللہ رب العزت شرف قبول عطا فرمائے اور حضرت کی عمر، علم میں برکت دوام بخشے۔ ان کی جملہ مشکلات کو رفع فرمائے۔ (آمین)

محمد مشاہد حسین رضوی، مالیگ

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری
بانی وسرپرست جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا

میں مولانا غلام جابر شمس پورنوی کو ان کے عہدِ طالب علمی ہی سے جانتا ہوں وہ اپنے عہد تحصیل میں بھی ذوق قلمکاری رکھتے تھے اور اب تو ان کی تحریروں سے پختگی نمایاں ہے۔ مولانا موصوف نے بڑی جگرسوزی و جاں کاہی سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مکاتیب جمع کئے ہیں۔

مکاتیب کا تعلق اور تحریروں سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ مکاتیب دراصل انسان کی خلوت کی زندگی اور فطری رجحانات کی عکاسی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے اعلیٰ حضرت کے مکاتیب کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ آپ فطری طور پر اغراض نفسانی سے کوسوں دور، خودداری کا پیکر، جذبۂ دینداری کا کوہ گراں تھے۔ ساتھ ہی صرف اپنے متعلقین ہی نہیں، پوری قوم کے خیر خواہ تھے۔ گویا ان کی زندگی النصح لکل مسلم کی تفسیر مجسم تھی۔ مکتوبات میں جہاں انسان اپنے ضمیر اور اس کے تاثرات کھول دیتا ہے، وہیں اپنے مخاطب کو اس کی صلاحیت کے اعتبار سے متاثر کرنے کی آرزو بھی رکھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے مکاتیب میں یہ وصف بدرجہ واتم موجود ہے کہ آپ اپنے مخاطب کو جو کچھ

لکھتے ہیں، وہ دل کی آواز ہوتی ہے۔

ع دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے۔

اعلیٰ حضرت اپنے مکتوب الیہ کے سوالات کے جوابات اس کی خطاؤں کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح کی کوشش فرماتے ہیں۔ اس کی خوشیوں میں شرکت قلبی، غموں میں تاسف اور صبر و عزیمت کی تلقین فرماتے ہیں۔ مکتوب الیہ کے کوائف کی بھرپور رعایت رکھتے ہیں۔ اس لئے مکاتیب اعلیٰ حضرت میں خبر گیری، تعزیت، مبارکبادی، علوم و معارف کا کشف، ادعیہ و تعویذات، معالجاتی نسخہ جات، احکام شرع کا بیان، سفارشیں، مشکل مسائل کی عقدہ کشائی، ہیئات و توقیت، جامیٹری، الجبرا، زیجات، علم المرایا، جفر اور شعری اصلاحات، تعبیر منام جیسے افادات اور مخاطب کے ساتھ اپنائیت کا اظہار خوب تر ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت سے سلسلہ مراسلت قائم کرنے والا آپ کو جامع کمالات کی حیثیت سے مانتا تھا اور آپ کو ایک راز دار اور بزرگ تسلیم کرتا تھا۔

جب ایک صاحب بصیرت، صائب الفکر انسان مکاتیب اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کرتا ہے، تو اس پر انسانی کمالات کے ساتھ بے شمار علوم و معارف کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

مولانا غلام جابر شمس کو رب قدیر خوب نوازے کہ انہوں نے علم دوست حضرات کے لئے بہت ہی نفع بخش و خیر اندوزی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ مولائے کریم انہیں ہم سب کی طرف سے جزائے حسن عطا فرمائے۔

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

۱۵ر صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی

شیخ الحدیث دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور، فیض آباد

عقاب کی روح، شاہین کا تجسس، چیتے کا جگر، عشقِ قرنؔی، سوزِ بوصیرؔی کی تخمیس کی تجسیم کو کہتے ہیں غلام جابر شمس مصباحی، جی ہاں! یہ میں نے سوچ کر کہا ہے، یوں ہی نہیں، یہ میرے عزیز ہیں، شاگرد نہیں، عزیز ایسے کہ میں ان کو بجانِ عزیز کہنے سے بھی گریز نہیں کرسکتا۔

خانوادۂ مارہرہ و بریلی سے عقیدت ہی ان کا عنوان حیات ہے اور فکر رضا ان کی تلاش و تحقیق کا محور۔ ان کا گوہرِ مقصود اگر اوجِ ثریا پر بھی ہو، تو وہ حاصل کر لینے میں دریغ نہیں کرتے اور وہ گراں ڈول پہاڑ کو بھی اپنے آہنی اعصاب پر گراں بار محسوس نہیں کرتے۔ بالآخر وہ اسے پا ہی لیتے ہیں ''کلیات مکاتیب رضا'' کی دو جلدیں، ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' کی دو جلدیں اور ''حیاتِ رضا کی نئی جہتیں'' اس بات کا بین ثبوت ہے۔ یہ واقعی نئی جہاتِ فکر رضا اور نئے گوشہائے حیاتِ رضا ہیں، بالکلیہ مکررات و ماخوذات نہیں۔ یہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ بے دغدغہ لکھ دوں کہ وہ بحر رضویات کے غواص ہی نہیں، کولمبس بھی ہیں۔ جنہوں نے امام احمد رضا کے ایک نئے جزیرۂ علم و ادب سے محققین رضویات کو روشناس کرایا۔ خیابان رضویات میں نئے نئے برگ و بار اگایا، نئی طرح ڈالی، نیا طرز اپنایا، اگر میں ان کو سیارۂ تحقیق کہوں تو بجا ہوگا۔

جب یہ طالب علم تھے، تو ادارۂ افکارِ حق قائم کیا اور اردو کے علاوہ ہندی انگلش میں کتابیں چھاپ کر ملک کے علمی حلقوں میں پہنچایا۔ جب وہ استاذ ہوئے، تو بے ریش تھے اور باریشوں کو پڑھایا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اور جب ان کے طائرِ فکر نے قلابازی

کھائی تو شجر تحقیق کی ڈال ڈال سفر کرنے لگے، جو روز بروز افزوں ہی افزوں ہے۔

فقہی سمینار ممبئی حاضر ہوا، تو ڈاکٹر جابر مجھے کھینچ کر میرا روڈ لے گئے، جہاں وہ قیام پذیر ہیں، ساتھ میں مفتی مطیع الرحمٰن اور مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی صاحبان بھی تھے۔ وہاں ان کا ایک نیا چہرہ ''مرکز برکات رضا ایجوکیشنل ٹرسٹ'' کی صورت میں سامنے آیا۔ دینی مدرسہ، انگلش اسکول، برکاتِ رضا فاؤنڈیشن دیکھا، کہنے لگے: خواجہ صاحب! دینی دنیاوی اور روزگاری علم وہنر کا میں نے ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اس کثیر الجہات پروگرام کا یہ محض ایک دیباچہ ہے۔ جو توکلاً علی اللہ شروع کردیا گیا ہے''

ڈاکٹر موصوف کی یہ فتوحات دیکھ کر مسرت بھی ہے اور حیرت بھی، جس کسی نے ان کو کام کی مشین کہا ہے، سچ کہا ہے۔ ممبئی جیسے مادی شہر میں خلوص وخموشی، تنہائی ویکسوئی اور کم گوئی وکم آمیزی جو عنقا ہے، یہی ان کا وصفِ خاص ہے۔ مجھے کسی اتہام کا خوف نہیں، میں کہہ سکتا ہوں۔ جس دن وہ پیدا ہوئے، اسی دن ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ اور اب وہ ۳۵ ویں پائدان میں ہیں، یہی عمر ہے، جہاں سے کوئی ٹھوس علمی یا تعلیمی کام شروع ہوتا ہے۔

اپنی بات کے اختتام پر نیک امیدیں وابستہ کرتے ہوئے اور نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی راہ میں اکیلے نہیں ہیں، آپ کے ساتھ بزرگوں کی دعائیں ہیں۔ اہل سنت کا قافلہ ہے اور قافلۂ اہل سنت کے دردمندوں اور سنیت اور رضویت کے ٹھیکیداروں سے یہ ضرور کہوں گا کہ غلام جابر جیسا انقلابی اوصاف کا نوجوان روز روز پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے عزم وحوصلے کا پرجوش خیر مقدم ضرور ضرور ہونا چاہیے۔

خیر اندیش: خواجہ مظفر حسین رضوی

۱۹/ فروری ۲۰۰۷ء نزیل ممبئی

فقیہ النفس مفتی مطیع الرحمٰن رضوی

قاضی و مفتی ادارۂ شرعیہ، بنگلور، سرپرست جامعہ رضویہ، پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ذات علوم وفنون کا سمندر تھی۔ اس میں جو تعمق، گہرائی ہے، اس کی پیمائش آج تک نہ ہو سکی۔ جو جس پہلو سے غوطہ لگاتا ہے، یہ کہتا ہوا باہر آتا ہے: ع: بسار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عزیز مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر شمس مصباحی نے بھی غوطہ زنی کرنے کی ہمت جتائی، از قسم خطوط ومکاتیب انہوں نے کچھ علمی جواہر پارے نکالنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ بڑی عرق ریزی کی، محنت سے سجایا، ہنرمندی سے سنوارا اور امام احمد رضا کی اس جہت سے خواص وعوام کو روشناس کرایا۔ یہ ایک اچھی علمی پیش رفت ہے۔ ''کلیات مکاتیب رضا'' کو خداوند قدوس قبولیت سے نوازے، خلق کو نفع پہنچائے، مؤلف کے لئے توشہ آخرت بنائے۔

عزیز موصوف کو تحریر واشاعت سے فطری لگاؤ ہے۔ ادارہ افکار حق کے پلیٹ فارم سے مفید کام کیا ہے۔ چند برسوں سے ان کا جھکاؤ تصنیف وتحقیق کی طرف ہے۔ ان کے کئی مسودات منتظر طباعت ہیں۔ جو رضویات کے حوالے سے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ غیب سے بہتر از بہتر سبیل عطا فرمائے۔ ڈاکٹر فاروق احمد صاحب ان کو ڈاکٹر اقبال کے معنوی شاگرد اور سنیوں کے قاضی عبدالودود کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ وہ اس پر پورا اتریں، بلکہ میری خواہش یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے قافلہ فکر وقلم کو پوری قوت وبصیرت کے ساتھ آگے بڑھائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ وتبارک علیہ وسلم

فقیر مطیع الرحمٰن رضوی

شیخ طریقت حضرت مفتی عبد الحلیم رضوی اشرفی

شانتی نگر، ناگپور

حامداً ومصلیاً!!

مولانا غلام جابر مصباحی جماعت اہلسنت کے ان سپوتوں میں سے ایک ہیں۔ جو سنیت و رضویت پر کام کرنے کا بھرپور حوصلہ رکھتے ہیں، میری ان کی ملاقات تب ہوئی۔ جب وہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں زیر تعلیم تھے اور غالباً آخری سال تھا۔ پہلی ملاقات میں موصوف نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں یہ ارادہ لے کر فارغ ہو رہا ہوں کہ اعلیٰ حضرت پر کچھ کام کروں اور اپنی کاوش فکری کو ملک و بیرون ملک کے ان دانشوروں اور انگریزی داں طبقوں تک پہنچاؤں، جو یا تو اعلیٰ حضرت کو جانتے ہی نہیں یا پھر معاندین نے متنفر کر دیا ہے ان کے انداز گفتگو سے کافی متاثر ہوا اور دل ہی دل میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت کا یہ فرزند معنوی اپنے سینے میں ایک دل رکھتا ہے، جو سنیت و رضویت کے درد سے بھرا ہوا ہے۔ مستقبل میں ان سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　　می تافت ستارہ بلندی

کہتے ہیں، ہونہار بروا کے ہرے ہرے پات، میرے خیال کے عین مطابق مولانا نے ادارہ افکار حق کے زیر اہتمام کام کیا اور کم عمری کے باوجود اچھا کام کیا، ملک کی کئی زبانوں میں متعدد کتابیں ترتیب دیں اور ملک و بیرون ملک محدود وسائل کے باوجود پہنچانے کی کامیاب کوششیں کیں۔ مولانا نے اعلیٰ حضرت پر Ph.D. کر کے ملک کی سب سے بڑی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ملک و بیرون ملک سے ایسے ایسے

نوادرات حاصل کئے۔ جو سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ نوادرات شائع ہوں۔

خدا کرے کوئی بندہ خدا یا بندگان خدا کمر بستہ ہو کر میدان عمل میں آگے آئیں اور ان نوادرات کو شائع کریں اور اعلیٰ حضرت کے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوں۔

ابھی کلیات مکاتیب امام احمد رضا آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ مولانا کو ان مکاتیب یا نوادرات کے جمع کرنے میں کن کن خاردار وادیوں سے گذرنا اور کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

میں اپنی عدیم الفرصتی کے سبب کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا۔ صرف چند مکاتیب پڑھے۔ مطالعہ کرنے کے بعد دل سے دعائیں نکلیں۔ آج کے اس میڈیائی اور الیکٹرانک دور میں تمام فرق باطلہ اپنے اپنے لٹریچر اور تحریرات کے ذریعہ دنیا کے ذہن و فکر پر چھا جانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور جماعت اہلسنت کے صاحب ثروت حضرات اپنے کسب حلال کو چادر گاگر اور مزارات پر رکھے بے مقصد بکسوں کو بھرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ان حضرات سے اپیل کروں گا کہ خدائے عزوجل کی امانت آپ کے پاس ہے۔ اسے بے جا خرچ نہ کر کے ٹھوس علمی کام میں صرف کریں۔ تاکہ یہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنے۔ میں مولانا غلام جابر شمس مصباحی کو اپنی اور جماعت اہلسنت کی طرف سے ہدیہ تبرک پیش کرتا ہوں اور قلب کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں مولائے کریم ان کے قلم میں توانائی اور ارادوں میں پختگی عطا فرمائے، تاکہ رضویات پر خوب خوب کام کریں۔

فقیر محمد عبدالحلیم عفی عنہ

ناگپور

مناظر اسلام مفتی محمد سلیم اختر نقشبندی

بانی و مہتمم دارالعلوم غریب نواز ملاڈ، ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے مختلف موضوع پر مشتمل مکاتیب کو جمع کر کے کلیات کی شکل دینا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ وہ بے شمار مسائل واحکام اور خطوط ومکتوبات جو مختلف کتابوں اور رسالوں کے اوراق کی زینت بنے ہوئے تھے۔ ایک گلدستہ میں سجانا یقیناً علم اور اہل علم کی بہت بڑی خدمت ہے۔ مجموعی طور پر یہ کام کسی بڑے ادارے کی طرف سے ہونا چاہیے تھا۔ مگر الحمد اللہ فردِ واحد عزیز گرامی قدر مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے یہ کام انجام دے کر تاریخ رضویات میں ایک نئے باب واسلوب کا اضافہ کیا ہے۔ مولانا کے طرز بیان وطرز تحریر میں آمد ہی آمد ہے۔ آورد کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔ خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔

میری دعا ہے رب القلم مولانا موصوف کی دینی خدمات کو قبولیت تام وعام عطا فرمائے۔ کلیات مکاتیب رضا کے مولف سے بزرگانہ گذارش ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اسلامی اخلاقیات وتصوف کے جن گوشوں کو اپنی فکر وقلم کا حصہ بنایا ہے۔ اسے بھی کلیات کی شکل میں عوام وخواص تک پہنچائیں۔ جو اس زمانہ کا مخصوص تقاضہ ہے۔

دعا گو: محمد سلیم اختر

علامہ مفتی شعبان علی نعیمی

خطیب وامام مسجد رضائے مصطفیٰ، باندرہ، ممبئی

حامداً ومصلیاً

آج سے تقریباً دوڈھائی سال قبل حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر غلام جابر صاحب شمس مصباحی سے میری ملاقات سانتا کروز (بمبئی عظمیٰ) کی جامع مسجد سے متعلق اس حجرہ میں ہوئی۔ جہاں سے میں جبہ ودستار کے ساتھ اوقات نماز پر مسجد میں آکر امامت کرتا تھا۔ ابتدامیں تو میں نے مولانا کی پیشانی پڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کی گفتگو سے مولانا کی علمی حیثیت سے واقف ہوگیا۔ مولانا ہر میدان کے شہ سوار نظر آئے۔ فراغت کے بعد تدریسی فرائض بھی آپ نے باحسن وجوہ انجام دیئے۔ آپ کے چشمہ علم وفضل سے سیکڑوں تشنگان علوم سیراب ہوئے۔

مولانا نے اپنی افتادطبع سے مفتوح ہوکر اپنی جولان گاہ بدلی اور میدان تصنیف وتالیف میں آگئے۔ مبدأ فیاض کے فضل وکرم نے سہارا دیا اور چند ہی سالوں میں پچیسیوں کتابوں کے مصنف ومؤلف ہوگئے۔ مولانا کی پیدائش ۱۹۷۰ء کی ہے اور یہ ۲۰۰۶ء ہے۔ ابھی مولانا موصوف کی کل چھتیس سال کی عمر ہوئی ہے۔ صرف دس بارہ کتابیں اور لکھ دیں، تو مولانا کی عمر اور تعداد کتب دونوں برابر ہوجائیں۔ ان کے جذبہ صالح اور فلک آسا ہمت ولگن کو دیکھتے ہوئے مجھے امید ہے کہ اگلے برسوں میں یہ تناسب مساوی ہوجائے گا۔

مولانا ملازمت پیشہ ہیں۔ تعلیم وتدریس سے وابستہ ہیں۔ مگران کی پیاس باقی ہے اوردور حاضر میں گرتے ہوئے تعلیمی ڈھانچوں کو دیکھ کر انہوں نے الگ ایک ادارہ ''مرکز برکات رضا ایجوکیشنل ٹرسٹ'' قائم کیا ہے، جس کے وہ بانی وپرنسپل ہیں، یہ ادارہ جدید وقدیم کا سنگم ہے، کئی شعبوں پر مشتمل ہے۔ ابھی ابتدا ہے۔ مگر اٹھان اچھی ہے۔ مثلاً درس نظامی، جدید عربی وانگلش میں عالم وعالمہ کورس بالکل جدید ترین ٹیکنیکل سائنٹفک انداز واسلوب اور منہج ومزاق پر جاری وساری ہے۔ انگلش میڈیم اسکول، کمپیوٹر سینٹر، اسلامک لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر۔ بقول مولانا یہ کسی بڑے منصوبے کا محض دیباچہ ہے۔ جوان کی گہری بصیرت دوراندیشی اور تعلیمی مہارت ولگاؤ کا پتہ دیتا ہے۔ گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں، بچے چھوٹے ہیں ان کی خورد ونوش وتعلیم وتربیت کا انتظام اوران میں اسلامی اسپرٹ پیدا کرنا بھی ہے۔ غرض بمبئی جیسے رنگین، روشن، پرشور، تجارتی اور جاگتے بھاگتے ہوئے شہر میں، مختصر تن وتوش، شیڈول بدن، سادہ پوش، سادہ خور مولانا تصنیفی کام کے لئے کب وقت نکال لیتے ہیں، حیرت ہے۔ ان کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے انہیں کاموں کی مشین کہنے کو جی چاہتا ہے۔ دراصل انہوں نے اپنے آپ کو شہری ومجلسی آلودگی وژولیدگی سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر رکھا ہے۔ میرے خیال میں یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔ شہر بمبئی میں یہ ایک نادر مثال ہے۔ نوجوان سنی عالموں اوردانشوروں کے لئے فی الحقیقت ان کا طریقہ کار ایک نمونہ ہے۔

اس وقت میرے سامنے ان کی کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' ہے۔ اولاً تو کتاب کا مقدمہ ہی معلومات وتحقیقات کا خزانہ اورمتاثر کن ہے۔ دوم یہ کہ خطوط ومکتوبات امام احمد رضا جو زمانے کی بے التفاتی کے سبب محفوظ نہ رہ سکے، انہوں نے نہ جانے کہاں کہاں سے چھان پھٹک کر ان علمی وفنی جواہر پاروں کو جمع کر کے علم وادب کے

ذخیرہ کی شکل میں اہل علم کو پڑھنے، پرکھنے کا موقع فراہم کردیا۔ یہ اس سے زیادہ حیران کن ہے۔ پی ایچ ڈی کے مقالہ کی ترتیب کے دوران جو انہوں نے نادر تحقیقات و مخطوطات کی دریافت کی ہیں۔ ان کی روشنی میں انہوں نے تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں مرتب کر ڈالیں۔ یہ تو حیرت بالائے حیرت کی بات ہے۔ اس عظیم علمی و تحقیقی کارنامہ پر وہ تمام خواجہ تاشان رضویت اور سنیت کی طرف سے بصد بار ہدیہ تبریک و آفرین کے مستحق ہیں۔

یہ کتب و تصانیف سرسری اور عام موضوعات پر بھی نہیں ہیں۔ بلکہ خالص علمی اور تحقیقی نہج کی ہیں۔ یوں تو آج کل پی ایچ ڈی کرنا ایک سہل کام ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسے عالم و فاضل ہونا، کبھی وقار و اعتبار رکھتا تھا، اب توار دو خواں بے سند لوگ بھی جبہ و دستار باندھے عالم نہیں، علامہ بن جاتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں مولانا شمس مصباحی کی پی ایچ ڈی سو برس پہلے کی یاد تازہ کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔

ثبوت یہ کہ انہوں نے تحقیقی مقالہ تو لکھا ہی تھا۔ ساتھ ہی دوران تحقیق جو گمشدہ کڑیوں کو جوڑ کر سلیقہ و نفاست سے سجا کر اہل علم و ادب کے سامنے رکھا ہے وہ ان کی بے لوث محنت، شوق فراواں، بلند حوصلگی اور تحقیقی ذوق کا مظہر ہے۔ جو علمی دنیا میں واقعی کسی انقلاب سے کم نہیں۔

اپنی علالت کے سبب اس وقت میں ان کی کتاب پر زیادہ اظہار خیال کرنے سے قاصر ہوں، سرسری جو میں نے مطالعہ کیا اور میرے دل پر جو تاثر قائم ہوا۔ اس کے اجالے میں صرف دو مثالیں نذر قارئین ہیں۔

پہلی مثال تو وہ خط ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مولانا عبدالعزیز رضوی، رنگون کو ارقام فرمایا ہے۔ یہ خط طبی تجویز و مشورہ پر مشتمل ہے۔ مگر جامعیت میں ایک جہان معنی آباد ہے۔ بظاہر اس خط کا تعلق حکمت و طب سے ہے۔ لیکن فقہ سے اس کا ربط بڑا

گہرا ہے۔ اس خط سے پہلی بار معلوم ہوا کہ طب اور فقہ ایک سکہ کے دو رخ ہیں۔ ظاہراً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ طبی تجویز و تشخیص سے جس طرح انسان مرض سے صحت کی طرف پلٹتا ہے۔ اگر یہ نادرست ہو، تو مرض سے صحت نہیں، موت کی طرف سفر شروع ہو سکتا ہے۔ جان تو بے چارے مریض کی جائے گی۔ معالج کا کیا بگڑے گا۔ وہ تو پیسہ اینٹھ چکا، مگر عند اللہ وہ ماخوذ و جواب دہ ضرور ہوگا۔ یوں ہی مفتی وفقیہ کی ذرا سی زلت قلم وقدم سے حلال وحرام اور ایمان وکفر کا امتیاز اٹھ سکتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ طب میں اگر جان کا خطرہ ہے، تو فقہ میں ایمان واسلام کا۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمہ والرضوان نے دونوں کو جس طرح جوڑا اور سمجھایا ہے۔ نہ یہ کہ یہ صرف ان ہی کا حصہ ہے۔ بلکہ دونوں فنوں کے اصول وجزئیات پر کمال عبور وادراک اور شعور واستحضار کی روشن دلیل بھی۔

(کلیات مکاتیب رضا جلد دوم ص: ۱۴۷ تا ۱۵۱)

دوم یہ ہے کہ علماء دیوبند شروع ہی سے اسلامی عقیدوں سے منحرف ومتصادم رہے ہیں۔ اکابرین اسلام اور علماء دین اس وقت سے ان کو سمجھاتے اور ان کا رد کرتے رہے۔ جب اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ علماء اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کا نزاع بہت پرانا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے اس اختلاف کا رشتہ جوڑنا غلط ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے دور میں اسلاف واکابرین اہل سنت والجماعت کے موقف حق وصحیح کی حمایت وحفاظت میں جی جان کی بازی لگا دی۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت اور ہمہ گیر کارناموں کو دیکھ کر یہ کہنا غیر مناسب نہیں کہ خداوند قدوس نے اعلیٰ حضرت کو اسلامی حصار اور دینی فصیل بنا کر ہی پیدا کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ فریضہ بخوبی انجام دیا۔

امام احمد رضا کے پانچ خطوط مولوی اشرف علی تھانوی کے نام ہیں۔ جو جلد اول

کے ص: ۱۶۵ تا ۱۸۵ پر پھیلے ہوئے ہیں ۔ ان خطوط کے مشمولات و مندرجات میں شق در شق سوالات وایرادات ہیں ۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے بس کا روگ نہیں تھا کہ وہ جواب دیتے یا روبرو بحث و مذاکرہ و مناظرہ کرتے ۔ نتیجتاً وہ ہمیشہ منہ چراتے، دم دباتے رہے۔ اور عوام میں اپنا بھرم قائم رکھا۔ لیکن ان خطوط وسوالات میں جو مجھے خاص بات نظر آئی ۔ وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا کامل یقین واعتماد ہے۔ جس کا انہوں نے اپنے خطوط میں اظہار کیا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی ہرگز ہرگز سامنے آکر اپنے اور اپنے اکابر کی خباثت کا دفاع نہیں کر سکتے اور نہ اتنی ہمت ہے کہ وہ علی الاعلان توبہ ورجوع الی الاسلام کر سکتے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اپنے اکابر کی طرح فساد ایمان وعقائد کے ساتھ دنیا سے روپوش ہو گئے ۔

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ پروردگار عالم عزیز القدر فاضل جلیل مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے علم وعمل وعمر اور فکر وقلم میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے ۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فقیر شعبان علی نعیمی

نبیرۂ صدر الشریعہ مفتی محمود اختر قادری

خطیب وامام مسجد حاجی علی، ممبئی

حامدا ومصلیا

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے صالح الفکر، صائب الرائے شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا بچپن ایک ذکی الطبع، قوی الفکر انسان کے شباب سے کم نہ تھا آپ سرحد شباب میں داخل ہونے تک جملہ فنون عربیہ اور علوم دینیہ اوران کے مبادی میں ماہر نظر آتے ہیں، علم کے کسی بھی میدان میں آپ کی جولانیٔ قلم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، کسی ایک انسان میں ایک یا چند علوم وفنون کی مہارت نظر آتی ہے۔ تمام علوم وفنون میں مہارت تامہ کسی ایک ہی فرد کے اندر ہونا نادر المثال ہے، لیکن اعلیٰ حضرت علم وفن کے تمام شعبوں میں کامل اور ہر میدان کے شہسوار نظر آتے ہیں کسی بھی شعبہ علم میں آپ کی عدم مہارت آج تک کوئی محسوس نہ کرسکا۔ بے شک علم حدیث میں آپ امام سیوطی کے مظہر نظر آتے ہیں، تو تفسیر میں امام ابن جریر، امام ابن کثیر اور امام بیضاوی کے پرتو ہیں۔ علوم عربیہ میں سحبان کی شان رکھتے ہیں، تو امام اعظم ابوحنیفہ کے قواعد واصول برتنے میں آپ پر امام بزدوی اور امام سرخسی کا گمان ہوتا ہے۔ صرف انہیں علوم تک نہیں بلکہ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ کی شان یکساں نظر آتی ہے اور آپ کی شان اتنی منفرد ہے کہ اقران وامثال ہی نہیں، بلکہ کئی صدی قبل بھی آپ کی نظیر تلاش کی

جائے تو نہ مل سکے، آپ مجتہدانہ شان اور تفقہ فی الدین میں بیک وقت امام ابن ہمام اور علامہ ابن عابدین شامی نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے فتاویٰ وتصانیف میں فقید المثال اور بے نظیر ہیں اسی طرح اپنے خطوط ومراسلات اور مکاتیب میں بھی نادر المثال اور نابغہ روزگار نظر آتے ہیں، خطوط میں عموماً ذاتی رائے گھریلو حالات، نجی ضروریات، دلی کیفیات، راز ونیاز اور خلوت کدے کی باتیں ہوتی ہیں، مگر اعلیٰ حضرت کے خطوط محققانہ کلام، ناصحانہ پیغام، احکام شرعیہ، دینی مشورے بلکہ بعض خطوط تو بالکل بشکل فتویٰ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مکتوب گرامی ملاحظہ ہو:

"از: بریلی ۱۷ رشوال ۱۳۳۶ھ حضرت والا آداب

میرے اس بیان میں دو دعوے ہیں، ایک یہ کہ طواف تعظیمی غیر کے لئے حرام ہے، دوسرے یہ کہ حضرت عزت کے لئے بھی اگر کعبہ معظّمہ وصفا ومروہ کے سوا کوئی اور طواف مقرر کیا جائے، تو ناجائز ہے، اول کا ثبوت عبارات منسلک ومسلک میں اور دوم کا یہ بیان کہ تعظیم الٰہی بطواف امکنہ اور تعبدی غیر معقول المعنی یہ جس کی تشریح ائمہ نے فرمائی ہے کہ افعال حج تعبدی ہیں، امید کرتا ہوں کہ اس گزارش سے دونوں سوالوں کا حل ہوگیا۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ"

(کلیات مکاتیب رضا ج ۱/ص: ۶۹)

آپ کے خطوط صرف ذاتی حالات، نجی معاملات اور آپسی تعلقات کی باتوں پر مشتمل نہیں ہوتے، بلکہ ہر خط اور مراسلہ علم وحکمت کا مرقعہ، معلومات کا ذخیرہ اور تحقیقات کا سنگ میل نظر آتا ہے، بعض خطوط سمجھنے سے قاصر نظر آئیں گے۔ مثلاً ملک العلماء حضرت فاضل بہاری علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''عرض کوکب بمرکزیت شمس کا حبیب التمام اور لوگارثمی لیجئے۔ پھر علویت یعنی زحل، مشتری، مریخ میں اس لوحہ کو بعد کوکب میں جمع کر کے لو بعد شمس اس سے تفریق کیجئے، اور سفلیات یعنی زہرہ، عطارد میں لو بعد شمس سے مجموعہ لوجم ولو بعد کوکب کو تفریق کیجئے، بہرحال جو بچے اسے جدول ظل لوگارثمی میں مقوس کر کے قوس حاصل سے ۴۵ درجے گھٹا کر باقی ظل لوگارثمی لیجئے''۔ (کلیات مکاتیب رضا، ج ۱ ص: ۳۵۱)

یہ علمی ذخیرے اور تحقیقی شہ پارے اب تک منتشر اور ہماری نظروں سے تقریباً اوجھل تھے، انہیں یکجا کرنے اور کتابی شکل دے کر خواص وعوام تک پہونچانے کا بیڑا محبّ گرامی جناب مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اٹھایا اور بڑی ہی عرق ریزی، جانفشانی اور جہد مسلسل کے بعد اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے خطوط ومراسلات کا گلدستہ بنام ''کلیات مکاتیب رضا'' منصۂ شہود پر جلوہ آرا کر دیا جس سے ہم علم کے پیاسوں کی مشام جاں کو معطر ومشک بار ہوگئی ہے اور علمی تشنگی دور وکافور ہورہی ہے۔

ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب نے اپنی اس عظیم کاوش سے ہم پر جو احسان عظیم کیا ہے۔ اس سے ہم عہدہ برآ نہیں ہوسکتے رب قدیر اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ میں موصوف کی ان خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اسے عوام وخواص میں مقبول فرمائے۔ اس سے تمام اہل علم ودانش کو مستفید فرمائے۔ مرتب کے علم وعمل میں برکتیں عطا کرے۔ اعلیٰ حضرت واکابر اہلسنت کے فیوض وبرکات سے انہیں مالا مال فرمائے اور دارین میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ النبی سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم)

محمود اختر القادری عفی عنہ

۶ رصفر المظفر ۱۴۲۷ھ

خادم الافتاء رضوی امجدی دار الافتاء، قاضی اسٹریٹ، بمبئی

حضرت علامہ مفتی ولی محمد رضوی

صدر: سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور

جب تک اسلاف سے ہماری وابستگی رہے گی۔ دین کی خالص روح ہمارے دل و دماغ میں رچی بسی رہے گی اور ہمارا ملی جوش ہمیشہ استوار رہے گا۔ ائمہ کرام رضوان المولیٰ علیہم اجمعین کے کارناموں اور حیات بے مثال کا تعارف کرانا اور قوم وملت کے افراد کے قلب وجگر میں ان کی عقیدت وعظمت کے نقش بٹھانا باہمت اور بلند بخت حضرات کا طریقہ و وطیرہ رہا ہے۔ یقیناً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظام اور مجددین فخام کی زندگی تابناک و درخشندہ ہے۔ جن کا جتنا بھی ذکر کیا جائے اس سے نور ہی چھنتا ہے اور خوشبو ہی مہکتی ہے۔ جو روح کی تازگی کا باعث ہے۔

۱۴ ارویں صدی کے مجدد اعظم حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جو علم وفضل کے نقوش تابندہ چھوڑے ہیں۔ ان پر محققین ومفکرین کئی عشروں سے کام کر رہے ہیں۔ آپ کی حیات وخدمات کے نئے نئے گوشوں کو اجاگر کر کے ایک جہان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ جس کا پاکیزہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ جو نزدیک تھے وہ اور قریب آگئے اور جو دور تھے وہ بھی قریب آگئے۔ اس مبارک ومسعود سلسلہ کی کڑی کو آگے بڑھانے کیلئے فاضل ومحقق نوجوان مولانا غلام جابر شمس مصباحی مکتوبات رضا پر اہم کام کیا۔ موصوف بقول ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ ''عہد جدید کے نوجوانوں کیلئے ایک چمکتی دمکتی

مثال ہیں“۔ کلیات مکاتیب رضا دیکھ کر آنکھوں میں چمک اور ذہن وفکر میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

ان مکتوبات گرامی نے امام احمد رضا کی عظیم شخصیت کی مزید ضوفشانی کی ہے۔ مثلاً ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے کہ علالت کے سبب ۱۷ روز صرف تین دن کھانا لیا۔ اللہ اللہ۔ آپ صرف قناعت کا درس دینے والے صبر کے معلم ہی نہ تھے، بلکہ آپ سراپا صابر قانع تھے۔ اسی طرح متواضع اور منکسر المزاج تھے جس کے جلوے آپ کی زندگی میں ملتے ہیں اور ان کی خوشبوں اور مہک سے دل و دماغ معطر ہو رہے ہیں۔ آپ نے اپنے نگارشات علمی سے دین وسنیت کا بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان میں ادب کی چاشنی بھی ہے اور سوز جگر بھی اور نفس کا گرم خون بھی چھلکتا ہے۔ غرض کے وہ ہر پہلو سے مجدد اور عاشق صادق اور اعلیٰ حضرت ہی معلوم ہوتے ہیں۔ خدا کرے ہر آنکھ انہیں نظر انصاف سے دیکھے۔ آمین

کلیات ’مکاتیب رضا‘ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ مکتوب نگاری پر جناب غلام جابر صاحب کو پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی دی گئی ہے۔ اس نئ سمت و جہت میں آپ نے جگر سوزی و جفاکشی کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔ جو آپ کی بلندیٔ علم و فکر کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ ایک پوشیدہ خزانہ کو آپ نے باہر لانے میں جد و جہد کی ہے۔ آپ اپنی فکر سے لگن سے فکر رضا کے نئے نئے گوشے اجاگر کر رہے ہیں۔ علوم رضا کے سمندر میں برابر غوطہ زنی کرتے رہتے ہیں اور میں پر امید ہوں کہ فاضل محترم مستقبل میں ایسے زریں اور قابل فخر کارنامے انجام دیں گے جن سے اہل سنت کا دل باغ باغ ہوگا اور اہل حسد وعداوت کے دل داغ داغ۔

موصوف نے اس کاوش میں بہت سی شخصیات سے ملاقات کیں۔ کئی لائبریریاں چھان پھٹک کی، کتنے مقامات کا سفر کیا، فون اور خطوط سے رابطے کئے اور ہمت نہ ہاری

مصائب ومشکلات سے ٹکرلی اور بالآخر رکاوٹیں دور ہوئیں فتح ونصرت نے قدم چومے اور نتائج عمدہ برآمد ہوئے۔ کئی سو مکتوبات حاصل ہو گئے۔ جسے خوبصورت انداز میں سجا کر اہل علم ودانش کے سامنے دلی مسرت کا انہیں موقع دیا۔ انشاء اللہ قارئین موصوف کی اس اہم پیش رفت کی قدر کریں گے اور خصوصی دعا فرمائیں گے۔

میں اس اہم خدمت پر اس عالم نوجوان کو اور اس مرد جاں باز کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پوری جماعت کی طرف سے بھی وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ یقیناً ان کا یہ کارنامہ یادگاری ہے۔ جس سے آپ روز بروز منظور نظر ہوتے جائیں گے۔

مولا تعالیٰ اپنے محبوب پاک ﷺ کے صدقے وطفیل میں اس مرد مجاہد وفاضل ومحقق کو قدم قدم کامیابی وکامرانی عطا فرمائے اور غیب سے ان کی مدد فرمائے۔ اسی طرح اہل سنت وجماعت کو ایسے کاموں کی دامے درمے قدمے وسخنے مدد وتعاون کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کریں
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

فقط: ولی محمد
(سنی تبلیغی جماعت باسنی راجستھان)

حضرت مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی

استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی

بیان احوال، تبلیغ دین اور اصلاح فکر واعتقاد میں ''خط وکتابت'' کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ بہت سے مواقع میں خود رسول اقدس ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کو بذریعہ مکتوب گرامی دعوت اسلام دی۔ مختلف ادوار میں جامع وہمہ گیر مقاصد کے لئے ابلاغ و ترسیل کے لئے اسلاف کرام اور بزرگان اسلام نے بھی ''مکتوب نگاری کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور اس سے دین وسنیت کی بے پناہ خدمات انجام دیں۔ صوفیائے کرام نے تو اس سلسلۃ الذہب کو کچھ زیادہ ہی فروغ دیا۔ اور اسے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور معمولاتِ تصوف کے ابلاغ کا مضبوط ذریعہ بنایا۔ جس کا اندازہ صوفیائے کرام کے مطبوع وغیر مطبوع مکاتیب سے لگایا جاسکتا ہے۔

ماضی قریب کی عبقری شخصیتوں میں مہرِ درخشاں کی حیثیت رکھنے والے مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بھی اس سلسلۃ الذہب کو نہ صرف یہ کہ جاری رکھا بلکہ دیگر علوم و فنون کی طرح ''مکتوب نگاری'' کو بھی بام عروج تک پہنچایا۔ امام احمد رضا کے خطوط میں مختلف علوم وفنون کے عقدۂ لاینحل کا حل بھی ملے گا، عصر جدید کے مسائل کی تحقیق انیق بھی ملے گی، غمزدوں کے غم کا مداوا بھی ملے گا اور مظلوموں کی دادرسی کے اسباب بھی ملیں گے۔ شخصیتوں کا واقعی تعارف بھی ملے گا، اور مریضوں کے لئے نسخۂ کیمیا بھی، اصلاح عقائد و اعمال کی تدبیریں بھی ملیں گی اور ادبی شہ پارے بھی۔ مختصر یہ کہ اس رنگا رنگ

گلدستے میں جو جس طرح کا پھول ڈھونڈے گا، ملے گا۔ شرط ہے کہ نگاہ عقابی ہو اور نظر دقیق۔

قابل صد مبارکباد ہیں محبّ گرامی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی زید مجدہ جنہوں نے امام احمد رضا کے مکاتیبی شہ پاروں کو اپنی تحقیق و ریسرچ کا موضوع بنایا۔ اور کوئی دس سالہ محنت و کاوش اور جد و جہد کے بعد ''کلیات مکاتیب رضا'' کے نام سے مجموعہ ''خطوط رضا'' کو فی الحال دو جلدوں میں مرتب فرما کر شائع کیا۔ یہ دونوں مجموعے تقریباً چار چار سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ دونوں جلدوں میں خطوط کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو ہے۔ اس کی تیسری جلد ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے جو تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ خدا کرے وہ بھی جلد شائع ہو جائے۔

میری معلومات میں مولانا ڈاکٹر غلام جابر زید مجدہ کی یہ تالیف ۱۹۹۳ء سے لے کر ۲۰۰۳ء تک کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ موصوف کا یہ کارنامہ اسلئے بھی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے اپنی تنخواہ کی رقم سے ہند و پاک کا سفر کیا اور یہ ''مجموعہ مکاتیب'' تیار کیا۔ کوئی کم حوصلہ والا آدمی ہوتا تو شاید اس راہ کی دشواریوں سے تنگ آ کر چھوڑ دیتا۔ مگر

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تو، تو نہیں خطرۂ افتاد

میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی برکتیں ان کے ساتھ تھیں ورنہ اتنا بڑا کام سرانجام دینا مشکل تھا۔ اس تعلق سے ''مکتوبات امام احمد رضا اور اکرام امام احمد رضا'' بھی لائق مطالعہ ہیں، مگر تعداد خطوط اور نادر مخطوطات کی شمولیت کی وجہ سے ''کلیات مکاتیب رضا'' کو امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے حوالے سے اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، جس کی وجہ سے یہ مجموعہ اہل علم کی غیر معمولی دلچسپی کا باعث بنے گا۔ باعتبار مجموعی مرتب موصوف زید مجدہ کی یہ ترتیب و تالیف قابل قدر و لائق تحسین ہے، جس کے لئے وہ پوری

جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔'' دارالعلوم قادریہ برکات رضا'' کلیر شریف نے اس کو اپنے اہتمام میں شائع کیا ہے۔اور یہ ادارہ علم شریعت وتصوف کی تعلیم وتدریس میں روز افزوں ترقی پر ہے۔مولا تعالیٰ اسے حاسدین کے شر سے محفوظ رکھے اور مرتب موصوف زید مجدہ کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔اور ہم سب کو دین وسنیت کی خدمت کی توفیق بخشے۔آمین۔بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر آلِ مصطفیٰ مصباحی غفرلہ

خادم تدریس وافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو یوپی

۱۱رصفر المظفر ۱۴۲۷ھ ۲۰۰۶
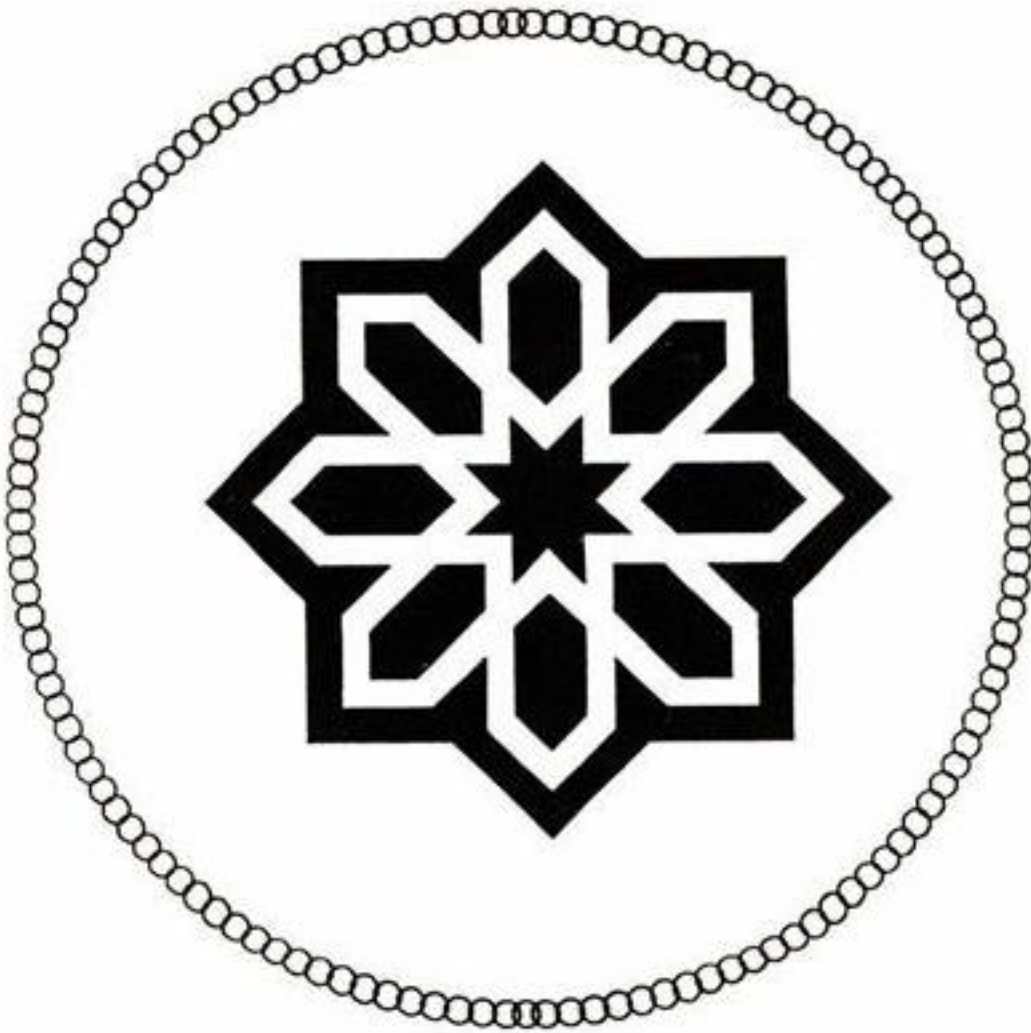
مفتی محمد انوار الحق وارثی مصباحی

استاذ دار العلوم غریب نواز ملاڈ ممبئ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بات کئی سال پہلے کی ہے۔ دار العلوم قادریہ کنز الایمان اندھیری، ممبئ کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں شرکت کی غرض سے جیسے ہی جلسہ گاہ میں پہنچا۔ ایک اپنائیت سے بھر پور، شیریں اور مانوس سی آواز کانوں میں رس گھول گئی ۔ آواز کی سمت متوجہ ہوا، تو میرے دیرینہ مخلص حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی اپنے محققانہ کارناموں کی طرح بلند و بالا قد و قامت کے ساتھ مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ میں بھی آگے بڑھا اور رسم محبت ادا ہوئی۔ یہ کئی سال بعد ہماری ملاقات تھی ......مگر یہ کیا؟ جسم ناتواں سا، چہرہ بے رنگ ، حلقہ چشم گہرا ہوتا ہوا، گفتگو سے نقاہت مترشح ......؟ میری نگاہوں کا استفہام دیکھ کر خود ہی گویا ہوئے:

"میں نے اپنا خون جگر جلا کر چہرہ کا رنگ و روغن کھو کر اپنی پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کر لیا ہے۔ جس کا ۷۵% فیصد مواد غیر مطبوعہ ہے الخ"

اب اس کی وجہ سمجھنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔ جو انہیں کی زبان میں اس طرح ہے:

"یہ جو کچھ بھی ہوا، میری پانچ سالہ لگن، شبانہ یوم محنت، جاں توڑ جد و جہد، پیہم تلاش و سفر اور متواتر مطالعہ و تحقیق کا خوبصورت ثمرہ ہے۔ (ڈیڑھ سطر بعد) اس بیچ میں معاشی دقتیں بھی پیش آئیں۔ فقر و فاقہ کی لذتیں بھی اٹھائیں، مگر نہ عزم میں کہیں خستگی آئی

،نہ پائے ثبات کسی لغزش کا شکار ہوا''۔ (مقدمہ کلیات مکاتیب رضا)

بہر حال مجھے خوشی اس بات کی ہوئی کہ ان کو ان کی منزل مل چکی اور عزم محکم، عمل پیہم اور فیضان رضا کی برکت سے اپنے عظیم مقصد میں وہ کامیاب ہو چکے تھے...... بے ساختہ کلمات تہنیت زبان سے نکلے...... مبارک صد مبارک......!!

اور اس وقت ''کلیات مکاتیب رضا'' کی دو مطبوعہ جلدیں اپنے تمام تر صوری و معنوی محاسن کے ساتھ میری زینت نگاہ ہے۔ تیسری جلد منتظر طباعت ہے اور ابھی مرتب کی تشنگی بجھی نہیں ہے۔ تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری ہے۔ ذوق و شوق کا عالم یہ ہے کہ نہ اپنوں کی لاپرواہی سدراہ بن رہی ہے اور نہ ماہرین رضویات کی بے اعتنائی سے (گستاخی معاف) دلبرداشتہ ہو رہے ہیں...... یقیناً یہ امام احمد رضا قدس سرہ سے بے پناہ عقیدت و محبت کا کرشمہ ہے کہ اہل محبت تو اس راہ کی کلفتوں سے بھی شرشار ہوتے ہیں۔

تو آں قاتل کہ بہر تماشہ خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

امام احمد رضا کے مکتوبات پر یہ پہلا کام نہیں ہے مگر کام کی وسعت، غیر مطبوعہ مکاتیب کے لئے مرتب کی تگ و دو، وسائل کی کمی اور معاشی ناآسودگی کے باوجود ہند و پاک کے مختلف بلاد و امصار کے بار بار سفر کی صعوبتیں جھیلنے کے بعد جو ''عظیم کارنامہ'' انہوں نے انجام دیا ہے۔ یقیناً یہ اس میں منفرد ہیں اور تمام علمی برادری بالخصوص رضویات سے دلچسپی رکھنے والوں کی طرف سے قابل صد تحسین ہیں کہ امام احمد قدس سرہ کے غیر مطبوعہ و نو دریافت شدہ خطوط سے جہاں رضا کی نئی جہتوں سے آشنائی ہوگی اور پھر کام کرنے والوں کو تو سراغ چاہیے اور بس......! جیسا کہ خود مرتب لکھتے ہیں:

پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حصول میرا ثانوی مقصد تھا۔ منشائے اصلی یہ تھا کہ امام

احمد رضا کی سیرت وفکر کے وہ گوشے جواب تک پردۂ خفا میں ہیں، سامنے لائیں جائیں، روشنی پھیلے۔ ظلمتیں دور اور تاریکیاں کافور ہوں (پیراگراف بدل کر) اس دوران میری چھوٹی بڑی آٹھ دس کتابیں ترتیب پا گئیں''۔ (کلیات مکاتیب رضا مقدمہ)

امام احمد رضا کی عظیم شخصیت جس طرح عالم اسلام میں علم وتحقیق کے حوالے سے جانی جاتی ہے۔اسی طرح ان کے خطوط بھی علم وعرفان کا ایک بحر زخار ہے۔ ڈاکٹر شمس مصباحی نے انہیں جمع وترتیب اور شائع کر کے جواہرات تلاش کرنے والوں کی راہیں آسان اور ہموار کردی ہیں۔ یقیناً اہل نظر واہل تحقیق اس سے استفادہ کریں گے اوران کی مرتب کردہ ''کلیات مکاتیب رضا'' مرجع وماخذ کا کام کرے گا۔

ابھی ڈاکٹر صاحب کا مقالہ ڈاکٹریٹ منظرعام پر آنا باقی ہے۔مکتوبات رضا کی جمع وتدوین میں ان کی محنت شاقہ، تفحص وتلاش اور حقیقت شناشی وحق نگاری دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقالہ ڈاکٹریٹ بہت دقیع ہوگا اور جہان رضا کی نئی جہتیں دریافت ہوں گی۔اللہ کرے۔وہ بھی جلد مرحلہ اشاعت وطباعت سے گزر کر زینت نگاہ بن جائے۔

ریسرچ وتحقیق کا یہ پانچ سالہ دورانیہ ان کی حیات کا زریں دور کہلائے گا۔جس میں ان کی ایک درجن سے زائد چھوٹی بڑی تصنیفات معرض وجود میں آگئیں اور بالخصوص جس کی برکت یہ ہوئی کہ امام احمد رضا قدس سرہ پر تحقیقی کاموں کی فہرست ان کی مرتبہ ''کلیات مکاتیب رضا'' کے بغیر ادھوری رہے گی۔!!!

اوراب اس عظیم کارنامہ پر ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہوئے کہوں گا کہ ریسرچ وتحقیق کا سلسلہ جاری رکھیں کہ بہت سے عناوین آپ جیسے محققین کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ معاشی آسودگی کے بغیر اس طرح کے کام بہت مشکل ہوتے ہیں۔ اہل وعیال کی تربیت وتعلیم کی فکر بھی دامن گیر ہوگئی ہے۔

فکر معاش عشق بتاں ، یاد رفتگاں
اس مختصر سی عمر میں کیا کیا کرے کوئی

مگر کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں، جو پہاڑ کھود کر جوئے شیر نکال لیتے ہیں اور میں آپ کو انہیں لوگوں میں شمار کرتا ہوں ......پس آگے بڑھئے۔ تیشہ فرہاد اٹھایئے اور نکال لیجئے تحقیق کی نہریں۔

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
میری منزل تو ہے بہت آگے حد پرواز سے

محمد انوار الحق وارثی
خادم التدریس والافتاء
دار العلوم غریب نواز ملاڈ ممبئی

امام احمد رضا
ایک عظیم مکتوب نگار

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی

خطوط نگاری کی ایک طویل تاریخ ہے۔ یہ تاریخ اتنی ہی پرانی ہے۔ جتنا ادب پرانا ہے۔ ہر زبان وادب میں اس کا وجود ہے۔ ماضی میں مہجوروں کی غاپبانہ ملاقات غائبانہ پیغام رسانی، ہدایت ونصیحت اور افہام وتفہیم کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ اسی لئے اس کو نصف ملاقات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط کا ذکر ہے، جو آپ نے ملکہ سبا کے نام ارسال فرمایا تھا۔ اسلامی تاریخ میں خطوط نگاری کا آغاز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات شریف سے ہوتا ہے۔ تاریخ ادب اسلامی میں عربی فارسی اردو وغیرہ مختلف زبانوں میں خطوط کے مجموعے ملتے ہیں۔ بہت سے مجموعے شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ رسالوں کے خطوط نمبر بھی شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

اردو خطوط نگاری میں امام احمد رضا محدث بریلوی کا اہم مقام ہے۔ انہوں نے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی خطوط لکھے ہیں۔ وہ تینوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ انہوں نے قلم کا حق ادا کر دیا۔ فارسی اور عربی کے علاوہ وہ اردو کو اپنی نگارشات سے مالا مال کیا۔ انہوں نے تقریبا پچپن سال مسلسل لکھا۔ بہت کم دورے کئے ان کی نگارشات نے سارے عالم کے دورے کئے۔ مکتوب نگاری ان کی علمی زندگی کا ایک اہم شعبہ تھا۔ سینکڑوں خطوط لکھے۔ بلکہ ہزاروں لاکھوں۔ وہ خطوط کے جواب دینے میں

بڑے مستعد تھے۔ان کا ادب میں مقام بہت بلند ہے۔فقیر کے چند سالوں کے خطوط کو محمد عبدالستار طاہر صاحب نے جمع کیا۔تو ڈیڑھ دو ہزار صفحات پر مشتمل تین جلدیں وجود میں آئیں ۔تو غور فرمائیں ! امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی مکتوبات نگاری کا کیا عالم ہوگا۔یقیناً آج بھی ان کے خطوط محبت والوں کے علمی خزانوں میں محفوظ ہوں گے۔وہ دل سے لگائے رکھتے ہیں۔نہ دیتے ہیں،نہ دکھاتے ہیں۔جب لینے والے نہ رہیں گے۔جب دیکھنے والے نہ رہیں گے ۔تو پھر کیا ہوگا؟ ذرا سوچیں ،تو سہی اور خزانوں کے بند دروازے کھول دیں ۔فقیر نے تھوڑی کوشش کی ،تو برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری۔مولانا محمد عارف اللہ شاہ میرٹھی اور علامہ مفتی محمد مظفر احمد دہلوی علیہم الرحمہ نے کرم فرمایا اور امام احمد رضا محدث بریلوی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نادر خطوط عنایت فرمائے ۔مارہرہ شریف کے چشم و چراغ حضرت حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ نے کرم فرمایا۔غریب خانے پر خود تشریف لائے اور اپنے کتب خانے میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے غیر مطبوعہ خطوط کے ایک عظیم ذخیرے کی خوشخبری سنائی۔

فاضل جلیل علامہ ڈاکٹر مفتی غلام جابر مصباحی نے قدم بڑھایا اور امام احمد رضا محدث بریلوی کے مکتوبات شریف پر تحقیق فرمائی۔اس کی تقریب یہ ہوئی۔کئی سال قبل فقیر بریلی شریف حاضر ہوا۔وہاں ڈاکٹر سرتاج حسین رضوی کی قیام گاہ پر جہاں فقیر ٹھہرا ہوا تھا۔ملاقات کے لئے چند علماء تشریف لائے ۔علماء کے ساتھ ڈاکٹر غلام جابر مصباحی بھی تھے۔وہ اس وقت ڈاکٹر نہ بنے تھے،ڈاکٹریٹ کے لئے عنوان زیر بحث تھا۔فقیر نے تجویز پیش کیا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی مکتوب نگاری پر ڈاکٹریت کیا جائے۔بظاہر محسوس ہوتا تھا کہ اس موضوع پر مواد نہ مل سکے گا۔اس لئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔کیا مواد مل جائے گا؟ فقیر نے عرض کیا کہ اتنا مواد ملے گا کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا،جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ڈاکٹر غلام جابر مصباحی نے پینتیس سال کی مختصر عمر میں اتنا کچھ حاصل کرلیا

اور اتنا کچھ لکھ لیا ہے کہ یہ کہا جا سکتا یہ کہ انہوں نے زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں میں وقت کا ضیاع اور مال و دولت کا ضیاع ایک عام سی بات ہوگئی ہے، جو نہایت ہی مہلک ہے ایسے مسلمانوں کے لئے غلام جابر کی زندگی نمونہ ہے۔ انہوں نے بہت کم وقت میں بہت کم خرچ کر کے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔ غلام جابر کو کئی سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل ہے۔ بالعموم کسی بھی ادیب اور شاعر کے اس اہم پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ پہلو نہایت ہی اہم ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے اور زندگی کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں قرآن

تو یہ کیفیت بزرگوں کے دامن سے وابستہ ہو کر ہی پیدا ہوتی ہے۔ جو وابستہ نہیں ہوا، وہ وادیوں میں بھٹکتا نظر آتا ہے۔ داغ دہلوی نے اپنے شاگرد اور امام احمد رضا کے بھائی حسن بریلوی سے امام احمد رضا کا ایک شعر سن کر یہ کہا تھا:

''مولوی ہو کر اتنے اچھے شعر کہتا ہے''

داغ دہلوی نے کیسی عجیب بات کہی۔ ان کو نہیں معلوم کہ حقیقی مولوی کا دل اور اس کے جذبات و احساسات کتنے پاکیزہ ہوتے ہیں، اسی طرح اقبال مرحوم نے امام احمد رضا کی فقاہت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

''اگر مزاج میں شدت نہ ہوتی، تو وہ اپنے وقت کے ابو حنیفہ ثانی تھے''۔

یہ بھی عجیب بات ہے۔ شدت کا فقہ سے کیا تعلق؟ اس کا تعلق تو مزاج سے ہے۔ کوئی بھی شخص اپنے مزاج کی وجہ سے نااہل نہیں قرار پاتا۔ بات بہت دور نکل گئی۔ بات تھی غلام جابر مصباحی کی سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت کی۔ انہی نسبتوں نے غلام جابر مصباحی کی تعمیر و تربیت کی اور اسی کا فیض ہے کہ ان کا دل جذبے سے معمور ہے۔

وہ جب جذبے میں ڈوب کر لکھتے ہیں۔ تو ان کی تحریر ایک ادب پارہ بن جاتی ہے۔ جو دل کو کھینچنے لگتی ہے۔ یہی جوہر ادب کو ادب بناتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ غلام جابر مصباحی نے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر تحقیق کی۔ ابتدا میں ان کو اندازہ نہ تھا کہ اتنا مواد مل جائے گا۔ مگر قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے۔ تحقیق کے بعد یہی محسوس ہوا کہ قطرے دریا بنتے جارہے ہیں۔ وہ لگن کے پکّے ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ چل پھر کر تحقیق کرتے ہیں اور تحقیق کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ ایسے فرہاد ہیں، جنہوں نے کوہ کنی کے بعد شیریں کو پالیا۔ انہوں نے مکتوب نگاری پر مقالہ ڈاکٹریٹ تو لکھا ہی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا محدث بریلوی کے جو مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ خطوط ان کو ملے، ان سے کشید کر کے تقریباً اٹھارہ کتابیں بنا ڈالیں۔ پیش نظر کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' ان اٹھارہ کتابوں میں سے صرف ایک کتاب ہے۔ جس میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی شان علم وادب اور شانِ علم وفضل دیکھ رہے ہیں۔ غلام جابر مصباحی نے اس کا انتساب امام احمد رضا کے والدِ گرامی محمد نقی علی خان اور مرشدِ کریم شاہ آل رسول مارہروی سے کیا ہے اور امام احمد رضا محدث بریلوی کے اپنے الفاظ میں اس کے بعد ''مؤلف ایک نظر میں'' کے عنوان کے تحت غلام جابر مصباحی کی علمی اور تصنیفی خدمات کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس کے بعد مشمولات میں چھپن شخصیات کے نام ہیں۔ جن کو امام احمد رضا محدث بریلوی نے خطوط ارسال فرمائے۔ اس کے بعد پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کا معلوماتی تعارف ہے۔ جو صاحب مکتوب کے نام سے شامل ہے۔ پھر غلام جابر مصباحی کا فاضلانہ اور محققانہ مقدمہ ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے متعلق۔ عنوانِ کتاب کے متعلق اور خطوط کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے بڑی دیانتداری سے مطبوعہ خطوط کے بارہ مجموعوں کا بھی ذکر کیا ہے اور آخر میں بڑی تفصیل کے ساتھ معاونین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ انہوں نے موافق ومخالف دونوں کا خیال رکھا ہے اور اپنی تحقیق کو جانبداری یا طرفداری سے مجروح ہونے نہیں

دیا۔مجموعی طور پر ان کی یہ خدمت لائق تحسین وآفرین ہے ۔انہوں نے بڑی جدوجہد اور لگن کے ساتھ امام احمد رضا محدث بریلوی کی خطوط نگاری کے سلسلے کی مختلف کڑیوں کو بڑے حسن وخوبی کے ساتھ جوڑا ہے اور ادبی دنیا میں ایک قابلِ ذکر اضافہ کیا ہے۔

امام احمد رضا کو ادبی دنیا نے فراموش کیا اور وہ شاعری جس کا آج پورے عالم میں چرچا ہے۔اس کو بھی جگہ نہ دی۔الحمد اللہ! اس پہلو پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔جس سے ادیبوں اور مؤرخوں کی مجرمانہ غفلت کا پتہ چلتا ہے۔امام احمد رضا محدث بریلوی کی مکتوب نگاری کا یہ پہلو جس کو غلام جابر مصباحی نے پوری آب وتاب سے روشن کیا ہے۔نثری ادب میں جگہ نہ دی گئی۔لیکن اب تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اردو خطوط نگاری میں امام احمد رضا کا مقام بہت بلند ہے۔خطوط لکھنے میں لکھنے والے کا رنگ جھلکتا ہے۔امام احمد رضا کے خطوط میں ان کے علم وادب کا رنگ پوری آب وتاب سے جھلک رہا ہے۔غلام جابر مصباحی کا اردو ادب پر احسان ہے کہ انہوں نے ایک ایسے عظیم مکتوب نگار کو تلاش کیا۔ جس سے ادبی دنیا واقف نہ تھی۔

''کلیات مکاتیب رضا'' کے آئندہ ایڈیشن میں تفصیلی تخریج کے ساتھ ساتھ اگر اشاریات کا بھی اضافہ کردیا جائے۔تو بہت مناسب ہوگا۔اسی کے ساتھ ساتھ مکتوبات کی روشنی میں اگر امام احمد رضا محدث بریلوی کے سوانحی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے۔ تو بہت ہی مناسب ہوگا۔اور سوانح نگاروں کو ایک اہم مأخذ مل جائے گا۔

اللہ تعالیٰ علامہ ڈاکٹر غلام جابر مصباحی کی اس علمی اور ادبی کاوش کو قبول فرمائے۔وہ اسی طرح لکھتے رہیں۔آگے بڑھتے رہیں۔ترقیاں کرتے رہیں۔پیاسوں کو سیراب کرتے رہیں۔آمین اللہم آمین۔ (ماہنامہ ُجامِ نور ُدہلی)

کلیاتِ مکاتیب رضا
بے شک ایک بڑا کام ہے

علامہ سید رکن الدین اصدق چشتی

ایڈیٹر' جام شہود' بہار شریف، نالندہ

جامع کمالات شخصیتوں کے زرنگار قلم سے وقتاً فوقتاً جب مکتوبات حیز تحریر میں آتے ہیں تو وہ محرر کی زندگی کا آئینہ بن جاتے ہیں۔ ان مکتوبات میں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو ان کی مجمع البحرین ذات کی سیرت وسوانح مرتب کرنے کے لئے مطلوب ہوتا ہے اور ایک فنکار ان مکتوبات کی روشنی میں محرر کی سوانح حیات مرتب کر ڈالتا ہے۔ اس لئے کہ ان میں علمی گہرائی و گیرائی بھی ہوتی ہے اور اخلاقی قدریں بھی۔ جودت طبع بھی ہوتی ہے اور فکر کی بلندیاں بھی۔ خیالات خاطر احباب کی لذت بھی ہوتی ہے اور خردہ نوازی کی جلوہ سامانیاں بھی۔ اسلاف کی عقیدت کا عنصر بھی ہوتا ہے اور صالح عقائد ونظریات کی جھلکیاں بھی۔ اقربا کے درد و محبت کا پہلو بھی ہوتا ہے اور جماعتی درد وکرب کی اثر انگیزیاں بھی۔

اولیائے محققین کے مکتوبات کی جمع وترتیب کا سلسلہ بہت دراز ہے۔ اس لئے کہ ان کے مکتوبات ان کی کسی بھی تصنیف سے عوام کے لئے کم نفع بخش نہیں۔ کتاب کسی خاص موضوع کو محیط ہوتی ہے اور مکتوبات کا مجموعہ رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ ہوتا ہے۔ کوئی پھول کسی کے نازک طبع کو راس آتا ہے اور کوئی پھول کسی کے افتادِ طبع کے موافق ہوتا ہے۔ المختصر

یہ کہ افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بلا شبہ مکتوبات اہل دل اور اہل قلم عوام و خواص سبھوں کیلئے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

لیکن باکمال شخصیتوں کی پچاس ساٹھ سالہ طویل زندگی میں پھیلے ہوئے علمی و دینی خطوط کے جمع اور ترتیب کا کام بڑا دشوار ہے۔ کب کب، کہاں کہاں اور کس کس کے نام خطوط لکھے گئے اور کہاں کہاں وہ اب تک محفوظ ہیں۔ تقریباً ایک صدی بعد یہ معلوم کر کے ان کی فراہمی کس قدر مشکل مرحلہ ہے، شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ ایسے عزم صمیم کا پیکر، جو جنون کی حد تک اس کام سے دلچسپی رکھتا ہے وہی یہ صبر آزما کام انجام دے سکتا ہے۔

دسمبر ۲۰۰۶ء کے عشرۂ اخیرہ میں ممبئی کے سفر کے دوران عزیز گرامی مولانا حافظ سید سیف الدین اصدق چشتی کے بدست کلیات مکاتیب رضا کی دو ضخیم جلدیں گرامی قدر مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کے مکتوب کے ساتھ دستیاب ہوئیں۔ کتاب دیکھتے ہی مجھے کام کی اہمیت کے ساتھ ساتھ مرتب کی عرق ریزیوں کا بھی اندازہ ہو گیا۔ میں اپنے سفر کی طوفانی مصروفیات اور مشاغل کے ہجوم کے باعث کتاب کو بالاستیعاب نہ دیکھ پایا۔

کتاب پر تاثر و تبصرہ کا حق تو اس وقت ادا ہوتا جب اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز کے اکثر مکاتیب کے خصائص بیان کئے جاتے اور جگہ جگہ سے آپ کی پر نور تحریروں کی جھلکیاں دکھائی جاتیں۔ مگر افسوس اس بے بضاعت سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ سرسری طور پر چند اوراق ہی دیکھ پایا اور بالکل رواں دواں انداز میں یہ چند سطریں سپردِ قلم کر سکا۔

اس سلسلے میں میری سب سے بڑی مجبوری یہ ہے کہ میں ان دنوں کئی سو صفحات پر مشتمل ''حیاتِ اصدق'' نامی کتاب کی ترتیب میں مصروف ہوں۔ جس کا آستانہ چشتی چمن کے سالانہ عرس اپریل ۲۰۰۷ء میں اجرا ہونا ہے۔ تقریبات عرس کی تاریخیں قریب آتی جا رہی

ہیں اور کام ابھی بہت باقی ہے۔ اس لئے کسی اور طرف توجہ دینے کا چنداں موقع نہیں ہے۔ اگر تنگی وقت کا یہ عارضہ لاحق نہ ہوتا تو میں اپنے فہم ناقص کے مطابق تبصرے کا کچھ حق ادا کر پاتا۔

اعلیٰ حضرت کو معتوب کرنے والوں سے میں اتنی گزارش کروں گا کہ وہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے نام لکھے گئے چند مکتوب کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کر لیں۔ جس کی سطر سطر اس بات کی گواہ ہے کہ یہ مکتوب صرف احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے پیشِ نظر معرضِ تحریر میں آئے ہیں۔ کفری عبارتوں سے توبہ و رجوع کا مطالبہ صرف اس لئے ہے کہ امت مرحومہ کو افتراق و انتشار سے بچایا جا سکے اور ملت کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے اور سچ یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی ہٹ اور ضد کی وجہ کر اعلیٰ حضرت کی یہ حق بداماں آرزو پوری نہ ہو سکی۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے نام حلت غراب کے مسئلے پر جو خطوط تحریر کئے گئے ہیں اس میں بھی نفسانیت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ایک خالص شرعی اور فقہی مسئلے کی حنفی اصولوں پر وضاحت طلب کی گئی ہے۔ ایک حرام پرندے کو زبردستی حلال ثابت کرنے کی رشیدی فتویٰ میں جو کوشش کی گئی ہے اس [illegible] شش ناکام پر اعلیٰ حضرت نے چالیس علمی وفکری سوالات اس لئے قائم [illegible] یں کہ قائل حلت غراب (کو احلال) کے مسئلے سے توبہ اور رجوع پر آمادہ کیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان سوالات سے اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت، تبحر علمی اور جرح وتعدیل کی بے محابا صلاحیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

لیکن افسوس! مولوی صاحب موصوف کی ''انا'' قبول حق میں مانع رہی اور وہ ایک ایسی چیز کو حلال کہہ کر چلے گئے کہ آج ان کے اَتباع (ماننے والے) بھی کھلے عام اسے حلال کہنے کی ہمت نہیں کرتے اور نہ ہی اس حکم پر عمل کر کے عوام کو دکھا سکتے ہیں۔ کتنے بے باک ہیں وہ لوگ، جو جرم کرنے والوں کی پکڑ نہیں کرتے۔ جرم کے ارتکاب پر جس

دنیا سجن مومن ہے، سجن میں اتنا آرام مل رہا ہے۔ کیا محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کے لئے قوت کفاف بس ہے۔"

اعلیٰ حضرت کے اس مکتوب کے چند پہلو انتہائی قابلِ غور ہیں۔ اولاً یہ کہ ۱۳ رذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کو یہ مکتوب رقم کیا گیا اور ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت کا وصال ہوگیا۔ اس حساب سے وصال سے تین ماہ دس دن پہلے مکتوب گرامی تحریر میں آیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی مظلوم زندگی آخردم تک کس قدر مصروف کار تھی۔

ثانیاً یہ کہ ایک نیاز مند شاگرد کے خط کے جواب میں کچھ تاخیر ہوئی اس کی کئی مجبوریاں بیان کرنے کے بعد فرمایا "عدم جوابی کو اعذارِ صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے" اس جملے میں فروتنی، انکساری اور خردہ نوازی کا جذبہ کس قدر نمایاں ہے، یہ کسی بھی اہل نظر سے مخفی نہیں۔

ثالثاً یہ کہ یہ تو دیکھا، یہ نہ دیکھا، کے بعد جو کلمات ارشاد ہوئے ہیں وہ مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس فرمانِ عالی شان سے کس قدر ہم آہنگ ہیں۔ شاید بتانے کی ضرورت نہیں۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں۔

رضينا قسمة الجبار فينا لنا علم و للجهال مال

رابعاً یہ کہ دنیا سجن مومن ہے سے آخر تک جو جملے بیاں ہوئے اس سے تنگی اور تنگ دستی کے شکوہ کو دبا کر جذبۂ تشکر کو بیدار کیا گیا ہے۔ جو لاریب "ان شکرتم لازیدنکم" کے فرمان کی طرف مشیر ہے۔

خامساً یہ کہ دنیا فاحشہ ہے، کہہ کر جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ اولیائے محققین کی روشن تحریروں کی طرف راہنما ہے۔ سلطان المحققین سیدنا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں "خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ خداوند

تعالیٰ نے تمام برائیوں کو ایک خانے میں رکھا، جس کی کنجی دنیا کی محبت ہے اور تمام نیکوں کو اس خانے میں جمع کر دیا، جس کی کنجی ترک دنیا ہے“۔ (مکتوبات صدی، ص ۴۶۸)

خط کا آخری جملہ ”دنیا میں مومن کے لئے قوت کفاف بس ہے“ یہ قناعت کی نہایت حسین و دل آویز تعلیم ہے۔ ان ہی روشن تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ پہلے کے علما دنیا سے گریزاں اور آخرت کے جویاں نظر آتے تھے۔ اب ہر مولوی سرمایہ داروں سے آنکھیں لڑانا چاہتا ہے اور بنگلہ سجانے میں ان کے ہمدوش ہونے کا خواہاں دکھائی دیتا ہے۔

”مشتے نمونہ از خروارے“ کے طور پر یہ چند باتیں تحریر میں لائی گئیں ورنہ عدیم الفرصتی کے ساتھ ساتھ مجھ بے بضاعت کے اندر اتنی لیاقت کہاں کہ اعلیٰ حضرت کے مکتوبات کے خصائص مالہ، وما علیہ بیان کر سکے۔ یہ چند سطریں بھی اس لئے تحریر کی گئی تاکہ عوام اہل سنت یہ جان سکیں کہ فاضلِ جلیل حضرت مولانا غلام جابر شمس مصباحی نے مکاتیب رضا کو ترتیب دے کر ایک مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس کے لئے وہ پوری ملت کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں اور رضوی اداروں اور اکیڈمیوں کی طرف سے انعام و ایوارڈ کے حقدار بھی ہیں۔

مولائے کریم بکرم حبیبہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مولانا کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اور صحت و سلامتی کے ساتھ دین کی خدماتِ جلیلہ پر تادیر انہیں مامور رکھے۔ خود بھی شاد رہیں، گھر بھی ان کا آباد رہے اور ملت کی بہار بن کر جماعت پر ہمیشہ چھائے رہیں۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(الف، سہ ماہی ’جام شہود‘ بہار شریف، جنوری تا مارچ ۲۰۰۷)

(ب، سالنامہ یادگار رضا ممبئی ۲۰۰۷ ص ۱۵۳ تا ۱۵۷)

کلیات مکاتیب رضا پر اک نظر

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی، مظفر پور

کلیات مکاتیب رضا حصہ اول ودوم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی تحقیقی کاوشوں کا اعلی نمونہ ہے۔ تحقیق کا فن مستقل مزاجی، دماغ سوزی، صرفہ وقت اور ہمہ وقتی انہماک وارتکاز کا متقاضی ہے۔ یہ چیزیں بالعموم عمر عزیز کے چہل سال گزر جانے کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن شمس مصباحی نے ابھی اپنی زندگی کی محض ۳۵ بہاریں دیکھی ہیں اور اتنا بڑا کام کر گئے۔ اس کو سراسر فضل رحمانی اور عطائے ربانی کے اور کیا کہا جائے۔ مزید حیرت ومسرت کی بات یہ ہے کہ ان کی تحویل میں تقریباً ڈیڑھ درجن تحقیقی مسودات منتظر اشاعت ہیں۔ خدا جانے وہ آدمی ہیں یا مشین۔ جو کام ایک ادارہ کے کرنے کا تھا، وہ تنہا کر چکے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ ایک شخص نہیں مستقل ادارہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کام انہوں نے کن حالات میں کیا ہے۔ خود انہیں کے الفاظ میں ملاحظ ہو:

”میں نے یہ کام لوہے کا چنا ہی نہیں کہ وہ ہوتا تو چبا تا۔ فاقوں کی لذتیں اٹھا کر کیا ہے“۔ آفریں بر ہمت مرادنہ او

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر ڈاکٹر شمس مصباحی سے پہلے بھی بعض مستند اصحاب علم وقلم نے قابل قدر کام کئے ہیں۔ لیکن تحقیق کی دنیا میں میں کوئی بات حرف آخر کا

درجہ نہیں رکھتی۔ وقت کا کارواں آگے بڑھتا رہتا ہے۔ نئے نئے انکشافات ہوتے رہتے ہیں۔ تلاش و جستجو فطرت انسانی کا خاصہ ہے، اسی جذبہ بے اختیار و شوق جنوں کے تحت انہوں نے اپنا تحقیقی سفر شروع کیا کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے امام احمد رضا کے بعض ایسے نادر مکاتیب حاصل کئے جن سے اب تک لوگ قطعی طور ناواقف تھے۔ اس کی تفصیل ان کے مقدمے میں موجود ہے۔ تحقیق کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ متاع گمشدہ کی بازیافت کا نام ہے اور یہ کام موصوف نے کر دکھلایا ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مختصر یہ کہ تصحیح متن اور ترتیب و تدوین کا کام جس محنت، شغف، سلیقے اور نفاست سے انہوں نے کیا ہے وہ ان کو صف اول کے محققین کی صف میں شامل کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ خدائے عز و جل ان کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے تا کہ وہ دین و سنیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکیں۔ میں ان کو سنیوں کے قاضی عبدالودود کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

فاروق احمد صدیقی

کلیات مکاتیب رضا

مرتبہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس المصباحی پورنوی

تبصرہ نگار: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایڈیٹر جہان رضا لاہور

ڈاکٹر غلام جابر شمس المصباحی ایک عالم دین، ادیب، محقق اور رضوی اسکالر ہیں آپ نے فاضل درس نظامی کیا ہے بہار یونیورسٹی انڈیا سے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر ڈاکٹریٹ کی ہے۔ آپ نے ''کلیات مکاتیب رضا'' کی تین جلدیں مرتب کی ہیں۔ جن میں سے ۲ رجلدیں ''کلیات مکاتیب رضا'' کے نام سے دار العلوم برکات رضا کلیر شریف نے شائع کی ہے۔

''کلیات مکاتیب رضا'' میں پانچ سو سے زیادہ مکتوبات جمع کئے گئے ہیں۔ جسے فاضل مولف نے برصغیر کے گوشے گوشے سے جمع کیا اور حلقہ رضویت کے اہل علم وفضل کے ذخیرہ کتب سے تلاش کر کے مرتب کیا ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بکھرے ہوئے خطوط کو کتابی شکل دی ہے۔ فاضل مولف نے ہندوستان کے ہزاروں علماء کرام کے علاوہ پاکستان کے شہروں قصبوں اور دیہات میں رہنے والے علماء کرام کی لائبریریوں کو چھان کر یہ موتی جمع کئے ہیں۔ ان میں اکثر خطوط وہ ہیں، جو پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی یہ کاوش اس مکھی کی طرح ہے، جو تین سو ساٹھ پھولوں سے رس لے کر شہد بناتی ہے اور شفاء للناس بن کر انسانی صحت کی ضمانت دیتی ہے۔

ز ہر گلبنے غنچہ یافتم ز ہر خرمنے خوشہ یافتم

ڈاکٹر مصباحی نے ہر باغ سے پھول اور ہر خرمن سے دانے جمع کئے اور اہل محبت کے لئے کلیات مکاتیب رضا کا دستر خوان بچھا دیا۔

''کلیات مکاتیب رضا'' میں اگر چہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خطوط ہیں، جو آپ نے اہل علم احباب کو ذاتی طور پر لکھے تھے۔ مگر ہر خط میں ایک خاص مسئلہ، ایک خاص موضوع اور ایک خاص نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ مکتوبات کے قارئین مطالعہ کے دوران محسوس کریں گے کہ مکتوب نگار کس انداز سے مسائل دینیہ کو حل کرتا جاتا ہے۔ ہم ڈاکٹر مصباحی صاحب کی اس کاوش کو ہدیہ حسین پیش کرتے ہیں اور ان کی کاوش کو سلام کرتے ہیں۔

(ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور شمارہ۔ فروری ۲۰۰۶ء)

کلیات مکاتیب رضا میری نظر میں

ڈاکٹر حسن رضا خان پی ایچ ڈی، پٹنہ

ہر دور میں نثری ادب میں خطوط نگاری کی حقیقت مسلم ہے۔ حضور سرور کائنات کے مکاتیب اس کا بین ثبوت ہے۔ پہلے دور میں خطوط نگاری کا دائرہ سرکاری تھا۔ مگر اموی دور میں یہ سرکاری دائرے سے نکل کر موجودہ دینی اور سیاسی جماعتوں میں مقبول ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکاری خط وکتابت اور مہر کے دفاتر قائم کئے۔ چونکہ ان دفاتر سے ہی سرکاری احکام وقوانین کا صدور ہوتا اور وہ دیگر ریاستوں اور مفتوحہ ممالک اور سلطنتوں میں بھیجے جاتے تھے۔ اس لئے قابل اعتماد اور تجربہ کار زبان وبیان کے ماہرین کا انتخاب ہوتا۔ کیونکہ جو خط لکھا جائے۔ اس میں زبان وبیان کی جامعیت ہو۔ الفاظ وکلمات کا اتنا جامع انتخاب ہو کہ مطلوبہ معانی ومفاہیم کی ادئیگی میں خلل نہ پیدا ہو۔ یہ طریقہ اتنا اہم ہوگیا کہ حکومت کے ہر شعبہ میں انشاء پردازوں کی ضرورت پڑنے لگی۔ یہ حضرات زبان وبیان کو نکھارنے کی کوشش کرتے اور فنی باریکیوں کا خیال کرتے۔ تاکہ اپنے خطوط واسالیب سے خلیفہ کو متاثر کریں اور ان کے مقرب بن جائیں۔ عبد الحمید الکاتب نے اس فن میں بڑا کمال پیدا کیا۔ اسے رسائل نگاری کے موجد وامام اور الکاتب یا شیخ کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ اس لئے اب رسائل نگاری عربی ادب کی ایک صنف بن گئی اور اس کا سلسلہ عباسی کاتب ابن الحمید تک دراز ہوا۔

اردو معلیٰ میں غالب کی خطوط نگاری اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ جو تاریخ

اردو ادب میں مسلم ہے۔ اعلیٰ حضرت کے خطوط کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں۔ تو یہ بات یقین کے اجالے میں آجاتی ہے کہ آپ اس فن کے ایک عظیم شارح، ایک دردمند مصلح اور مسلمانوں کے مقتدا و امام نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی اہل نظر اعلیٰ حضرت کے صرف مکاتیب و خطوط کا ہی مطالعہ کرے، تو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آپ اہل علم و فن کے منارۂ نور ہیں۔ آپ کے خطوط کے مطالعہ کرنے والوں کو خطوط میں متعدد اصحاب کمال کے چہرے نظر آئیں گے۔ جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں۔ تو ایک ایسے فقیہ کی تصویر ابھر آتی ہے۔ جو قوت اجتہاد، بصیرت فکر، دیانت و تعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا۔ کسی خط میں ایسا محسوس ہوگا کہ آپ کسی عظیم مورخ کے سامنے ہیں۔ جو کسی مسئلہ کی تنقیح کے سلسلہ میں تاریخ کے مختلف مراحل پر بحث کر رہا ہے۔ کسی خط میں ادب ولغت کے امام کی حیثیت سے جواہر پارے بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ چونکہ اعلیٰ حضرت ایسے نابغہ روزگار ادیب و شاعر تھے کہ اپنے زمانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ جملہ فنونِ شرعیہ و ادبیہ پر حاوی تھے۔ اس لئے آپ ان کی تحریروں کا جائزہ لیں گے۔ تو یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہوجاتی ہے کہ آپ نے ادب کو معراج کمال تک پہنچادیا۔ اپنی قوت متخیلہ کی جولانیت سے گم کردہ راہوں کو روشناس جادہ استقامت کردیا۔ خطوط میں بے ساختگی ایسی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ بالمشافہ بات کر رہے ہیں۔ سوال و جواب کے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے۔ مگر ادائیگی جواب میں ایسے الفاظ لاتے ہیں۔ جو سوال و جواب میں باعث تمیز بن جاتے ہیں۔ ان خطوط میں اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ جس رتبہ کا مکتوب الیہ ہے۔ اس کی سمجھ اور مذاق کے موافق تحریر ہوتی ہے۔ مکاتیب امام احمد رضا کے مطالعہ کرنے والے یہ جان جائیں گے کہ اعلیٰ حضرت خلوت و جلوت۔ سفر و حضر، اندھیرے و اجالے میں کیسے تھے۔ اس لئے کہ خطوط

خط نگار کی سیرت کے مکمل آئینہ دار ہوتے ہیں۔

مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نئی نسل کے محققین کی فہرست میں ایک چمکتے چاند نظر آتے ہیں۔ علمی کاوش کے متعلق دیکھا جائے، تو اس کی فہرست بہت مختصر نظر آتی ہے۔ مگر اس میں بھی اپنا نمایاں مقام حاصل کر لینا آسان بات نہیں ہے۔ یہ فضل رب ہے۔ فیضان اعلیٰ حضرت ہے۔ مولانا موصوف تحقیق کی دنیا میں ایسے تحقیقی، نادر اور انقلابی کام کر گئے کہ برصغیر میں دھمک پیدا کر دی۔ معلوم ہوتا ہے، علم کی خدمت ان کی گھٹی میں ڈال دی گئی ہے۔ خواہ اس کی وجہ سے انہیں زندگی عسرت میں بسر کرنا پڑے، یا سخت مشکلات اٹھانی پڑے۔ مگر علم کی خدمت خصوصا رضویات کے حوالے سے ایسی لگن کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز آڑے نہیں آسکتی۔ ڈاکٹر شمس مصباحی کی کارگذاریوں کا جائزہ لینے پر یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ ان کو پڑھنے سے زیادہ لکھنا آتا ہے۔ بلکہ لکھنے سے زیادہ سوچنا آتا ہے اور اپنی فکر وسوچ کی گہرائی میں اتنا ڈوب جاتے ہیں کہ بقول ڈاکٹر اقبال:

ع خواب میں دیکھتے ہیں عالم نو کی تصویر

اور پھر خواب میں دیکھی ہوئی دنیا کی تعمیر عالم سچائی میں کرتے ہیں اور جب تک ہر لفظ کی موزونیت اور برجستگی کا یقین نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک وہ مطمئن نہیں ہو جاتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں علمی کام پختگی، سلیقہ مندی اور ہنرمندی کے ساتھ نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر شمس مصباحی نے اپنے کام کے لئے ایک نہایت مشکل اور اہم میدان کا انتخاب کیا ہے۔ مکاتیب کی ترتیب وہ بھی اعلیٰ حضرت جیسی نابغہ روزگار شخصیت کے مکاتیب۔ جن کو ان کے کارناموں کی وجہ سے عرب وعجم میں امام کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا، جن کے بارے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ:

جمال روئے منور کی تابشوں سے حضور
تجلیات کے سورج اگا دیئے تم نے

اعلیٰ حضرت وہ ہیں، جنہوں نے شعور کو آگہی بخشی ہے اور آگہی کو شعور عطا کیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا بجا ہوگا کہ آپ نے جسے چھو دیا ہے، اسے فن کا امام بنا دیا ہے۔ جسے دیکھ لیا ہے، اسے علم کا ناخدا بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر شمس مصباحی کو دعائیں دیجئے کہ انہوں نے جماعت اہل سنت پر جو احسان کیا ہے اور اپنی کاوشوں سے جو عزت بخشی ہے۔ اس کے سبب اب وہ اپنی جماعت کے لئے سرمایہ ثابت ہو چکے ہیں۔ ان کی جتنی عزت افزائی، ہمت افزائی اور ان سے محبت و پیار کیا جائے، کم ہے۔ خدا تعالیٰ ان کے علم و عمل اور عمر میں اور دست و بازو میں ڈھیر ساری برکتیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خیر اندیش
حسن رضا خان
سلطان گنج، پٹنہ

کلیات مکاتیب رضا پر مشہور طنز و مزاح نگار یوسف ناظم کا اظہار خیال

یوسف ناظم باندرہ، بمبئی

خاکسار شروع ہی میں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ اس نے اس وقیع، ضخیم اور وزنی کتاب کے موضوع کے بارے میں اظہار خیال کرنے کی جسارت (بلکہ حماقت سے گریز کیا ہے۔ کیونکہ خاکسار کی علمی استعداد جو صفر سے بھی کم ہے) اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے خاکسار نے صرف فاضل مصنف کی مقالہ نگاری کے تعلق سے کچھ کہنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر شمس مصباحی نے ابھی عمر کی صرف پینتیس بہاریں دیکھی ہیں۔ لیکن ان سے مل کر مجھے حیرت انگیز مسرت ہوئی کہ اس عمر میں انہوں نے علم و فضل اور تالیف وتصنیف کے اتنے مراحل طے کر لئے کہ جس کے لئے لوگ اپنی پوری عمر گذار دیتے ہیں۔ لیکن وہ گوہر مقصود حاصل نہیں کر پاتے، جو ڈاکٹر شمس مصباحی نے اپنی والہانہ اور مجنونانہ مشقت اور لگن کی بدولت اس وقت حاصل کر لیا، جب وہ پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے تھے۔ اسے صحیح معنوں میں ''زانوئے تلمذ'' تہہ کرنا کہتے ہیں اور ایسا ہی شوق تلمذ اور ذوق تصنیف زندگی کے مراحل طے کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر شمس مصباحی کی دینی، علمی، ادبی اور تدریسی خدمات بے حساب ہیں اور لوگوں کو رشک میں مبتلا کرنے لئے کافی سے زیادہ ہیں۔ مقالہ نگاری بجائے خود ایک اہم مرحلہ ہے اور اگر مقالہ کا موضوع دینی و علمی ہو، تو یہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ ہماری جامعات میں ادبی اور تحقیقی

مقالہ نگاری ایک رسم کے طور پر رائج ہے اور اس کا حال زار دیکھتے ہوئے جامعات کے ارباب حل وعقد نے اب مقالہ نگاروں کے لئے کچھ شرائط مقرر کئے ہیں (یہ ایک خوش آئین اقدام ہے اور ان مجوزہ شرائط وقواعد کا مقصد یہ ہے کہ مقالہ نگاری صرف کسب زر کی خاطر نہ ہو اور نہ ایک عدد سند حاصل کرنے کے شوق کی تکمیل کے لئے ہرگز ہرگز نہ ہو) مقالہ نگار صاحبان کو زیر نظر مقالہ پڑھ کر ایک عمدہ سبق حاصل کرنا چاہیے۔

لیکن ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ زیر نظر مقالے کے موضوع سے مقالہ نگار کو فطری دلچسپی رہی ہے اور ممدوح سے بے پناہ عقیدت، یہ مقالہ بتاتا ہے کہ مقالہ نگاری بھی ایک فن ہے۔ بلکہ اگر موضوع دین ومذہب ہے، تو یہ فن سے زیادہ عبادت ہے۔ جس میں خضوع وخشوع اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا آدمی کا لباس پہننا۔ خاکسار کو یقین ہے کہ زیر نظر مقالہ لکھنے کے دوران عزیزی ڈاکٹر شمس مصباحی ہمیشہ باوضو رہے ہوں گے۔

مکاتیب کی تعداد دونوں جلدوں میں تقریباً برابر ہے اور سارے مکاتیب حروف تہجی کے اعتبار سے درج کئے گئے ہیں۔ (اردو کے حروف تہجی جو صرف بھلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ پوری طرح حفظ ہو جاتے ہیں) جن علماء کرام کے نام یہ مکاتیب لکھے گئے، خود ان کی تعداد...... ہے۔ کتاب (جلد دوم کے آخر) میں مکتوب عام کے عنوان سے بھی خاصی تعداد میں مکاتیب شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب میں ایک اہم اور معلومات افزا مضمون جو عام دلچسپی کا باعث ہے۔ وہ ہے پروفیسر محمد مسعود احمد کا مفصل مضمون۔ جس میں خط اور فتوے کا فرق بیان کیا گیا ہے اور ظاہر ہے مصنف کا تحریر کردہ مقدمہ تو کتاب کی جان ہے۔

میرا یہ اظہار خیال درحقیقت اظہار ندامت ہے۔ مکاتیب کے بارے میں کچھ نہ عرض کر کے میں نے اپنے جہل کی پردہ پوشی کی ہے۔ لیکن میں مطمئن اور خوش اس لئے ہوں کہ کتاب کے فاضل مصنف کو میرے متعلق خوش فہمی کا عارضہ لاحق ہوا تھا۔

یوسف ناظم ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۵ء۔ بمبئی

مکتوباتی ادب اور امام احمد رضا

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری
پی ایچ ڈی، میسور یونیورسٹی، میسور

اس وقت دنیا میں دیگر اصناف ادب کی طرح مکتوباتی ادب کی بھی گونج سنائی دے رہی ہے۔ بڑے بڑے دانشوروں کے خطوط مطالعہ کی میز پر موضوع بحث بنے ہوئے ہیں اور حسن وقبح کی باریکی تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے میں مصروف ہے۔امام احمد رضا، جو ایک دبستان ادب اور جہان علم تھے۔آیئے، دیکھیں کہ مکتوباتی ادب کو ان کی عروس فکر نے کیسے کیسے جلووں سے آباد کیا ہے۔مگر پہلے مکتوباتی ادب کی تاریخی حیثیت پر ایک نظر ڈال لیں۔تا کہ اس کی اہمیت کا ہر پہلو آشکار ہو جائے۔دنیا میں ربط باہمی کے اظہار کے لئے جو سلسلہ شروع ہوا، اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں ''رقعہ'' کا لفظ ملتا ہے اور اب اس کی جگہ ''خط'' نے لے لی اور اب جدیدیت کے لفظ مکتوب کو اپنی آغوش کی زینت بنالیا ہے۔

مگر عوام وخواص کی زبان پر مجموعی انداز سے خط ہی کا لفظ زیادہ مستعمل ہے بہر حال خط ہو یا مکتوب دو اشخاص کے درمیان ترسیل خیال کے تحریری رابطہ کو کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام کا خیال ہے:

''خط لکھتے وقت صرف دو انسان زندہ رہتے ہیں۔ان کے علاوہ ساری دنیا غنودگی کے عالم میں رہتی ہے۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''وہ خطوط جن میں استدلال کا زور ہو، فلسفے پر باقاعدہ بحثیں ہوں اور بالارادہ فن کاری ہو خطوط نہیں ہوتے''۔

خطوط نگاری کی ابتداء کہاں سے ہوئی۔ انگریز مفکر سسرو کا لکھنا ہے کہ مکتوب نگاری کی ابتدا روم سے ہوئی۔ ۱۸۶۷ قبل مسیح خطوط نویسی کی روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ تاریخ اسلام سے بھی بعض حقائق کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے بنیامین کی رہائی کے لئے عزیز مصر کو ایک خط لکھا تھا۔ اگر اس روایت کو تسلیم کریں، تو خطوط نویسی کی یہی ابتداء ہوگی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ فن ادب کی ترویج واشاعت کے لئے نہیں، بلکہ مذہب کی تبلیغ کے لئے ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں خطوط سے کام لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حکومتی سطح پر خطوط کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور ادب میں مکتوب نگاری کا موجد کون ہے؟

بعض لوگوں کا خیال غالبؔ پر جا کر ٹک گیا تھا۔ لیکن جدید تحقیق کی رو سے غوث بے خبر نام کا ایک شخص اس کا موجد ہے۔ جس نے اردو خطوط نویسی کو فارسی خطوط کے خلاف مزاج دیا تھا۔ خواجہ احمد فاروقی بھی اسی خیال کی تائید میں ہیں۔ غوث بے خبر کے خطوط کو مرتضیٰ حسین بلگرامی نے ۱۹۶۰ء میں ''انشائے بے خبر'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے بھی خطوط ملتے ہیں۔ یہ خطوط لکھنو کی تہذیب کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں لکھنو کی مٹتی ہوئی تہذیب کے نقوش ملتے ہیں۔

غالب کے خطوط اردو نثر کا بے بہا عطیہ ہیں، ان کی مکتوب نگاری کا زمانہ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کا ہے۔ لیکن جتنے بھی خطوط ملتے ہیں، ان خطوط میں جو پختگی اور فنی رچاؤ ہے، وہ کسی اور کے یہاں نہیں۔ غالب کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے مراسلہ کو

مکالمہ بنا دیا ہے۔ دیگر اصناف کے مقابلہ میں مکاتیب میں شخصی عناصر زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک اچھے خط کو شخصیت کا عکس کہا جاتا ہے۔ اچھا یا معیاری خط یونہی وجود میں نہیں آتا۔ اس کے لئے جگر کاوی اور جاں سوزی کی ضرورت پڑتی ہے۔ صحیح معنیٰ میں مکتوب نگاری کا پہلا مقصد ترسیل خیالات وجذبات ہے۔ لیکن آج یہ مستقل صنف کی شکل میں متعارف ہو چکی ہے اور اس سے معرکہ ہائے تخیل سر کئے جا رہے ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی، جو اپنے عہد (۱۸۵۶ء/۱۹۲۱ء) کی عبقری انقلابی شخصیت تھے۔ جنہوں نے علم کی ہر شاخ اور ہر گوشے کو اپنے متنوع تخیل سے مالا مال کیا۔ بلکہ جس فن کو ان کی نوک قلم نے چوم لیا۔ وہ اپنی قسمت پر جھوم اٹھا۔ بھلا مکتوباتی ادب کا ان کی عقابی نظر سے اوجھل رہ جانا کیسے ممکن تھا۔ باوجودیکہ وہ خالص دینی شخصیت تھے۔ مگر اپنی فکری گوناں گونی کا وہ دبستان انہوں نے سجایا کہ قدیم سے جدید علوم تک کی بنجر زمین گل ولالہ کی امین بن گئی۔ جن فنون کو ان کی فکر نے پر بہار کیا ہے۔ ان میں مکتوباتی ادب بھی ہے۔ جس کا تعارف اور جس کی رونمائی باضابطہ طور پر دو ضخیم جلدوں میں ''کلیات مکاتیب رضا'' کے نام سے ڈاکٹر شمس مصباحی نے کی ہے۔

امام احمد رضا کے علمی تجدیدی کارناموں کا شاہکار بارہ ضخیم وعظیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ ہے۔ لیکن غور کیجئے، تو وہ بھی از اول تا آخر مکتوباتی ادب کا آئینہ دار ہی نہیں، بلکہ تاجدار بھی ہے۔

بحیثیت سائل کسی نے اپنی الجھن تحریر کی ہے اور بحیثیت مجیب آپ نے اپنے جواب سے اس کی تسلی فرمائی ہے۔ لیکن یہ خود آپ بحیثیت سائل پیش آمدہ یا پیش کردہ مسئلہ سے متعلق وضاحت چاہ رہے ہیں اور آپ کا مخاطب وضاحت میں مصروف ہے۔ اس لئے ایک طرف اگر یہ فتاویٰ ہیں، تو دوسری طرف مکتوباتی ادب کے حسین نمونے۔ تاہم وہ

مکاتیب، چونکہ فتاویٰ کے مزین غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں۔اس لئے مکتوبی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بھی فتاویٰ ہی کے نام سے معروف وموسوم ہیں۔مگراس حقیقت سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ ان میں مکاتیب کا رنگ وروغن بھی ہے اور فتاویٰ کی گھن گرج بھی اس لئے بیک وقت وہ فتاویٰ اور مکاتیب دونوں کا حسین سنگم ہے۔

امام احمد رضا چونکہ عالمی عالم دین تھے۔اس لئے ان کے رابطے کا دائرہ پوری دنیا پر محیط تھا۔علمی حلقوں میں آپ کا نام احترام سے لیا جاتا تھا اور کام کا اچھا شہرہ تھا۔یہ بات سب کو معلوم تھی کہ اس وقت آفاق میں صرف ان کی دہلیز علم سے دنیا جہان کے الجھے مسائل کی گھتیاں سلجھتی ہیں۔یہی وجہ تھی کہ اپنی ہر قسم کی الجھنیں دور کرنے کے لئے ہر طرف سے مایوس ہو کر لوگ آپ کی بارگاہ کا رخ کرتے تھے۔انہوں نے خود ذکر فرمایا ہے: ''کہ ایک ایک وقت میں چار چار پانچ پانچ سو استفتاء جمع ہو جایا کرتے ہیں''۔یہ اس بات کا اعلامیہ ہے کہ اپنے عہد میں امام احمد رضا تنہا عالم اسلام کے مرجع ومرکز تھے۔اس چوکھی رابطہ کو سامنے رکھئے۔تو امام احمد رضا کے مکاتیب کا سلسلہ شرق تا غرق اور شمال تا جنوب دراز سے دراز تر نظر آتا ہے اور چونکہ بحیثیت جامعیت آپ کی شخصیت کثیر الجہات وسیع الصفات تھی۔اس لئے آپ کے مکاتیب میں وہ اوصاف جگمگ کرتے نظر آتے ہیں جنہیں مکاتیب کے لازمی عناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حق یہ ہے کہ ان مکاتیب میں علم کی شمع بھی فروزاں ہے، عمل کا لعل بدخشاں بھی۔تخیل کی کہکشاں بھی ہے، تدبر کا ہفت آسماں بھی۔درد بھی ہے، دل بھی۔دوا بھی ہے، دعا بھی۔اپنائیت بھی ہے، اجنبیت بھی۔محبت کے پھول بھی ہیں، نفرت کے کانٹے بھی۔دوری بھی ہے، حضوری بھی۔جلوت کی ہمہ ہمی بھی ہے، خلوت کی سنسان فضا بھی۔راز نہاں بھی ہے اور حقائق عیاں بھی۔ظاہر ہے اتنے بکھرے جلووں کو ''کلیات مکاتیب رضا'' کی تدوین وترتیب کے سلک میں پرونا، تصور

کیجئے، تو کام کی نوعیت سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن:

ع مردے از غیب بروں آید و کارے کند

کے بمصداق محبی مولانا غلام جابر شمس نے سر میں مجنوں کا جنون، ہاتھ میں فرہاد کا تیشہ، نظر میں عقاب کی تیزی، جگر میں چیتے کی صفت فولادی، دماغ میں شاہین کی اڑان، دل میں دعاؤں کا فیضان، کمر میں ہمت کا پٹہ باندھ کر اس اخلاص وانہماک کے ساتھ صحرا پیمائی کی کہ قدیم کتب ورسائل کے صفحات کی زینت، مگر اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل خطوط کے علاوہ ایک درجن مجموعہا مکاتیب کے مخزونے کی دستیابی حاصل کر لی۔ ان خطوط کی تحصیل تک کتنی باران کے صبر کا امتحان ہوا، کتنی بار پیشانی عرق عرق ہوئی، کتنی بار کوئے چشم سے قطرہ اشک ٹپکے، کتنی بار ہمت ٹوٹتی اور زنجیر تجسس چھوٹتی محسوس ہوئی۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو اس جادۂ محبت کی آبلہ پائی سے لطف آشنا ہیں۔ میں چونکہ خود بفضلہٖ تعالیٰ اس راہ کا راہی رہ چکا ہوں۔ اس لئے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مولانا نے جمع مکاتیب کا جو کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی کچھ کہے، یا نہ کہے، مگر ان کی روح ضرور کہہ رہی ہوگی کہ:

اس میں ہمارا خون جلا ہو کہ جان و دل
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

پورے جہان رضویات کی طرف سے مولانا آفریں کے مستحق ہیں کہ خطوط رضا، جو بکھرے موتی کی طرح یہاں وہاں پھیلے ہوئے تھے۔ مولانا انہیں سلک ترتیب میں پرو کر خوبصورت مالا کی شکل دیدی ہے۔ جو جہان رضویات کے لئے قیمتی مالا حاضر ہے جو چاہے اپنے گلے کا ہار بنا لے۔ امام احمد رضا کے یہ مکاتیب کیسے آفتاب ومہتاب اور نجوم وکواکب کی کہکشہاں ہیں۔ فاضل مقالہ نگار تحریر کرتے ہیں:

''ان (امام احمد رضا) کے مخاطبین اور مکتوب الیہم میں نوکر مزدور بھی دکھائی دیتے ہیں اور کسان وکوچوان بھی۔ جہاں ریاستوں کے والیان ونوابان سائلوں کی صف میں کھڑے ہیں۔ وہیں عدالتوں کے وکلاء وجج صاحبان بھی۔ اس قطار میں ماہرین تعلیم بھی ہیں، تو سیاست ومعیشت کے واقف کاران بھی۔ خانقاہوں کے اربابان جبہ ودستار بھی ہیں، تو اس دور کے بڑے کج کلاہان علم وفن بھی۔ غرض ان کے حلقہ تعارف واحباب میں تمام شعبہائے زندگی کے لوگ نظر آتے ہیں۔ جن کا وطنی تعلق دنیا کے بیش تر خطوں اور حلقوں سے ہے''۔ (کلیات مکاتیب رضا جلد اول، ص:۲۴)

ایک ایسا عالم، جس کی ایک نظر اپنے اساتذہ پر ہو، تو دوسری نظر اپنے تلامذہ پر۔ ایک ایسا پیر، جس کا ایک ہاتھ اپنے پیر کے ہاتھ میں ہو، تو دوسرا اپنے مرید کے ہاتھ میں۔ ایک ایسا قائد، جو ایک طرف شمع بزم اکابر ہو، تو دوسری طرف خورشید افق اصاغر، جو اپنے بڑوں سے نور وسرور لیتا اور اپنے چھوٹوں کو معمور و پر نور کرتا ہو۔ ایک ایسا محسن، جس کا دامن امتیاز من وتو کی گرد سے ایسا پاک ہو کہ اس کا دل عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے دھڑکتا اور پھڑکتا ہو۔ ایک ایسا عاشق رسول، جو مسلمانوں کا رشتہ غلامی نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جوڑنے میں پل پل ڈوبا اور ڈٹا ہو۔ ذرا سوچیئے! اس کے خطوط کے کتنے رنگ وآہنگ ہوں گے۔ ان میں کیسا سوز وساز اور کیسی رنگا رنگی ہوگی اور وہ ان خطوط میں وہی ایک جلوۂ ہزار ہے، کا کیسا شاہکار ہوگا۔ بفحوائے کل اناء یترشح بمافیہ۔ وہ مکاتیب ایک طرف علوم وفنون کے دریائے ذخار ہیں، تو دوسری طرف اصناف ادب کے گلشن وگلزار بھی۔ مکتوباتی ادب کے حوالے سے امام احمد رضا کے وہ فکری شہ پارے جو ادب عالیہ کا آئیڈیل اور نمونہ ہیں۔ اب ایک دستر خوان علم پر سج کر ہر تشنہ کاموں کی ضیافت طبع کے لئے ہمہ دم حاضر ہیں اور یہ مکتوباتی ادب کی خدمت ہی نہیں، بیش بہا اضافہ بھی۔

ڈاکٹر شمس مصباحی کا جو کام تھا۔ انہوں نے کیا۔ اب ہماری اخلاقی ذمہ داری کا امتحان ہے کہ ہم اس مکتوبی سرمایہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں ۔ کچھ نہیں، تو کم از کم اعتراف حقیقت ہی کر کے مولانا کی ہمت افزائی کریں۔ یہ بھی بہت بڑی بات ہو گی۔ مکتوباتی ادب میں امام احمد رضا کا مقام متعین کرنے کے لئے ڈاکٹر شمس مصباحی نے جو اہم دستاویز ہم سب کے حوالے کیا ہے ۔ رب قدیر اسے قبول عام کی دولت سے سرفراز فرمائے اور مولانا موصوف کے لئے اسے ذریعہ سعادت اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں باد۔ آمین

دعا گو ودعا جو

ڈاکٹر نجم القادری

خطیب محمدی جامع مسجد

خیرانی روڈ ساکی ناکہ ممبئی

فکر رضا
مکتوبات رضا کے آئینے میں

علامہ مقبول احمد سالک مصباحی
ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے صابر، ممبئی

مکتوب نگاری کا فن کوئی نیا فن نہیں اور نہ ہی امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس خصوص میں انفرادیت کے دعویدار ہیں۔ان سے اگلوں نے بھی اس ذریعہ ترسیل وابلاغ سے خوب خوب فائدہ اٹھایا ہے۔نہ صرف مادی وسیاسی مقاصد کے حصول اور جذبات واحساسات کی تسکین کے لئے بلکہ خالص مذہبی وتبلیغی اور علمی وفنی افادہ واستفادہ کی وادیوں کو سرکرنے کے لئے بھی۔اس سلسلے میں مکتوبات صدی اور مکتوبات امام ربانی کا خاص طور پر حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ادبی دنیا میں خطوط غالب کی اہمیت سے کسی کو انکار کی جرات نہیں ہوسکتی ہے۔اردو زبان وادب میں ادبی حیثیت سے مرزا غالب ایک منفرد شان کے مالک اور نئے طرز بیان کے بانی کہلاتے ہیں۔نثر و نظم دونوں میں ان کی عظمت واہمیت مسلم ہے۔خطوط غالب کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ اردو نثر میں سہل نگاری اور بے تکلفی انہیں کی مرہون منت ہے۔

مکتوب کو اہل ذوق ونظر نے نصف لقاء (آدھی ملاقات) سے تعبیر کیا ہے۔ مکتوب کسی بھی شخص کا بہترین ترجمان ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی شخصیت کا مکمل آئینہ

داراور پرتو ہوتا ہے۔ کوئی بھی مفکر یا مصنف دیگر علمی موضوعات کی نکتہ آفرینیوں اور استدلالات کے پردے میں اپنی اصل شخصیت چھپا سکتا ہے۔ مگر جب وہ مکتوب نگاری پر آتا ہے۔تو اس کے اندر کا چھپا انسان صاف جھانکنے لگتا ہے۔ کیونکہ عموما انسان خط اس وقت لکھتا ہے جب وہ تنہا ہوتا ہے اوراس کا مخاطب اس کے سامنے پیکر ظاہر میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا پیکر تصوراتی ،اس کی نگاہوں کے سامنے رقصاں ہوتا ہے۔ کسی طرح کا کوئی تکلف حائل نہیں ہوتا اورمکتوب نگار اگرضروری حدتک زبان وبیان پر قدرت اوراظہار مافی الضمیر کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتا ہے۔تو بے تکان اپنے دل کے پھپھولے کاغذ پر پھوڑ سکتا ہے۔

مگرمکتوب نگاری شاید اتنا سہل بھی نہیں جتنا مندرجہ بالاسطور سے مترشح ہورہا ہے۔مکتوب نگار اگرچہ اس میدان میں کتنا ہی آزاد، باذوق اور بامراد ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی کسی نہ کسی حدتک فنی صنعت کو دخل ضرور ہے،ورنہ پھر چندایک افراد کا ہی نام کیوں اس خصوص میں لیا جاتا؟

گویا یہ فن بعض وجوہ سے عام تصنیفی مشاغل سے زیادہ مشکل اوردقت طلب ہے یعنی اس مرحلہ شوق کو طے کرنے کے لئے غیر معمولی حدتک ادبی رسوخ۔فکری پرواز ۔اسلوب بیان سے واقفیت ۔نازک احساسات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کے فن سے واقفیت ضروری ہے۔

ادبی دنیا سے تعلق رکھنے والوں نے عموما مکتوب نگاری کے فن کولہوولعب ، جام وسبو، رندو میخانہ، شب وروز ،احوال وکوائف ،مؤدت ورقابت ،تنگی وخوشحالی ،صحت ومرض تقریب وتبریک اوراحباب واقارب کی خیریت ومزاج پرسی کے لئے استعمال کیا ہے اورعاشقانہ مزاج یا شاعرانہ ذوق رکھنے والوں نے کاکل ورخساراورلب ورخ کی توصیف

وثنا میں برسوں اپنے قلم کو گنہ گار کیا ہے۔

زیادہ تفصیل میں نہ جا کر ہم جب امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی کی عظیم شخصیت کا اس زاویہ سے مطالعہ کرتے ہیں، تو حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ کہ وقت کا ایک عظیم فقیہ۔ محدث، مفسر، منطقی، فلسفی، مناظر، مدبر، ادیب وشاعر ، محقق اور مصنف اس خصوص میں بھی لاجواب و بے نظیر نظر آتا ہے اور دیگر اصناف سخن کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا اس میدان میں بھی اپنی عظمت کے پھریرے لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یعنی جس طرح وہ معقولات ومنقولات کے درجنوں فنون خصوصا منطق وفلسفہ، قرآن وحدیث، عقائد وکلام، فقہ وفتاوی وغیرہ میں گذشتہ پانچ سو سالوں میں عدیم النظیر اور شاہکار نظر آتے ہیں اور تحقیقات واکتشافات کے لاتعداد اور انمٹ نقوش چھوڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح فن مکتوب نگاری میں بھی ان کا ہمسر تو دور۔ کوئی پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔ امام احمد رضا کے سینکڑوں مکتوبات کو پڑھنے اور اس میں مکنون سیکڑوں علمی وفنی اور ادبی وفکری شہ پاروں سے اپنی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے بعد میں اس خیال میں گم ہو جاتا ہوں کہ ایشیا ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے اس عظیم ترین، گراں ڈول اور مصروف ترین محقق ومدقق کو آخر فتویٰ نویسی اور رد بد مذہباں سے فرصت ہی کب ملتی تھی ، جو اس نے سیکڑوں صفحات پر مشتمل عظیم الشان علمی وادبی اور فنی وفکری خطوط لکھ ڈالے۔

میرا خیال ہے مکتوب نگاری بھی امام احمد رضا کے مذہب میں ان کی تحریک احیائے دین کا ایک حصہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنی زندگی کی ہر دھڑکن کے ساتھ ساتھ اس مخصوص گوشہ کو بھی عظمت رسالت کی تقدیس کے تحفظ اور عظمت الوہیت کے دفاع کے لئے وقف کر دیا تھا۔ جیسا کہ ان کے خطوط پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے۔

قلت وقت دامن گیر ہے۔ گوناگوں مصروفیات سنجیدہ کاموں کی طرف متوجہ

ہونے کا موقع نہیں دیتیں۔ جدید مادیات نے اصل مذہب کو بھی نہیں بخشا ہے۔ صلاحیتیں ہیں۔ مگر زنگ آلود ہو رہی ہیں۔ پچھلے کئی ماہ سے محبّ مکرم فاضل گرامی مرتبت حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب پورنوی میرے کانوں میں بانگ جرس بجا رہے ہیں، تقاضے پر تقاضہ کر رہے ہیں۔ وعدے پر وعدہ ہوتا ہے۔ ہر وعدہ ایک نئے وعدہ پر ٹوٹ جاتا ہے۔ چاہتے ہیں کہ ان کی نئی معرکۃ الآراء۔ اپنے موضوع پر جامع و محیط و منفرد کتاب ''کلیات مکاتیب رضا'' پر چند سطر ہی صحیح۔ مگر ضرور تحریر کروں۔ خدائے حاضر و ناظر شاہد ہے کہ جس عظیم محقق کو اہل علم و ہنر گذشتہ سو سالوں سے مسلسل پڑھ رہے ہیں اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ہنوز وہ اس قلزم ناپیدا کنار کے ساحل تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ اس جا سرسری طور پر گذر جانا۔ مجھ جیسے انتہائی معمولی ہیچ مداں ہی نہیں۔ بلکہ عقلائے روزگار کے لئے بھی گناہ عظیم سے کم نہیں۔

یہ میرا عقیدہ اور ایمان ہے اور یہی شاید حق و حقیقت، اقرب الی الاذعان اور اس عظیم محسن کا جزائے احسان ہے۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ مولانا مجھے تھوڑا اور وقت دیں تاکہ میں پورے اطمینان قلب اور انشراح صدر کے ساتھ اس پر اپنی کھوٹی رائے کا اظہار کر سکوں۔ مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب اس لحاظ سے بھی میرے لئے عزیز ہیں کہ وہ ہمارے پانچ سالہ مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (عربک یونیورسٹی) کے ہمنوالہ و ہم پیالہ، ہم آس و ہم مشرب رہے ہیں۔ یہ منہ بھرائی نہیں۔ بلکہ حسن سرائی ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے حضرت شمس مصباحی صاحب کو عہد طالب علمی سے ہی نفیس علمی و ادبی ذوق اور فکر و قلم کا فراواں شوق عطا فرمایا تھا۔ تحریر و صحافت اور انشا و طباعت سے ان کا لگاؤ پرانا ہے۔ خاموشی و سنجیدگی کے ساتھ علمی مشاغل کا ارتقا ان کا برسوں کا خواب ہے۔ جو شاید اب دھیمی رفتار سے ہی سہی۔ مگر روبہ عمل ہو رہا ہے۔

دو ضخیم جلدوں میں ''کلیات مکاتیب رضا'' کو مرتب کر کے انہوں نے اپنے لئے ذریعہ نجات حاصل کرلیا ہے اور امام عشق ومحبت کے دیوانوں کے لئے بصیرت کا سامان بھی۔ اس قد آور علمی کارنامے سے خود انہیں بھی خوشی ہورہی ہوگی۔ کیونکہ کوئی اہل قلم ہو یا علم وتحقیق کا کوئی پجاری۔ وہ اس وقت حقیقی مسرتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ جب اس کی علمی جدوجہد بارآور ہو جاتی ہے یا اہل ذوق ونظر کی دہلیز پر باریاب ہو جاتی ہے۔

اس کتاب کے علاوہ بھی فاضل موصوف نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین کے دوران ایک درجن سے زیادہ کتابیں اچھوتے موضوعات پر مرتب کر ڈالی ہیں اور یہ کسی بھی بالغ نظر مصنف کا خاصہ ہے کہ وہ جب کسی گلشن علم کی گل چینی کرتا ہے۔ تو اس کی نظر صرف کسی ایک شاخ پر نہیں ہوتی۔ جب وہ ایک پھول توڑتا ہے۔ تو دوسرے کئی پھول اس کا دل لبھانے لگتے ہیں اور وہ چارو ناچار ہاتھ بڑھاتا چلا جاتا ہے اور اس کی زنبیل رنگارنگ۔ عطر بیز پھولوں سے بھر جاتی ہے۔

راقم السطور نے ماضی میں جب الجامعۃ الاشرفیہ کے سالانہ عرس حافظ ملت کے موقع پر (یوم رضا) میں حضرت شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کی نگرانی وسرپرستی میں ''امام احمد رضا اور علم حدیث'' کے موضوع پر وقیع ومفصل مقالہ مرتب کیا تھا۔ تو امام احمد رضا کی زندگی کے کئی کورے موضوعات ذہن ودماغ میں بجلیاں برسانے لگے تھے۔ چنانچہ سیکڑوں صفحات پر مشتمل مواد آج بھی میری فائل میں موجود ہے۔ مگر حالات کے انقلابات نے اب تک موقع ہی نہ دیا کہ اس کی گرد صاف کروں۔ جس وقت یہ مضمون اس موضوع پر مرتب کیا تھا۔ چند ایک مضامین کے علاوہ کوئی مفصل کتاب مارکیٹ میں دستیاب نہ تھی۔ انتہائی مشقت اور جہد مسلسل سے یہ

مقالہ مرتب کیا گیا تھا اور زبردست مواد پر مشتمل تھا مگر افسوس کہ بعض اہل نظر کی تساہلی سے یہ مضمون ضائع ہو گیا۔ جو فل اسکیپ تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ فالی اللہ المشتکی۔

فاضل گرامی حضرت شمس مصباحی صاحب کے حق میں میری دعا ہے کہ خدا کرے کہ وہ جو کچھ بھی لکھیں۔ وہ دوسروں تک پہنچ بھی جائے۔ خصوصاً ان کی وہ کتابیں۔ جو انہوں نے حال میں مرتب کی ہیں۔ وہ زیور طباعت سے آراستہ ہو جائیں۔ اے رب قدیر! عیش و طرب کے شیش محل میں بیٹھ کر قوم کی تعمیر کے خوبصورت خواب بننے والوں کے دل و دماغ اس کی طرف متوجہ کر دے اور فکر رضا کے نئے گوشوں کو وا کرنے والی یہ کتابیں جلد از جلد طبع ہو کر عوام اہل سنت کی سرخروئی کا سامان بن جائیں۔

جہاں تک مکاتیب رضا کا سوال ہے، تو انصاف یہ ہے کہ درجنوں خطوط مختلف [illegible]وں، اخباروں، رسالوں، بلکہ بہت سے مستقل مجموعوں میں چھپ کر قارئین تک پہنچ چکے ہیں اور مولانا سے پہلے بھی متعدد حضرات نے اس کی بحث و تحقیق کی ہے۔ مولانا موصوف کوئی پہلے شہ سوار نہیں، جس نے اس پر شور صحرا کو عبور کرنے کی جسارت کی ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں انہوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جس حسن سلیقہ۔ حسن ترتیب اور دل آویزی و پرکاری سے ڈاکٹر صاحب نے مکاتیب رضا کو گلکاریوں کے شیشہ خانے میں سجایا ہے۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔

خاص طور پر فتاویٰ رضویہ جدید کی تیس جلدوں سے محنت شاقہ کے بعد ان علمی اور چشم کشا تحریروں کو جمع کر کے "سنی امہ" پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ جو بطور مکتوب۔ کسی سوال کے جواب میں کسی کے پاس ارسال کی گئی تھی۔ ایسے خطوط کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ "حیات اعلیٰ حضرت" میں راقم السطور کو دور طالب علمی میں ہی پہلی بار خطوط رضا کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ دور تھا۔ جب میرا ذہن ذکر امام احمد رضا کی ہشت پہلو

شخصیت کو اس کے وسیع تناظر میں سمجھنے کی کما حقہ صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ مگر فکر و عقیدہ میں امام احمد رضا کی علمی و فنی شخصیت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور میری فکر ناپختہ کار ان کی مدح وستائش میں رطب اللسان رہا کرتی تھی اور یہ سب کچھ استاذ العلماء جلالۃ العلم محدث مبارک پوری حضرت سیدی حافظ ملت حاجی قاری حافظ مفتی عبدالعزیز بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی گرد نعلین کا صدقہ تھا۔ جس نے قصر اشرفیہ سے فکر رضویہ کو وہ بلندی عطا کی۔ جسے دیکھ کر ایوان باطل کے مسند نشینوں کو پسینہ آجاتا ہے۔

اس نو آموزی اور نوخیزی کے زمانہ میں بھی جب میں نے خطوط رضا کا مطالعہ کیا تھا، تو پہلا تاثر، جو میرے ذہن ودماغ پر قائم ہوا تھا، وہ اس کی علمی جلالت شان اور محققانہ طرز بیان اور پختہ وٹھوس انداز نگارش تھا اور اس وقت میرے ذہن کے کسی گوشہ میں اس موضوع پر کام کرنے کی غیر محسوس کسک نے ضرور جنم لیا تھا۔ میں مولانا کا مشکور ہوں کہ ان کی اس کاوش سے میری وہ کسک بھی دور ہوگئی ہے۔ درحقیقت خطوط رضا اور شخصیت رضا میں اس قدر قرب وتماثل ہے کہ تاریخ میں کم خوش نصیبوں کی زندگی میں نظر آئے گا۔

یہ میرا دعویٰ ہے کہ اگر کسی نے امام احمد رضا کی نوک قلم سے نکلی ہوئی ایک سطر کا بھی مطالعہ نہ کیا اور اسے صرف خطوط رضا دے دیئے جائیں، تو وہ ان کی عظمت شان اور جلالت علمی کا برملا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔ اگر امام احمد رضا کی ساری تصنیفات ومولفات خدانخواستہ گم ہوجائیں اور خاکم بدہن صفحہ ہستی سے ناپید ہوجائیں اور ایک ان کا مجموعہ خطوط ''کلیات مکاتیب رضا'' کی شکل میں باقی رہ جائے۔ تو اس کے حوالے سے ہی انصاف پسند مورخ ونقاد آسانی کے ساتھ فکر رضا کی وسعتوں کا جغرافیائی نقشہ تیار کرسکتا ہے۔

اگر لوگوں کی طرف سے متہم کرنے کا خطرہ نہ ہوتا، تو میں لکھ دیتا کہ خطوط

رضا کے موجودہ مطالعہ کے بعد میں نے امام احمد رضا کا ایک نیا چہرہ دیکھا ہے۔ان کا ایک نیا تعارف حاصل کیا ہے۔ان کی علمی شخصیت کی ایک نئی دنیا سے شناشائی حاصل کی ہے اوران کی فکری توانائیوں کا ایک نیا عالم دریافت کیا ہے۔کیسا ہی متعصب انسان کیوں نہ ہو۔اگران کے خطوط کے چند صفحات بھی مطالعہ کرلے گا۔توان کی علمی عظمت کا لوہا ماننے پرمجبور ہوجائے گا۔

ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب کا بے ریا دل اور سپاٹ چہرہ اتنا بھولا بھالا ہے کہ معروف عالم محقق،تبصرہ نگار،زہرہ نگار،جادونگار،صاحب قلم حضرت علامہ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اوران کی تازہ کتاب ''پرواز خیال'' پرجوانہوں نے مقدمہ تحریر کیا ہے۔اس نے کتاب کو حیات جاوداں عطا کردی ہے۔ پروفیسر صاحب کی یہ تحریر مولانا مصباحی صاحب کی شخصیت کی اثر آفرینی اور پرکاری بتانے کے لئے کافی ہے۔

سادہ وضع قطع،لبوں پرپھیکی پھیکی معنیٰ خیز مسکراہٹ،سادہ انداز،خاموش کلامی، شیریں بیانی،عام سا حلیہ،دھیمی آواز،گرجے،تو برق وباد،پروقار،تمکنت شعار،جودیکھے۔ اندازہ نہ کرسکے ان طوفانوں کا،جوسینہ میں چھپائے بمبئی کی بھول بھلیوں میں گم ہیں۔ میری ان سے دیرینہ رفاقت ہے۔پچھلی محبتوں کا واسطہ بھی۔ماضی کی تلخیاں شیرینی میں بدل رہی ہیں اورقلم کی روشنائی میں شامل ہوکراس کی مٹھاس بڑھارہی ہیں۔میں نہیں چاہتا۔مگرلکھتا چلا جارہا ہوں۔گویا میں لکھ نہیں رہا ہوں۔مجھ سے کوئی انجانے میں لکھوارہا ہے۔حالانکہ میں اتنا سنگ دل ہوں کہ جب تک خود میرا ضمیر اندر سے کسی بات کے لئے آواز نہیں دیتا۔قرابتوں کی ساری حدیں توڑ دیتا ہوں۔مگرقلم کی زبان نہیں کھلتی اورشاید علمی انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

ارادہ یہ تھا کہ انتہائی اطمینان وسکون کے ساتھ مکاتیب کی دونوں جلدوں کا مطالعہ کروں گا اور ضروری نوٹس تیار کروں گا۔ پھر مسودہ کے بعد مبیضہ کروں گا۔ تاکہ کچھ تو اس گلشن علم وادب کے گل چیں کا حق ادا کر سکوں۔ مگر آج کی مادی اور مصروف زندگی نے ہماری آنکھوں کی ساری نمی جذب کر لی ہے۔ اب ہم اپنے عظیم ترین محسنوں کو بھی چند لمحے دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ کہ جس نے اپنے قلم کی روشنائی کا ہر قطرہ ملت بیضاء کے دفاع اور مسلک حقہ کی تعمیر میں صرف کیا۔ آج اہل ہنر کے پاس اس پر کچھ لکھنے اور بولنے کے لئے وقت نہیں۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں محب مکرم فاضل معظم مولانا ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب کو جنہوں نے ہزاروں صفحات کو نچوڑ کر۔ لائبریریوں کی گرد چھان کر اور اپنی آنکھوں کا قیمتی لہو اس میں ٹپکا کر ارباب علم وفکر کی ضیافت کا ایک عمدہ سامان بہم پہنچا دیا۔

پچھلے تین مہینوں میں بہ کوشش تمام صرف ایک ہی جلد کا مطالعہ کر سکا ہوں۔ مگر صرف ایک جلد کے مطالعہ نے ہی علوم وافکار کی ایک نہ ختم ہونے والی دنیا واشگاف کر دی ہے۔ عقل حیران ہے کہ شروع کہاں سے کرے۔ آنکھ پریشان ہے کہ کس کس منظر کو پتلیوں میں بسائے۔ قلم رقصاں ہے کہ کس جا طواف درجاناں کرے۔

ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است۔

دوران مطالعہ جگہ جگہ سے حوالے بھی نوٹ کئے۔ اگر ان حوالوں کو درج کرتا ہوں، تو پورا ایک رسالہ تیار ہو جائے گا۔ اگر علامہ شمس مصباحی نے انتظار وشوق کو باقی رکھا، تو شاید آئندہ کبھی اس کی تکمیل کر دوں گا۔ سردست یہی تاثرات ہی کافی سمجھا جائے۔

آخر میں اتنی بات عرض کر دوں کہ اعلیٰ حضرت نے خطوط میں عام تصنیفات کی

طرح حزم واحتیاط کی ساری حدوں کی رعایت کی ہے۔ بلکہ فقہ وفتویٰ کے وصول پر کسی بھی مکتوب کو تولا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ خصوصاً ان خطوط کو جو کسی شرعی مسئلہ کی توضیح وتشریح کے سلسلہ میں لکھے گئے ہیں۔

ان خطوط میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بکثرت اپنے اعز تلامذہ خصوصاً علامہ ظفر الدین بہاری اور شاہ برہان الحق جبل پوری وغیرہما کو علم توقیت، علم جفر، رمل، علم طب وصحت، جغرافیہ وریاضی اور تعویذ ونقوش کے دقیق ترین مسائل سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درجنوں مقامات پر حسب ضرورت عربی عبارات، فقہی جزئیات، حوالہ جات کا بے دریغ استعمال بھی کرتے ہیں۔ جس سے مکتوب انتہائی عالمانہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر وہ مقامات جو پہلے ہی سے فتاویٰ رضویہ میں شامل ہیں اور کہیں کہیں وہ سہل نگاری کہ دشوار ترین فقہی یا علمی اور عقلی مسئلہ بازیچہ اطفال نظر آتا ہے۔ گویا علمی لحاظ سے بھی خطوط رضا سہل ممتنع کے اعلیٰ شاہکار ہیں۔

خطوط میں مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ہے امام احمد رضا کا اصلی انسانی چہرہ، جو گھر، باہر، دوست احباب، قرابت دار، مریدین، ومتوسلین، اساتذہ وتلامذہ، مطبع وجماعت، اپنے اور غیر غرضیکہ سیکڑوں مسائل سے تن تنہا جوجھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نہ صرف خطوط لکھتے ہیں۔ بلکہ ان کی ترسیل وابلاغ، رجسٹری وٹکٹ، وصولیابی وگمشدگی اور ڈاکخانہ کے سارے مسائل خود حل کرتے ہیں۔ انہیں برقت یاد رہتا ہے، کونسا خط کب اور کہاں سے آیا ہے اور اس کے مندرجات کیا تھے؟ کس کا جواب دیا گیا۔ کس کا جواب نہیں دیا گیا؟ خطوط ہر طرح کے ہوتے تھے اور حسب مراتب وضرورت ہر ایک کا جواب رقم فرماتے تھے۔

خط کہاں سے لکھا گیا؟ کس کو لکھا گیا؟ اس کے مراتب واحوال، کب

لکھا گیا، ابتدائیہ، اختتامیہ، دعا و سلام وغیرہ کا مکمل خیال رکھتے ہیں۔ سامنے والا اپنا مکتوب بھول جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اسے اس کے خط کا حوالہ دیتے ہیں۔ ڈاک خانوں میں کب ڈاک آتی ہے۔ کب جاتی ہے؟ کس جگہ خط کی وصولیابی میں کتنا وقت لگے۔ ان سب پر کڑی نظر ہے۔

امام احمد رضا کے خطوط کا ایک روشن باب یہ ہے کہ انہوں نے کسی بھی شخصیت کے ادب واحترام کے حوالے سے اپنی انا کو کبھی آڑے آنے نہ دیا۔ انہوں نے اپنے شاگردوں اور شاگرد نما دوستوں یا معاصر علماء و شعراء کو جن بھاری بھرکم القاب سے یاد کیا ہے۔ انہیں پڑھ کر بھی باور نہیں ہوتا کہ اتنا عظیم اور قدآور شخص اپنے چھوٹوں کو اس طرح خطاب کر سکتا ہے۔ افسوس کہ اب یہ معیار طلباء میں بھی اپنے اساتذہ کے تعلق سے باقی نہ رہا۔

عام طور پر دیگر مکاتب فکر کے سرکردہ ارباب قلم اعلیٰ حضرت کی ذات پر شدت پسندی کا الزام لگاتے رہتے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی غیروں کی اس ہرزہ سرائی سے ناواقف بھی نہیں تھے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر جن حضرات سے بھی مباحثہ یا مکالمہ طے پایا ہے۔ اس کا لہجہ اتنا نرم اور باوقار رکھا ہے کہ متعصب سے متعصب انسان کو بھی ان کی رواداری، انصاف پسندی، کشادہ ظرفی، اعتدال و توازن اور فکر و تدبر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ارباب بدایوں سے اذان ثانی کے مسئلے پر، علامہ شاہ سلامت اللہ سے مسجد کی تولیت اور وقف کے مسئلہ پر، مولوی رشید احمد گنگوہی سے کوا خوری اور مصافحہ و معانقہ کے مسئلہ پر، مولوی اشرف علی تھانوی سے علم غیب کے مسئلہ پر، مولوی عبدالباری فرنگی محلی سے مشرکین و کفار کے ساتھ موالات کے مسئلہ پر، جو مکالمہ آپ نے فرمایا ہے۔ وہ امام احمد رضا کی دریادلی، حق پرستی، سیر چشمی اور دوسروں کے مکابرہ و عناد کی کھلی دلیل ہے۔

شاید قارئین کو حیرت ہو کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کو ۱۵ر سالوں تک مہلت دی اور ان سے مباحثہ ومجادلہ کیا۔ ان کو توبہ اور استغفار کا موقع دیا۔ ان سے اتمام حجت کیا۔ آپ نے چاہا کہ کسی طرح اس کو قائل کیا جائے اور ان کو صفائی اور صلح پر آمادہ کیا جائے۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ نہ سامنے آئے۔ نہ تائب ہوئے، پردے کے پیچھے سے تیر چلاتے رہے اور عوام الناس کو فرضی تحریروں کے ذریعہ گمراہ کرتے رہے۔ اس طرح ایک خالص علمی مسئلہ کو علماء دیوبند نے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر پوری امت محمدیہ کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے اپنی عاقبت خراب کرلی۔

امام احمد رضا نے اپنے خطوط کے ذریعہ پورے ملک کو ایک دھاگے میں پرو دیا تھا۔ کوئی ایسا معروف شہر یا قصبہ نہیں تھا۔ جہاں آپ کا خط نہ پہنچا ہو۔ کوئی ایسا قابل ذکر معاصر عالم دین اور خوش عقیدہ سرمایہ دار نہیں ملتا۔ جو آپ کے والا ناموں سے بہرہ ورہ نہ ہوا ہو۔ آپ کی مراسلت کا دائرہ نہ صرف ہندوستان، بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، جزیرہ عرب، انڈونیشیا، ملیشیا، افریقہ و یورپ کے دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ذیل میں جلد اول کے ان مقامات کی صرف ایک مختصر غیر مکرر فہرست حاضر کرتا ہوں۔ جس سے قارئین شیر قادریت کے قلم کی جولانیت اور رسائی کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

(۱) مارہرہ شریف (۲) کانپور (۳) بدایوں شریف (۴) بلاس پور (۵) اودے پور (۶) حیدرآباد۔ دکن (۷) ڈیرہ غازی خان، پاکستان (۸) کھنڈوا، مہاراشٹرا (۹) کلکتہ، بنگال (۱۰) اکولہ، مہاراشٹرا (۱۱) سیتاپور (۱۲) علی گڈھ (۱۳) بریلی شریف (۱۴) پاک پٹن، گجرات (۱۵) رنگون، برما (۱۶) رائے پور، ایم، پی (۱۷) ملیشیا (۱۸) تھانہ بھون (۱۹) لاہور (۲۰) پنجاب (۲۱) میرٹھ (۲۲) بمبئی، مہاراشٹرا (۲۳) جبل پور، ایم، پی (۲۴) بلرام پور (۲۵) پشاور، پاکستان (۲۶) نواکھالی، بنگلہ دیش (۲۷) پیلی

بھیت (۲۸) لکھنؤ (۲۹) اٹاوہ (۳۰) بنارس (۳۱) الموڑہ (۳۲) گیا، بہار (۳۳) الور، راجستھان (۳۴) گنگوہ، یوپی (۳۵) پرگنہ، نواب گنج (۳۶) رامپور (۳۷) مکہ مکرمہ، عرب (۳۸) مدینہ منورہ، عرب (۳۹) مرزاپور (۴۰) دارجلنگ، آسام (۴۱) پٹنہ بہار (۴۲) مین پوری، نئی دہلی۔

ایک جگہ کئی کئی خطوط لکھے ہیں اوران جگہوں میں جانے کیسی کیسی عظیم المرتبت شخصیات جلوہ فرما تھیں۔ اگرکسی نے ایک خط کسی ایک مسئلہ کے تعلق سے روانہ کردیا۔توجب تک اس کی تشفی نہ فرمادی، جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ جاری رکھتے۔ تاوقتیکہ وہ مطمئن ہوجاتے یا خود ہی خاموش نہ ہوجاتے اوراگرکہیں بات ملت محمدیہ کی آگئی اورکسی بدنہاد نے ان کی غیرت کوللکاردیا۔توپھرتواسے آخری گھاٹ تک پہنچادیتے۔ گویاخطوط کا نہ ختم ہونے والاایک سلسلہ شروع ہوجاتااورخصم کو فرار کے سوا کوئی دوسراراستہ نہ ہوتا تھا۔

آج ٹیلیفون، فیکس، موبائل فون، ٹیلی فیکس، ای میل، انٹرنیٹ، ویڈیو، آڈیو سی ڈی، ڈی وی ڈی، تیز رفتار برقی پریس اورویب سائٹس کا زمانہ ہے۔جس سے اطلاعات کی دنیامیں انقلاب عظیم آگیاہے۔ اعلیٰ حضرت جس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔اس میں سب سے زیادہ تیز رفتاذریعہ ابلاغ ''تار'' ہواکرتا تھا۔جوآج انتہائی فرسودہ ہوچکاہے۔ آج اس کے بارے میں گفتگوکرنادقیانوسیت خیال کیاجاتاہے۔جوکچھ ہوتاہے، مشیت ایزدی سے ہوتاہے۔کسی کا کچھ چلنے والانہیں ہے۔مگر اس کے باوجودعناصرفطرت میں بطورترتیب کے حوالے سے کہاجاسکتاہے کہ اگراعلیٰ حضرت کو ایسابرق رفتازمانہ ملتا۔جوآج کے مرغا کھانے والے۔صحت مندسنی مولویوں کوملاہے۔توتن تنہااعلیٰ حضرت ایک عالم کوزیروزبرکردیتے۔

افسوس کہ آج ایسی عبقری اور تاریخ ساز شخصیت کے درجنوں پہلو تشنہ تحقیق ہیں۔ ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے اب زیادہ دیر تک قارئین اور ''کلیات مکاتیب رضا'' کے درمیان حائل ہونا نہیں چاہتا۔ الحمد اللہ نماز مغرب کے بعد سے لے کر شب ساڑھے بارہ بجے تک دو نشستوں میں یہ تاثرات قلم بند ہو گئے۔ امید قوی ہے کہ قارئین ان ٹوٹی پھوٹی تحریروں کی روشنی میں امام احمد رضا کی شخصیت کو ایک بار پھر نئے سرے سے پڑھنے کی کوشش کریں گے۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب کو نئی تب وتاب کے ساتھ اس عروس فکر وفن کو سنوارنے کا جذبہ دروں عطا کرے۔

(ماہنامہ ضیائے صابر، ممبئی ربیع الاول ۱۴۲۹)

کلیات مکاتیب رضا
ایک تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد
القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ

با ایں بہانہ دریں بزم محرمے جوئیم
غزل سرائیم و پیغام آشنا گوئیم

امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کے مکتوبات کا تازہ، عمدہ اور قابل قدر مجموعہ ''کلیات مکاتیب رضا'' نگاہوں کے سامنے ہے۔ جسے ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے برسہا برس کی کاوش کے بعد دو جلدوں میں مرتب کیا ہے۔ دونوں جلدوں کو ملا کر مکتوبات کی مجموعی تعداد تقریباً ۳۱۸ ہے اور صفحات کی مجموعی تعداد ۷۵۸ مجموعہ کی ترتیب عالمانہ ہے اور مرتب نے اس کی ظاہری سطح کو بھی بنانے سنوارنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ امام احمد رضا کے مجموعہ مکاتیب میں اب تک کی یہ سب سے بڑی کاوش ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرتب نے ان مکتوبات کو انتھک محنت، جی توڑ کوشش اور شب و روز کے فاصلاتی حدوں کو مسمار کر کے جمع کیا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ''میں نے یہ کام فاقوں کی لذتیں اٹھا اٹھا کر کیا ہے'' ان کے درد و کرب اور تحقیقی عمل کے دوران پیش آمدہ مشکلات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ ہم وابستگان ''دبستان رضا'' ڈاکٹر شمس مصباحی کو اس علمی کارنامے پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے ''محققین رضا'' کی فہرست میں ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شمس مصباحی نے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر .Ph.D بھی کی ہے۔ ان کا وہ مقالہ بھی علمی حلقوں میں تحسین کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔مگر واقعہ یہ ہے کہ مکتوبات رضا کی خوبصورت پیش کش ہی ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے۔جس سے علمی حلقوں میں ان کی وقعت دو چند ہوگئی ہے۔

مکتوب نگاری کی اسلامی تاریخ کا سلسلہ لسانی اعتبار سے عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کو محیط ہے اور اس کی ابتداء پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتوبات سے ہوتی ہے۔جس کے قلمی نمونے آج بھی موجود ہیں۔خلفائے راشدین کے مکاتیب وفرامین کے علاوہ عہد اموی وعباسی کے علماء وحکمرانوں کے یہاں بھی اس کے نمونے دستیاب ہیں۔مختلف دور کے اکابر صوفیہ عظام کے علمی آثار وباقیات میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔یہ بہت ہی خوش بختی کی بات ہے کہ مختلف زبانوں میں مکاتیب کے ایسے مجموعے ہم تک پہنچ چکے ہیں۔جو اسلاف کی کاوش تبلیغ کا انمول نمونہ ہیں۔ہمارے اسلاف بالخصوص دنیائے عرفان وتصوف کے اسلاف نے اسلامیات کا ایک بڑا ذخیرہ مکتوبات کی شکل میں چھوڑا ہے۔جس میں اصلاح فکر واعتقاد کے ساتھ علم وادب، تہذیب وثقافت اور معاشرت وسیاست کے بیش بہا جواہر موجود ہیں۔حضرت مخدوم یحییٰ منیری ،حضرت مجدد الف ثانی، حضرت علامہ نورالدین جامی اور حضرت اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ کے مکاتیب اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔

جہاں تک اردو میں مکتوب نگاری کا سوال ہے، تو اس کا آغاز غالباً غلام غوث بے خبر یا غالب سے منسوب ہے مگر اردو میں مکتوب نگاری کی اسلامی تاریخ کے آغاز کا پہلو قابل تحقیق ہے۔امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے مکتوبات کے اس مجموعے میں بھی خود امام احمد رضا کے اولین مکتوب کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔تحقیق

سے اس کی نشاندہی کی جاسکتی ہے اور پھر معاصرین کے مکتوبات کے جائزے سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

امام احمد رضا کے مکتوبات میں علمی، فقہی، ادبی، سیاسی اور تحقیقی وتنقیدی تمام طرح کے موضوعات جٹے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اپنے معاصرین میں امام احمد رضا کے خطوط کی انفرادیت سبھوں سے روشن نظر آتی ہے۔اور موضوعاتی تنوع کے اعتبار سے بھی اس کا درجہ سبھوں سے بالاتر نظر آتا ہے۔

امام احمد رضا نے اسلاف کی طرف اپنے مکتوبات سے تطہیر فکر۔اصلاح اعتقاد، ترویج سنت اور استیصال بدعت کا کام لیا ہے۔ماسبق کے مجموعہ مکاتیب کے جائزہ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے ۱۲ر مجموعوں (مقدمہ) کلیات مکاتیب رضا میں سات مجموعہ مکاتیب ایسے ہیں۔جو موضوعاتی تعین کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔جسے ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

	مرتب:	موضوع:
(۱) مراسلات سنت وندوہ	حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا،	اصلاح ندوہ
(۲) اطائب الصیب	مولانا سید عبدالکریم قادری،	مسئلہ تقلید
(۳) دفع زیغ زاغ	مولانا سلطان احمد سلہٹی	فقہ
(۴) ابانۃ الباری		فقہ وسیاست
(۵) اجلی انوار رضا	حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا	مسئلہ اذان ثانی
(۶) الطاری الداری	مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا	دین وسیاست
(۷) حق کی فتح مبین	شاہ اولاد رسول محمد میاں	فقہ وسیاست

مولانا اشرف علی کو لکھے گئے ۔۵ر خطوط بھی اس ضمن میں پیش کئے جاسکتے

ہیں۔ جن کا تعلق علم کلام سے ہے، اس کا ایک خط ''ابحاث اخیرہ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس میں ۱۶؍صفحات ہیں، اس طرح ۱۳؍مجموعہ مکاتیب میں ۸؍ایسے ہیں۔ جو موضوعاتی تعین کے ساتھ مکتوب نگار کے قلم سے نکلے ہیں۔ ان مکاتیب میں مکتوب نگار کے شعور تحقیق وتنقید اور علمی وفقہی نکتہ نظر کی جھلک صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے اور ان کی مکتوب نگاری اسلاف بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوب نگاری سے کتنی قربت رکھتی ہے۔ اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

''کلیات مکاتیب رضا'' میں نوعیت کے اعتبار سے تین طرح کے مکاتیب شامل ہیں۔

پہلی قسم: ان مکاتیب کی ہے، جن کی بنیادی حیثیت اگرچہ مکتوب کی ہے، مگر وہ رسائل کی حیثیت سے منظر عام پر آئے اور رسائل کی حیثیت سے اہل علم کے درمیان مشہور ہوئے۔ ان میں وہ مکتوباتی رسائل شامل ہیں۔ جن کا اس سے پہلے ذکر ہوا۔ ایسے مکاتیب کی تعداد ۴۵؍ہے اور اگر تھانوی صاحب کو لکھے گئے مکاتیب کو شمار کرلیا جائے تو یہ تعداد ۵۰؍تک پہنچ جاتی ہے۔

دوسری قسم: ان مکاتیب کی ہے جن کا شمار مکتوبات کی عرفی تعریف کے ضمن میں ہوتا ہے یہ اس مجموعہ میں اس قسم کے مکتوبات کی کثرت ہے جسے قدیم وجدید کے عنوان سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ قدیم حصے وہ ہیں، جنہیں فاضل مرتب نے مختلف مکتوباتی مجموعے، جسے۔

(۱) بعض مکاتیب حضرت مجدد (مرتب) مولانا سید عرفان علی جبل پوری

(۲) مکتوبات امام اہلسنت (مرتب) ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری

(۳) اکرام امام احمد رضا (مرتب) برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق جبلپوری

(۴) مکتوبات امام احمد رضا (مرتب) مفتی محمود احمد رفاقتی

سے حاصل کیا ہے اور جدید حصہ وہ ہے، جو مرتب کی اپنی دریافت ہے اور یہی مرتب کا اصل کارنامہ ہے، ان خطوط کو موصوف نے مختلف کتابوں کے علاوہ ماہنامہ ''الرضا، بریلی'' ''یادگار رضا، بریلی'' ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت، بریلی'' ''تحفہ حنفیہ، پٹنہ'' ''تصوف، لاہور'' ''اہلسنت کی آواز، مارہرہ'' ''معارف رضا، کراچی'' ''دبدبہ سکندری، رامپور'' ''الفقیہ، امرتسر'' روزنامہ ''زمیندار، لاہور'' اور روزنامہ اخبار مشرق، گورکھپور'' کی قدیم و بوسیدہ فائلوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ حاصل کیا ہے۔ قیاس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کس محنت و مشقت اور عرق ریزی اور دل سوزی سے ان مکتوبات کو جمع کیا ہوگا۔ ہمیں موصوف کے ان جملوں میں صداقت کی آنچ اور دل پارہ پارہ کی گونج سنائی دیتی ہے۔

''سر میں مجنوں کا جنوں تھا اور ہاتھ میں تیشہ فرہاد، فصلیں توڑیں، کھنڈرات کھودے۔ جہاں کا بھی سراغ ملا وہاں کے خزانے کھنگال ڈالے۔ دفینے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اخبار و جرائد کی قدیم و بوسیدہ فائلوں کی گرد جھاڑی۔ اس جنوں خیزی اور صحرا پیمائی سے یہ ہوا کہ امام احمد رضا کے کئی درجن خطوط تحویل میں آ گئے''۔

تیسری قسم: ان مکاتیب کی جو فتاویٰ رضویہ سے ماخوذ ہیں اور اس سلسلہ میں مرتب کا دعویٰ ہے کہ ''ان خطوط کی حیثیت بظاہر فتاویٰ کی ہے۔ جب کہ وہ دراصل خط ہی ہیں، مجھے تمام ماخوذات کے تعلق سے مرتب کے اس دعویٰ میں حقانیت نظر نہیں آتی۔ مرتب نے دعویٰ کے ثبوت میں وثوق کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ:

''ان میں کچھ تو وہ ہیں جو خط کی ظاہر شکل یعنی آداب والقاب اور سلام و پیام کے ساتھ من وعن موجود ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے ابتدائیے واختتامئے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ ص: ۱۴۸ پر مولانا عبدالاحد پیلی بھتی کے نام مکتوب''۔ اس

سلسلہ میں طلب وضاحت کے طور پر یہ معروضات قائم کئے جاسکتے ہیں۔

الف: فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ جلدیں مصنف کے عہد میں مجلد ہو چکی تھیں۔ (مکتوب بنام مولانا احمد بخش صاحب) اگر اس قلمی نسخہ میں ان کو بحیثیت فتویٰ شامل رکھا گیا ہے، تو اس کو مکتوب سمجھنا کہاں تک درست ہوگا؟

ب: کیا ثبوت ہے کہ تمام ماخوذ مکتوبات کے ابتدائیے اور اختتامیے حذف کر کے انہیں فتاویٰ میں شامل کیا گیا ہے؟

ج: اگر ثابت بھی ہو جائے، تو کیا دیکھنا ضروری نہیں کہ ابتدائیے اور اختتامیے حذف کر دینے کا کام کس نے کیا؟

د: اگر یہ کام مصنف کی ایماء یا منظوری سے ہوا ہو یا حذف کے بعد مصنف کی منظوری شامل ہو گئی ہو تو اس کی حیثیت فتویٰ کی ہوگی یا مکتوب کی؟

ہ: اگر فتاویٰ میں شامل کرنے کے لئے القابات کا حذف کر دینا تسلیم کر لیا جائے تو پھر بعض فتاویٰ میں القابات کا من وعن باقی رکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟

و: کیا فتاویٰ کے شروع میں کہیں القابات کا ہونا اور کہیں القابات کا نہیں ہونا اپنی اصل حالت پر نہیں ہوسکتا؟

ز: یہ تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہے کہ امام احمد رضا نے معروف مستفتی کے لئے بہ فراق مراتب القابات استعمال فرمائے اور عام مستفتی کے سلام کا جواب دے کر مسئلہ کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔

ح: اگر فتاویٰ لکھتے ہوئے القابات وآداب لکھنے کی روایت رہی ہے تو صرف اس بنیاد پر تحریر کچھ مکاتیب کے ذیل میں شامل کرنا کہاں تک مناسب ہے؟

مرتب موصوف نے القابات کے قطع وبرید کے سلسلہ میں فتاویٰ رضویہ ۱۲ جلد

کے جس فتویٰ کا حوالہ دیا ہے سرے سے وہ وہاں ناقص شامل ہوا ہے کہ وہاں نہ استفتاء ہے ، نہ مستفتی اور نہ اس فتوی کے شروع کی عبارتیں ، یہ مرتب ہی کے فراہم کردہ ''قلمی بازیافت'' سے معلوم ہوا کہ اس مضمون فتوی کا تعلق مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی سے ہے۔

تاہم فتاویٰ سے ماخوذ مکتوبات میں بعض ایسے مکاتیب ہیں جنہیں عرفاً مکتوبات کہا جاسکتا ہے۔ جیسے:

برہان ملت کو لکھا گیا خط (۲) ج ۱/ص: ۱۸۹

قاضی احمد کو لکھا گیا خط ج ۱/ص: ۱۰۴

مولانا احمد بخش کو لکھا گیا خط (۹) ج ۱/ص: ۱۳۴

اس قسم کے اور بھی خطوط مل سکتے ہیں۔ جن میں مکتوب نگار نے اپنی مصروفیات وتالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسروں کے احوال دریافت کئے ہیں۔ مطلوبہ کتابیں بھیجنے کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اور دعاؤں کی گذارش کی ہے ان مکتوبات کے تعلق سے مرتب کے اس دعویٰ کو کہ ''یہ دراصل خط ہی ہیں'' معنویت کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے۔ یا پھر ''خط نما فتویٰ'' یا ''فتویٰ نما خط'' کہکر انہیں مکتوبات میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر وہ ماخوذ مکاتیب جن پر کسی طرح بھی مکتوب ہونے کا گمان نہیں گذرتا۔ محض ابتدا بالسلام کے سبب خط شمار کرلیا گیا ہے، انہیں حقیقۃً خط نہیں کہا جاسکتا۔ مرتب موصوف خط اور فتویٰ میں فرق کے لئے پروفیسر مسعود احمد مظہر کی پیش کردہ نکات نمبر ۲/۳/۵/۶/۸/۹/۱۰/کو سامنے رکھ کر خود بھی اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

''کلیات مکاتیب رضا'' کے اس گوشے پر مباحث کی گنجائش کے باوجود اس کی وقعت وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ یہ اب تک کا سب سے جامع مجموعہ مکاتیب ہے اور اس میں محققین رضا کے لئے معلومات کی ایک دنیا آباد ہے۔ مثلاً امام احمد رضا کے شب وروز

کی مصروفیات احباب کے تذکرے ،مختلف رسائل کی تصنیف اوراس کی اشاعت کی کیفیت ،عہد بہ عہد جسمانی عوارض اور علاج و معالجہ کی تفصیلات ۔مختلف مقامات کے اسفار کی کیفیت ۔مختلف امراض کے لئے نقوش و وظائف اور طبی ادویات۔طبیبانہ مہارت۔ پسند و ناپسند اشیاء ۔مکتوب الیہ کو بھیجی گئی، تعویذات و کتب ۔ تحقیق مسائل کے لئے دور دراز شہروں سے کتابیں یا ان کی عبارت کی طلبی، الفاظ کی تحقیق، اس عہد کی علمی ،سماجی ،مذہبی اور سیاسی کیفیات ۔مختلف افراد کو بھیجے گئے تاریخی قطعات ، بڑوں کا ادب واحترام ،چھوٹوں پر شفقت، بہ فرق مراتب القابات کے استعمال کا انداز ،اخبار بینی کا معمول، اسلام مخالف تحریکات کی یورش اوراس کے سدباب کے لئے آپ کی قربانیاں ۔وغیرہ۔

محققین رضا کے لئے ان مکاتیب کی حیثیت بنیادی ماخذ کی ہے، وہ ان کے ذریعہ امام احمد رضا کی زندگی کے مخفی گوشے سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

کلیات مکاتیب کا یہ ایڈیشن بہت خوبصورت تو ہے، مگر بہت خوب تر نہیں ہے۔ قاری کو جگہ جگہ کھٹک یا کمی کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اس مجموعہ مکاتیب کو ''کلیات'' کہنے کا جواز کیا ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ خود مرتب کے بقول ڈھائی سو کے قریب مکتوبات مارہرہ شریف میں ۔اور تین جلدوں میں شائع ہونے والے خطوط مولانا شہاب الدین رضوی کے پاس ہیں، اس صورت حال کے سبب لفظ کلیات لغوی واصطلاحی کسی بھی اعتبار سے اس مجموعہ مکاتیب پر منطبق نہیں ہوتا۔ ''کلیات مکاتیب اقبال'' سے استدلال کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ وہاں مزید مکتوبات کی دریافت و بازیافت ،امکانی ہے اور یہاں مزید مکتوبات کی موجودگی کا تیقن ہے۔ اس مجموعہ کا نام بقول پروفیسر مسعود احمد ''جہان مکاتیب رضا'' ہی موزوں تھا۔

(۲) دوسری بڑی کمی اس مجموعہ میں یہ ہے کہ مرتب نے اس میں اردو کی

مکتوب نگاری کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا ہے، جس سے اس کی تنقیدی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔ مرتب موصوف نے چونکہ اس موضوع پہ تحقیقی کام کیا ہے، اس لئے وہ بآسانی اس کمی کو پوری کر سکتے ہیں۔

(۳) تیسری کمی یہ ہے کہ کمپوزنگ کی غلطیوں نے اس علمی مجموعہ کے تحقیقی وقار کو مجروح کیا ہے، اس طرف توجہ ضروری ہے۔

(۴) فتاویٰ سے ماخوذ مکتوبات کا پس منظر نہیں ہونے کے سبب اس سے استفادہ کی راہ مسدود ہوگئی ہے۔ مرتب نے کسی کسی جگہ پس منظر بیان کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام ماخوذات کی تفہیم آسان کی جائے۔

(۵) عربی و فارسی خط کا ترجمہ دینے کا اعلان تو کیا ہے، مگر کتنے ہی خطوط یا عربی عبارات بغیر ترجمہ کے رہ گئے ہیں۔ جس پہ نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(۶) خطوط کے مندرجات کی فہرست بھی موضوعاتی اعتبار سے شائع ہونی چاہیے کہ یہ علمی خطوط ہیں اور ان میں مکتوب نگار کے احوال و آثار محفوظ ہیں۔ اس فہرست سے کتاب کا وزن بڑھ جائے گا۔

(۷) مکتوب الیہ کا مختصر تعارف بھی شامل ہونا چاہئے۔ اگر ماخوذ مکتوبات کے غیر معروف مکتوب الیہ مستفتی کو چھوڑ دیا جائے، تو یہ بقیہ مکتوب الیہ کا تعارف پیش کرنا مرتب موصوف کے لئے زیادہ مشکل نہیں۔

(۸) خط میں اگر کسی شخصیت، کتاب، تحریک یا کسی جگہ کا تذکرہ آیا ہے، تو حواشی میں التزاماً اس کا تذکرہ کیا جائے۔

(۹) اگر اتنا ہو جائے، تو آخر میں شخصیات، کتابیات، تحریکات اور اخبار و رسائل کا اشاریہ بھی دے دینا چاہئے۔ تا کہ بہ ہمہ وجوہ یہ مجموعہ مکاتیب رضویاتی ادب کے

ساتھ عالمی ادب میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔

(۱۰) اگر کلیات کے مقدمہ میں مکتوب نگاری کی روایت اور اس کے اصول وضوابط پر گفتگو شامل ہوتی، تو فتاوی سے ماخوذ مکاتیب کے جواز وعدم جواز کی تعیین میں آسانی ہو جاتی۔

(۱۱) اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مکاتیب کی تدوین پر توجہ دی جائے، تا کہ ان کی تحقیقی افادیت مسلم ہو سکے۔

ہم آخر میں یہ توقع کر سکتے ہیں کہ مرتب موصوف کی یہ علمی پیش کش ''بارش کا پہلا قطرہ'' ثابت ہوگی اور مستقبل میں ان کے دیگر کارنامے ''ابرنیسا'' کی حیثیت سے متعارف ہوں گے۔

حدیث شوق گر صد سال گویند
شاید گفت حرفے از کتابے

(کتابی سلسلہ سہ ماہی ''رضا بک ریویو'' پٹنہ مارچ ۲۰۰۸)

کلیات مکاتیب رضا
ایک تعارف وجائزہ

مولانا غلام مصطفےٰ قادری رضوی

باسنی ناگور، راجستھان

امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمالہ صفت شخصیت پر ان کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ غالباً ۲۰ سال کے بعد ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری اور دوسرے تلامذہ نے آپ کی حیات وکارناموں پر نمایاں کام کرنا شروع کیا۔ مختلف گوشہائے رضا پر نگارشات شائع ہونے لگیں۔ خود امام موصوف کی علمی اور تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں اور دنیا بھر میں فکر رضا کو پہنچانے کی سعی کی گئی اور آج عالم یہ ہے کہ عالم اسلام میں اس عبقری ہستی کی حیات اور زریں کارناموں پر تحقیق وریسرچ کرنا فخر سمجھا جارہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ کی شخصیت معمولی شخصیت نہ تھی۔ حیرت انگیز طور پر ایسی پہلودار ہے کہ جس کے ہر پہلو پر ڈاکٹریٹ کیا جارہا ہے اور آپ کی آفاقی فکر کا غلغلہ عجم سے عرب تک سنا جارہا ہے۔ محققین ودانشور حضرات ان افکار ونظریات کے مطالعہ پر سر دھن رہے ہیں۔

ع گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں

ہمارے یہاں ایک کمزوری یہ ہے کہ کوئی فاضل کسی ایک موضوع پر تحقیق کرتا ہے۔ تو پھر کئی حضرات اس خط پر کام کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً امام احمد رضا کی شاعری پر

کئی ایک تحقیقی مقالات لکھے گئے۔ مگر امام موصوف کی شخصیت وفکر کے اہم گوشے ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں۔

ایسی حالت میں زیر تبصرہ کتاب "کلیات مکاتیب رضا" حیات وخدمات رضا کے اہم پہلو کی طرف عمدہ پیش رفت ہے۔ چودھویں صدی میں امام احمد رضا خان بریلوی نے دیگر اصناف سخن کی طرح اپنے خطوط کے ذریعہ بھی مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح فرمائی اور اسلام وسنیت کے لئے یہ وسیلہ وذریعہ بہت مفید ثابت ہوا اور کیوں نہ ہو کہ مکتوب نگار کی تبحر علمی اور فکری بلندی کا ایک عالم میں چرچا ہے۔ ڈاکٹر غلام غوث قادری رانچی، بہار رقمطراز ہیں:

"امام احمد رضا کا اسلوب نگارش ہمہ گیر دکھائی دیتا ہے۔ مکتوب الیہم کی لیاقت اور شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مکتوب نگاری عمل میں لاتے ہیں یعنی سہل نگاری کو بھی برتا ہے اور اردوئے معلیٰ سے بھی کام لیا ہے۔ وہ اپنے اسلوب نگارش میں کسی خاص فرد یا طبقے یا ازم سے متاثر نظر نہیں آتے۔ بلکہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔ موصوف نے ادب کو تفنن طبع کے طور پر نہیں برتا، بلکہ مواد اور پیغام کے لئے وسیلۂ اظہار سمجھا ہے۔ ان کی نگارشات میں مواد اور حسین اسلوب نگارش کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کے لفاف وملفوف یکساں نظر آتے ہیں۔ جو کہ امام موصوف کا امتیاز خاص ہے"۔

(افکار رضا ممبئی جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰)

امام احمد رضا کے جملہ مکاتیب کا حصول بہت مشکل ہے۔ تاہم فاضل محقق مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب نے تلاش بسیار کے بعد ایک ذخیرہ ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا۔ جس پر وہ خصوصی ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ محقق موصوف ان اقبال مند نوجوانوں میں شامل ہیں۔ جنہیں وفور علم وخلوص نیت کے ساتھ فکر وعمل کی نعمت بھی

خداوند قدوس نے بطور خاص عطا فرمائی ہے۔ زود نویس قلمکار اور افکار و نظریات رضا کے بہترین سفیر ہیں۔ دو درجن کے قریب مختلف موضوعات پر علمی اور تحقیقی کتابیں ان کے خامہ زرنگار سے لکھی جا چکی ہیں۔ کچھ شائع ہو چکی ہیں اور کچھ منتظر طباعت ہیں۔ نیز درجنوں مقالات سنی رسائل میں میں شائع ہو کر ارباب فکر و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مکتوبات رضا پر باوجود قلت وسائل کے تحقیقی کام کرنے کا جذبہ موصوف کے دل میں کیسے پیدا ہوا۔ خود انہیں سے سنئے۔ لکھتے ہیں:

''عربی وعصری تعلیم کے بعد میری تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر میری ایک انوکھی تمنا تھی۔ جو برسوں سے پہلوئے دل میں پل رہی تھی۔ وہ نرالی تمنا تھی، پی ایچ ڈی کے مقالہ کی ترتیب و تکمیل، اس مقصد کے لئے میں نے مخلص محققین اور حق پسند اہل قلم سے رابطہ کیا۔ اس راہ میں مجھے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شخصیت و فکر سب سے بھلی لگی کہ وہ حقائق کو بڑے سلیقے سے سامنے رکھتے ہیں۔ ان کا اسلوب جاندار اور غیر جانبدار ہے۔ ان کی تحریروں میں حقیقت پسندی اور دعوت و دردمندی کا عنصر غالب ہوا کرتا ہے۔ جبکہ میرا پسندیدہ موضوع ''امام احمد رضا کی ذات وافکار'' تھا۔ میری خاندانی وموروثی جوریت، روایت، روش تھی۔ اس کے پس منظر میں امام احمد رضا کی محبت میری گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ پروفیسر موصوف سے رابطہ، خط و کتابت اور معمولی گفت و شنید کے بعد میں نے مکاتیب امام احمد رضا کو اپنی ڈاکٹریٹ کے لئے عنوان تحقیق بنالیا''۔

(کلیات مکاتیب رضاج /۱ص/۳۲)

اس علمی اور تحقیقی سفر میں اہلسنت کی ہر دلعزیز شخصیت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے واقعی ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب کا خصوصی تعاون فرمایا اور تحقیق کے رہنما نکات سے آگاہ فرمایا۔ بلکہ فکر رضا پر کام کرنے والے ہر محقق و فاضل کی آپ حوصلہ افزائی

کے ساتھ رہنمائی فرماتے ہیں۔ڈاکٹر شمس مصباحی کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''یہ پڑھکر خوشی ہوئی کہ آپ امام احمد رضا خاں بریلوی کے مکتوبات شریف پر کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ایک خاکہ ذہن میں آیا ہے۔ جو عجلت میں قلم بند کردیا گیا ہے۔مواد کے مطالعہ کے بعد جو امور ذہن میں آئیں۔اضافہ کرلیں۔مواد کی تلاش اور رابطہ مہم شروع کردیں۔ مارہرہ شریف اور بریلی شریف میں بہت سے خطوط ہوں گے۔وہ جمع کریں۔فقیر کے پاس بعض قلمی خطوط ہیں۔ان کے عکس پیش کردیئے جائیں گے۔'' (مکتوبات مسعودی مطبوعہ کراچی، ص/۶۸)

ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب نے کام شروع کیا اور واقعی مکتوبات رضا پر آج تک تفصیلی کام کرنے کا حق ادا کردیا۔جب کہ ان سے قبل کچھ مجموعے شائع ہوئے تھے۔مگر ان میں مکاتیب کی تعداد کوئی زیادہ نہیں تھی۔موصوف خود رقمطراز ہیں:

''جب لکھنے بیٹھا، تو کم وقت میں مقالہ ترتیب دیا گیا۔خطوط رضا کے دو ایک مجموعے جو شائع شدہ ہیں۔وہ عام طور پر اہل علم کی نگاہ میں آتے رہتے ہیں۔ان مجموعوں میں شامل خطوط کی تعداد ۱۰۰ بھی نہیں ہے۔پھر بھی یہی تعداد میرے کام کے لئے کافی سے زائد تھی۔مگر مقالہ نگار کی خواہش وکوشش یہ تھی کہ وہ ساری تحریریں جو اس قبیل کی ہیں، اس بہانہ یکجا ومرتب ہوجائیں۔جو مکتوباتی جہت کی ہیں۔اس کی تحریک مجھے علماء وصوفیاء وادباء کے ان مجموعہائے خطوط سے ملی۔جو دوران مطالعہ میری نظر سے گذرے اور ایک عالم وادیب کے خطوط کی کئی کئی جلدیں دیکھنے کو ملیں''۔

پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی کی تحریر سے بھی اس تحریک نے زور پکڑا۔ انہوں نے لکھا ہے:

''مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا حلقۂ عقیدت وارادات بہت وسیع تھا۔اس

اعتبار سے ان کی خط وکتابت کا سلسلہ بھی دراز ہوگا۔ افسوس کہ فاضل بریلوی کے خطوط اور مکاتیب کی جمع وترتیب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی ۔ ورنہ مذہبی، علمی اور سوانحی اعتبار سے یہ ایک اہم ذخیرہ ہوتا۔ مولانا کے کچھ خطوط ان کی سوانح عمری ''حیات اعلیٰ حضرت'' مرتبہ ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری اور دوسرے رسائل میں بھی شامل ہیں۔لیکن ان میں زیادہ تر اوراد وظائف اور نسخہ جات ہیں''۔ (کلیات مکاتب رضا ۱؍۲۳)

حصول مواد اور تکمیل وتحقیق میں ایک محقق کو جو دقتیں اٹھانی پڑتی ہیں، وہ اس راہ کے مسافروں سے مخفی نہیں ۔ بلکہ میں نے اکثر محققین کو پریشانیوں سے مقابلہ کرکے ہی کامیابی حاصل کرنے کا ذکر پڑھا ہے۔ڈاکٹر شمس مصباحی کی داستان بھی سنتے چلئے۔لکھتے ہیں:

''مقالہ نگار اپنے فرائض حیات بھلا کر اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اس مہم پر نکل کھڑا ہوا اور رابطے سفر ایک ساتھ شروع کیا۔ متواتر فون، خط وکتابت اور رابطوں کا کچھ خاطر خواہ فائدہ تو نہیں ہوا۔ نہ کہیں سے کوئی جنبش وحرکت ہوئی، نہ ہی کوئی اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہوا۔البتہ میرے جان گداز اسفار کو کامیابی ضرور ملی ۔ سیاحت وسفر میں مجھے پیار بھی ملا اور نفرتیں بھی، دھوپ بھی ملی اور چھاؤں بھی، پھول بھی ملے اور کانٹے بھی، شفقت ودعا بھی ملی اور للکار وپھٹکار بھی''۔ (ایضاً جلد ۱ رص:۲۴)

ڈاکٹر موصوف نے کئی ایک مشہور لائبریریوں کا بھی معائنہ کیا۔ بلکہ ہفتوں قیام کرکے اس سے قیمتی ذخیرہ حاصل کیا۔ ذہن وفکر صرف کیا۔انہیں کلیات میں سجایا اور پھر ہمارے لئے فردوس نظر بنادیا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

من جد وجد کے بمصداق مولانا شمس مصباحی صاحب نے بہت کچھ پالیا۔ اور بقول ان کے سوچا تھا۔ یہ مواد ایک یا زیادہ سے زیادہ دو جلدوں میں سما جاۓ گا۔

مگر جب کتابت ہوئی، تو اندازہ ہوا۔ سارا مواد دو جلدوں میں سمیٹ دینا کتاب کے حسن کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ کتاب کی ضخامت اوسط ہی اچھی ہوتی ہے۔ آغاز کار میں موصوف کو اکتاہٹ محسوس ہوئی۔ مگر حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے فرمایا:

''آپ کام شروع کریں اتنا مواد ملے گا کہ سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔'' اور ہوا یوں ہی کہ ڈاکٹر شمس مصباحی کی شبانہ روز جد و جہد مسلسل نے وہ دن دکھایا کہ ان کے سامنے مکاتیب رضا کا انبار لگ گیا اور ان کو سمیٹنا اور حسن ترتیب سے سجانا ایک بار مشکل ہو گیا۔ تاہم اپنی خداداد فکری استعداد اور علمی ذکاوت سے موصوف نے واقعی ''جہان مکاتیب رضا'' کی سیر کرانے کا ہمیں موقع فراہم کر دیا۔

اب آیئے! ''کلیات مکاتیب رضا'' کی مثالی، صوری و معنوی خصوصیات پر ایک نظر ڈالیں اور فاضل مقالہ نگار کو ان کی علمی بصیرت، ہمت مردانہ اور بے مثال عقیدت رضا پر داد و تحسین کے گلدستے پیش کریں۔

(۱) کلیات مکاتیب رضا کی دو جلدو میں کل ''۳۴۳'' مکتوبات رضا شامل ہیں۔ جو مطبوعہ مکاتیب رضا کے مجموعوں سے بھی اخذ شدہ ہیں، تاہم ان مجموعوں میں شامل مکاتیب کو کلیات مکاتیب رضا میں کئی ایک خوبیوں کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر شمس مصباحی:

''ترتیب مقالہ کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جو بات بھی کہی جائے مکتوب یا مکتوب کا اقتباس نقل کیا جائے۔ یا مکتوب میں زیر بحث مسائل و معاملات یا پھر مکاتیب و مسائل کا پس منظر بیان کیا جائے تو براہِ راست مستند ماخذ سے رجوع کیا جائے۔ اس کے لئے مقالہ نگار نے مخطوطات اور قلمی نسخوں سے اور بعض کا تقابل ان مجموعوں سے کیا گیا ہے۔ جن کو مرتب مذکور نے جہاں سے نقل کیے ہیں اور جو مکتوب نگار امام احمد رضا کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے۔'' (کلیات مکاتیب رضا ۱/۲۷)

(۲) ''قلمی خطوط، قدیم کتب ورسائل میں چھپے خطوط کا حوالہ، جو جہاں سے لیا گیا دے دیا گیا ہے اور جن اخبارات وجرائد سے خطوط نقل کئے یا اخذ واستفادہ کیا ہے۔ ان کے ناموں کی بھی فہرست دے دی گئی ہے''۔

(۳) امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے زندگی بھر میں بے شمار خطوط لکھے اور اپنا اسلوب نگارش جو ہمہ گیر تھا کو استعمال میں لائے۔ مکتوب الیہ کی لیاقت وشخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خطوط لکھے۔ نیز اپنی عالمگیر عربی اور اردو ادب دانی کے باوجود اپنے کم علم مکتوب الیہم کے لئے ان کے فہم ومزاج کے مطابق سادہ اور سلیس الفاظ استعمال کئے۔ بنابریں آپ کے خطوط کی کوئی مکمل تعداد ہمارے سامنے نہیں۔ بلکہ عام اہل علم کی نگاہ میں مکاتیب رضا کے دو تین ہی مجموعے ہیں۔ جب کہ ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد ایک درجن سے بھی زائد ہے۔ موصوف نے ۱۲؍مجموعہائے مکاتیب رضا کا تعارف مذکورہ کتاب میں کرایا ہے اور واقعی تعارف کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس حوالے سے بھی کلیات مکاتیب رضا ہماری معلومات کا ذریعہ بنی ہے۔

(۴) امام احمد رضا کے ذی علم وبصیرت مکتوب الیہم حضرات کے خطوط کی ترتیب کے وقت ان کا مختصر جامع علمی تعارف بھی حواشی میں کرایا گیا ہے۔

(۵) ایک قابل لحاظ تعداد ان مکاتیب کی ہے۔ جواب تک غیر مطبوعہ تھے۔ فاضل مرتب ڈاکٹر شمس مصباحی کی تگ ودو سے پہلی بار اس میں جمع کئے گئے ہیں۔ نیز عربی وفارسی خطوط کا اردو ترجمہ بھی موصوف کی لائق تحسین سعئ جمیل ہے۔

(۶) مرتب موصوف کی خواہش تھی کہ تمام خطوط کو تاریخی ترتیب سے سجائے جائیں۔ مگر کسی وجہ سے اپنی اس خواہش کو تکمیل نہ کرتے ہوئے حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر دیئے ہیں اور یہ بھی عمدہ کام ہو گیا۔ اس طرح ''الف'' سے ''ظ'' تک کے خطوط جن

کی تعداد ۱۵۶ ہے۔ جلد اول میں شامل ہیں اور "ع" سے "ی" تک کے کل ۱۸۰ خطوط جلد دوم میں شامل کیے گئے ہیں۔

(۷) جن خطوط پر تاریخ۔ سن مکتوب الیہ کا نام و پتہ درج نہیں تھا۔ فاضل مرتب نے اپنی محنت اور لگن سے اس میں بھی کامیابی حاصل کرلی۔ اب قاری پہچان بھی نہیں پائے گا کہ کونسا مکتوب بغیر نام، تاریخ اور سن کے تھا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

مرتب کی تمنا اور آرزو تھی کہ کلیات مکاتیب رضا خوب سے خوب تر ہو اور ماشاء اللہ ان کی آرزو کے مطابق متنوع خوبیوں کے ساتھ کتاب ہمارے مطالعہ کی میز پر آ گئی۔ مذکورہ کتاب میں شامل مکتوبات رضا کے مطالعہ کے دوران میں حیران ہوں کہ کس کس رخ سے امام احمد رضا کے جلوؤں کا تماشہ دیکھوں اور کدھر کدھر انگلیوں کا اشارہ کروں کہ علم وحکمت کا نگار خانہ یہاں ہے۔ رضا کے دردمند دل اور فیض یافتہ قلم سے نکلے ہوئے جملوں نے واقعی حیرت انگیز اثرات چھوڑے ہیں۔ ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب نے اپنی نثری صلاحیتوں کا بھی اپنی کتاب میں خوب خوب اظہار کیا ہے۔ جو قارئین کو ضرور متاثر کریں گے۔ انشاء اللہ العظیم

دارالعلوم قادریہ صابریہ برکات رضا کلیر شریف نے اس عمدہ تحقیقی کتاب کو خوبصورت گٹ اپ اور نفیس طباعت کے ساتھ شائع کر کے لائق تحسین کارنامہ انجام دیا ہے۔ دونوں جلدوں کی ضخامت ۸۰۰ صفحات سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ اور قیمت فی جلد ۱۰۰ روپئے درج ہے۔ کمپوزنگ میں کئی جگہ اغلاط ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردی جائے گی۔ مولیٰ تعالیٰ فاضل مرتب کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اور معاونین وناشرین کو دونوں جہاں میں سعادت مند رکھے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین۔

فقط غلام مصطفےٰ قادری رضوی

☆

'کل'

تم نہیں تھے

'آج' ہو......پھر کل؟......نہیں رہو گے

'آج' ہو......تمہارے ہاتھ میں صرف 'آج' ہے

'آج' کی قدر کرو

'کل'......تم بچہ تھے

'آج'......جوان ہو......پر کل؟......نہیں رہو گے

تو تمہاری جوانی......صرف 'آج' ہے

جوانی کی حفاظت کرو

غور کرو!

زندگی صرف 'آج' ہے

جوانی صرف 'آج' ہے

دیکھو!

اس ایک 'آج' کی زندگی اور جوانی میں

خدا کی عبادت بھی کرنی ہے

خدا کی بندوں کی خدمت بھی

(پرواز خیال مطبوعہ لاہور ص: ۵۴)

حیات رضا کی نئی جہتیں

☆

اہل نظر کی آراء و تبصرے

مرتب
مولانا محمد مجیب الرحمٰن نوری
ناظم تعلیمات جامعہ کنز الایمان، اندھیری، ممبئی

عرض مرتب

محب گرامی قدر مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا بچپن، جوانی اور اب ادھیڑ پن میرے سامنے ہے۔ اس لئے مجھے یہ باک نہیں، وہ شرمیلی مگر البیلی طبیعت کے مالک ہیں۔ اخفاء احوال صوفیاء کرام کی ایک اصطلاح ہے۔ موصوف پر یہ اصطلاح ہے۔ موصوف پر یہ اصطلاح فٹ گرتی ہے۔ سادہ پوشی اور سادہ خوری تو ایسی کہ دعوت وضیافت (جس کے وہ زیادہ قائل نہیں) میں بسا اوقات میزبانوں کو زحمت یا احساس ندامت ہونے لگتا ہے۔ گو کہ اس رنگ کا یہ چوکھا پن بھی زیادہ درست نہیں۔ مگر وہ اس میں مگن رہتے ہیں۔

فکر رضا کی ترویج واشاعت ان کی پہلی ترجیح ہے، پھر حالیہ برسوں میں وہ ایک قدر آور محقق کی شکل میں جلوہ گر ہوئے، ان کی کتابوں پر جو تعارفی وتبصراتی تحریریں اہل نظر کی طرف سے آرہی ہیں۔ ان کے احباب پڑھ پڑھ کر مسرور ہونے لگے۔ ان کے دل میں بھی گدگداہٹ محسوس ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے۔

احباب کا مشورہ ہوا کہ یہ تحریریں شائع کردیں، کہنے لگے، کیا فائدہ، ہم نے کہا، ان سے دوسرے نوجوان اہل قلم کو تحریک وتشویق ہوگی اور جذبہ وحوصلہ ملے گا۔ مواد ومعلومات اکٹھی ہوں ،تو کام کے افراد مزید کام کریں گے۔ چنانچہ اسی جذبۂ خیر کے تحت پیش نظر مواد چھاپا جارہا ہے۔

خاکپائے درپا حضور مفتی اعظم

محمد مجیب الرحمٰن نوری

اس کتاب کے ماخذ ومراجع سے بخوبی یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ فاضل مصنف نے اس کتاب کی ترتیب وتصنیف میں حد درجہ تلاش وجستجو سے کام لیا ہے اور یقیناً اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس میں حیات رضا کی بہت ساری ایسی نئی جہتیں پیش کی ہیں جو مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

فقیر راقم السطور کو فاضل موصوف کے متعدد مضامین اور مطبوعہ وقلمی کئی اہم کتابوں کو دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا۔ ان کی تحقیقات اوران کی عمر کا جب میں نے تناسب کیا، تو میں نے فاضل گرامی کے بارے میں یہ رائے قائم کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھا کہ موصوف اپنی جدید اور نایاب ونادر ومستند تحقیقات کی روشنی میں صرف فائق الاقران ہی نہیں، بلکہ اولین سابقین کی صف میں نظر آتے ہیں۔

راقم السطور کو جہاں فاضل موصوف کی قلمی وتحقیقی کاوشوں نے متاثر کیا، وہیں یہ بات بھی نہایت قابل قدر اور لائق ستائش ہے وہ یہ کہ موصوف فکر رضا کے تعلق سے نہایت مخلص ہیں اوران کی نظر ہمیشہ مثبت پہلو پر ہوتی ہے اوران کی تحریر وتحقیق میں بلند وبانگ دعوؤں کا کوئی عنصر نہیں۔ جو بھی لکھتے ہیں اس جذبۂ خیر کے ساتھ لکھتے ہیں کہ فکر رضا اور حیات رضا کے جتنے بھی گوشے پردۂ خفا میں ہیں۔ وہ سب منصۂ شہود پر آجائیں اور یہ سارا کام میرے لئے نجات اخروی کا سامان بن جائے۔ میں یہ سمجھتا ہوں اور مانتا ہوں کہ موصوف علم وکمال کا ایک روشن ستارہ ہیں اور پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے اس علمی کوشش پر قابل مبارکباد اور لائق صد تحسین ہیں۔

آج سے ایک سال پیشتر جب میں ممبئ عظمیٰ حاضر ہوا، اوراسی موقع سے فاضل موصوف کی زبردست تحقیقی کاوش ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کے بہت

سارے نئے پہلوؤں پر طویل تبادلے خیال ہوا، تو میں فاضل موصوف کے سرمایۂ علم وتحقیق کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور ان کیلئے دل سے دعائیں نکلیں اور یہ تمنائیں ظاہر ہوئیں کہ رب کریم اپنے محبوب ﷺ اور مشائخ مارہرہ و بریلی کے صدقہ وطفیل اس عظیم سرمایہ علم وتحقیق کی طباعت واشاعت کا غیب سے سامان پیدا فرمادے۔ الحمد اللہ ایک سال بعد جب میں پھر میرا روڈ حاضر ہوا اور فاضل موصوف سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بتایا کہ 'خطوط مشاہیر عنقریب شائع ہونے والی ہے اور سید السادات مخدوم العلماء والمشائخ پیر پیراں میر میراں سیدی ومخدومی حضرت قبلہ امین ملت مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے مقدس ہاتھوں سے عرس قاسمی ۱۸ر نومبر ۲۰۰۷ کو مارہرہ شریف میں اجراعمل میں آئے گا۔ تو سچ پوچھئے کہ میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور دل سے دعائیں نکلیں۔ اور پھر وہ دن بھی آیا کہ برکات نگری مارہرہ شریف میں کتاب کی رونمائی ہوئی اور صاحب سجادہ حضور امین میاں وحضرت سید اشرف میاں نے دل کھول کر مصنف کی پذیرائی فرمائی۔

آخر میں فاضل موصوف سے یہ گزارش کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کرنا چاہوں گا کہ آپ اپنے گرانقدر سلسلہ علم وتحقیق کو جاری رکھئے۔ پوری جماعت اہل سنت آپ کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کیلئے چشم براہ ہے۔

خلوص کار:

عبدالمنان کلیمی عفی عنہ

نزیل ممبئی

نمونۂ اسلاف مفتی ولی محمد رضوی

صدر: سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور

بحمدہ تعالیٰ اب ہماری جماعت میں نوجوان علمائے کرام و محققین حضرات نے قلم و قرطاس کیلئے کمر کس لی ہے اور بلند عزائم و پختہ جذبات کے ساتھ میدان عمل میں آچکے ہیں اور نئے نئے عناوین اور عمدہ مضامین سے نئی نئی جہتوں کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں اور ان باہمت حضرات کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی بھی ہوتی ہے خدا کرے یہ سلسلہ قائم رہے اور اس میں تیزی آئے۔ آمین

جواں سال جفاکش مسلسل محنت کرنے والا محقق مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی محتاج تعارف نہیں ہیں۔ چند سالوں ہی میں انہوں نے تیز گامی سے کام کیا ہے اور نئے نئے میدان سر کئے ہیں کہ قریب دو درجن محققانہ کتب و رسائل کے مؤلف و مصنف ہو گئے۔ موصوف کی نگارشات کو اہل علم و فضل میں پذیرائی و قبولیت بھی حاصل ہوئی ہے۔ کئی بار ملاقات ہوئی، ان کی کاوشوں اور محنتوں کی گل کاری و گلریزی کا نظارہ کرنے کا موقع، ملا لگن و دھن کے پکے ہیں، جس کام میں جٹ گئے، تو اسے پورا کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ طوفان و مصائب سے ان کی پیشانی پر شکن نہیں آتی۔ اللہ کی ذات پر توکل کئے ہوئے ہیں۔ مجدد اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا عشق تو ان کے رگ و پے میں بسا ہوا ہے۔ وہ طے کر چکے

ہیں کہ دنیا کے سامنے وہ خزانۂ رضا پیش کرنا ہے اور سچائیوں کو اجاگر کرنا ہے کہ امام احمد رضا صرف ایک مولانا ہی نہیں تھے بلکہ علوم اسلامیہ کے عارف کا نام امام احمد رضا ہے۔ ان کے دور میں جتنے علوم پائے جاتے تھے، یقیناً سب پر انہیں دسترس و مہارت حاصل تھی۔ ان کے اس نیک مقصد کو سمجھنے کیلئے موصوف کی حقیقت نگار تالیفات اس کا آئینہ ہیں۔ ابھی ابھی ان کی ایک تازہ کتاب ''حیات رضا کی نئی جہتیں'' منظر عام پر آئی ہے۔ جو ترتیب کے طور پر نیا پن لئے ہوئے ہے۔ اس میں نئی جہتوں کا گلشن سجا ہوا ہے ایک عنوان ہے کتب فقہ و حدیث وتفسیر وغیرہ پر حواشی و شروحات یہ بڑا معلوماتی ہے۔ موصوف نے تاریخی اعتبار سے ثابت کیا ہے کہ ۷/ہجری سے لے کر امام احمد رضا کے ظہور کے پہلے تک قریب سات سو سالہ تاریخ میں علماء وفقہاء کی بڑی جماعت نے جو سرمایہ شروح و حواشی دیا ہے وہ ۸۰/حضرات ہیں اور ۲۰۰/کتب پر حواشی لکھے ہیں۔ جو اہل علم حضرات اور علم دوست حضرات پر احسان عظیم ہے۔ ہم اس کو سراہتے ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولا تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

مگر اللہ کی عطاؤں کے جلوے دیکھئے کہ مجدد اعظم احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سالہ دور میں تنہاء ۱۳۷/کتب تفسیر وفقہ و حدیث پر حواشی رقم فرما کر کمال کر دیا۔ یہ کارنامہ رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا جس کی مثال پہلے اور بعد کے دور میں نہیں ملتی یہ سب فضل ربی اور عطائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ نیز ہمارے محبوب محقق نے رسائل رضا کا عمدہ انداز میں بہترین تعارف کرایا ہے اور دعوت دی ہے کہ اہل علم جھانک کر پرکھ کر امام احمد رضا کو دیکھیں کہ ان کی تحقیقات اور نظریات کیسے تھے۔ ''شنیدہ کہ بود مانند دیدہ'' ہمارے موصوف نے چند رسائل کا مختصر مگر جامع تعارف کرایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ نوادرات کا بے بہا خزانہ

ہیں۔ چند کتب امام کی چند گھنٹوں کی محنتوں کا نتیجہ ہیں۔ بعض رسائل تو کتاب کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ مثلاً کوئی رسالہ سات صفحات کا ہے مگر سو سو حوالوں سے مدلل ہے اوران میں سینکڑوں آیات واحادیث اوراقوال صحابہ وفقہاء جمع کر دیئے گئے ہیں کہ مخالف کودم مارنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بعض موقع پر بغیر کتب کے وہ فتاوے اوررسائل تحریر فرمائے کہ حیرانی ہوتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطائے الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ موصوف کی تحریر بھی عمدہ ہے جس سے تعارف رضا خوبصورت انداز میں ہوا ہے۔ تحقیق کا انداز بھی اچھا ہے اللہ کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے وطفیل اس اہم خدمت کو قبول فرمائے۔ مؤلف موصوف کوعلم وعمل اور فضل وکمال میں خوب خوب برکتیں عطا کرے۔ ان کی علمی کتابوں سے ہم سب کو مستفید فرمائیں اوران کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

(سہ ماہی 'افکار رضا' ممبئی۔ ۲۰۰۷)

حضرت مولانا محمد ابراہیم آسی

مصنف فیضان شریعت، ممبئی

اس دارگیتی پر کچھ افراد ایسے بھی جنم لیتے ہیں جو تشنگان علوم کیلئے علوم کے ایسے دھارے بہاتے ہیں، افکار وفنون کے ایسے نادر ونایاب گوہر لٹاتے ہیں جو سرمدی تسکین قلب کا سبب ہوتا ہے۔ عبقری شخصیات پر ہمیشہ مختلف جہات سے روشنی ڈالی جاتی ہے اور قلم کار مختلف انداز میں زندگی کی نئی جہتوں کو اجاگر کر کے عبقری شخصیت کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ بالخصوص اس دور میں سوانح نگاروں کی تعداد اگر چہ نایاب نہیں ہے، مگر کمیاب ضرور ہے۔ فی الوقت ان کی مجموعی حیثیت آٹے میں نمک کے مانند ہو کر رہ گئی ہے۔

امام عشق ومحبت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی پر وقت کے محققین، مفکرین اور مدبرین نے اپنی نوک قلم سے اپنی بساط کے مطابق مختلف گوشوں کو زیب صفحۂ قرطاس کیا ہے۔ اب تک اس مرد مجاہد کی بارگاہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ ہنوز ان پر لکھنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور کی بے راہ روی مخرب الخلاق رسائل وجرائد کی کثرت گل بے گانہ کی طرح صحرائے معاشرت میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس سے کچھ افراد محظوظ ہو کر عارضی سکون حاصل کرنے کی جہد ناقص کرتے ہیں۔

ایسے پر آشوب حالات میں کسی ہمہ گیر شخصیت کی حالات زندگی لکھ کر لوگوں کے

سامنے پیش کرنا جہاد بالقلم کے مترادف ہے۔ عالم دین محقق عصر ماہر رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر مولانا جابر شمس مصباحی پی ایچ ڈی جو امام رضا کی وادی علم وفن کے زیرک شہسوار ہیں۔ جن کی کوششوں سے ایک نئی کتاب ''حیات رضا کی نئی جہتیں'' معرض وجود میں آئی۔ بلاشبہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ اب تک قلم کار امام عشق ومحبت کی زندگی کی ان نئی جہتوں کو عوام کے سامنے نہ لائے تھے۔ جسے ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب تالیف کر کے لوگوں کو بتادیا کہ امام احمد رضا کی زندگی کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیا جائے تو ہر گوشہ پر ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ یہ کوئی مبالغہ یا غلو نہیں ہے بلکہ قارئین کتاب کے مطالعہ کے بعد خود ہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہونگے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی تعارف کے دست نگر نہیں۔ آپ کی مایہ ناز تصانیف ہی آپ کی شناخت ہے۔ علم وعمل، فضل وکمال، زہد وتقویٰ، دیانت وثقافت جیسے عمدہ محاسن آپ کی سرشت میں داخل ہے۔ کم سخنی، بسیار نویسی، صفت درویشی، سادگی، آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ حساس بشاش بارعب چہرہ، سرخ سے سرخ لب آپ کی وجاہت کا غماز ہے اور ساتھ ہی ساتھ حسن اخلاق کے پیکر بھی، کسی کا بھی خندہ پیشانی سے استقبال کرنا آپ کی خصلت شریفہ میں داخل ہے۔ آپ کی تالیفات بدعقیدگی کی طرف گامزن، دینی واسلامی معلومات سے بے بہرہ افراد کی شب تاریک کیلئے ماہ تاباں ہیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر صاحب نے اس پرفتن دور میں وہابیت کی آندھی کے دوش پر دیا روشن کیا ہے۔ یقیناً مخالفین رضا کے سینے پر ایک کاری ضرب ہے۔ دور حاضر میں دینی کتاب کی اشاعت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس سے مال منفعت کی امید رکھنا گویا تشنہ لبی کو شبنم کی نمی سے سیراب کرنا ہے۔ اس پر مستزاد روشنی ڈالنا جام سحر کو چراغ دکھانا ہوگا۔ اس مادہ پرست دور میں لوگ نام ونمود، لہو ولعب اور نمائشی شغل میں اپنا مال گنگا جمنا کے دھارے کی طرح بہاتے ہیں۔ لیکن دینی کتاب

کی اشاعت کیلئے لوگ جعد الیدین بن جاتے ہیں۔ اگر کسی شیر دل مصنف جوئے شیر لانے کے مصداق عرق جبیں کو زیر پا لاکر کسی تصنیف کو منصۂ شہود پر لاتے بھی ہیں تو چند نسخہ فروخت ہونے کے بعد باقی کتابیں جامہ پارینہ کی طرح کسی الماری اور طاق میں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ جسے دیمک غاصبانہ قبضہ کرکے اپنی شکم پروری کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

ایسے حالات میں ڈاکٹر صاحب کی تالیفات کے متعدد ایڈیشن سے مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب ہٰذا ''حیات رضا کی نئی جہتیں'' کے مطالعے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے گلشن رضا کی سیر کرکے رنگ برنگ پھول اپنے دامن میں اکٹھا کرکے ایک ماہر گل گلچیں کی طرح رضویت کا ایک حسین گلدستہ قوم وملت کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کے رنگ و بو کو زوال نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایسے پہلو کو ضبط تحریر میں لایا جو نئی نسل کیلئے ذوق ومزاج کی کشش کا سبب ہو۔ کتاب کے مطالعے کے بعد صاحب کتاب کی علمی، فکری آگاہی، سوانح رضا کی وسعت پہ نظر، قوم کے جذبات وذوق کا خیال، طرز تحریر میں سلاست وروانی، اسلوبی نگارش میں اعلیٰ پختگی، زبان وادب کے رموز سے آگاہی، ہر علوم و فنون پر عبور، علمی نکتہ پر گہرہ تفکر، ہمہ جہت باریک نگاہ، وادیٔ تفتیش وتحقیق میں طویل مسافت اور تلاش جستجو پر، محنت شاقہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں تالیف کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

حیات رضا پر ایک تحقیقی جائزہ

تعارف وتبصرہ: وصیل خان

کالم نگار: روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں کے ربع اول کا دور ہندوستانی مسلمانوں کی سخت آزمائش و ابتلاء کا تھا۔ انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی اپنے شباب پر تھی۔ علمائے ہند کا ایک بڑا طبقہ جس کے کاندھوں پر مسلمانوں کی دینی قیادت وسیادت کی عظیم ترین ذمہ داری تھی ۔ان پر یہ مزید بوجھ آن پڑا کہ وہ انگریز کی ان سازشوں کا مقابلہ کریں، جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں میں آپسی اختلافات پیدا کر کے اپنے اقتدار کا پایہ تخت مضبوط و مستحکم کرنا چاہتے تھے۔

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش ووفات ۱۸۵۶ء تا ۱۹۲۱ء انہیں شورش زدہ حالات میں ہوئی۔ انہوں نے حالات کی نزاکت اور وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ان بدعات وخرافات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جو مسلمانوں میں انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور خود ان کی جہالت اور علم دین سے دوری کے سبب پیدا ہوگئی تھیں۔ مولانا احمد رضا خان صاحب منزل ہوش پر پہنچنے کے بعد تادم آخر اس سخت ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں ایسا منہمک ہوئے کہ تقریباً پینسٹھ سال کی عمر میں انہوں نے تصنیف وتالیف اور رہنمائی دین متین کا ایسا یادگار اور بے مثال علمی ورثہ چھوڑا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایسی نابغۂ روزگار شخصیت جس نے دینی علوم

جانے دیجئے، خواص کا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمول الفاظ بھی انہیں حیران و عاجز کر دیتے ہیں۔ مصباحی صاحب نے اس زوال پذیر معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے بڑے واضح اور روشن انداز میں عام فہم زبان کا استعمال کرتے ہوئے معقولیت کا ثبوت دیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ کتاب انفرادیت قائم رکھنے میں کامیاب ہے۔

اس کتاب میں مؤلف نے مندرجہ ذیل ابواب پیدائش، حلیہ مبارک، تعلیم و تکمیل تعلیم، خاندانی پس منظر، جد امجد، والد ماجد، اساتذہ، مرشد برحق، تعداد علوم، تعداد تصانیف، تعداد حواشی، اسلوب تحقیق، ذہانت، زود نویسی اور کثرت حوالا جات تعلیم و تدریس اور قیام مدارس وعظ و خطاب اور نفوذ و اثر جیسے عنوانات کے ذریعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمہ جہت پہلوؤں کا ایسا شاندار اور محققانہ تجزیہ پیش کیا ہے، جو اپنے آپ میں ندرت فکر و تحقیق کا ایک گرانقدر نمونہ بن چکا ہے۔ امید ہی نہیں یقین بھی ہے کہ مولانا غلام ڈاکٹر جابر شمس مصباحی کی یہ تصنیف قبول عام کی سند سے سرفراز ہی نہیں متلاشیان حق کیلئے مشعل راہ بھی ثابت ہوگی۔

(روزنامہ "اردو ٹائمز" ممبئی۔ ۲۲ / جولائی ۲۰۰۷ء ص ۱۲ / کالم ادب نامہ)

خطوط مشاہیر

بنام

امام احمد رضا

(اول و دوم)

صاحبان دین و دانش کی نظر میں

مرتب

مولانا محمد مجیب الرحمٰن نوری

ناظم تعلیمات جامعہ کنز الایمان، اندھیری، ممبئی

حضرت سید شاہ محمد اشرف قادری برکاتی
انکم ٹیکس کمشنر، دہلی

عزیز گرامی مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ہمارے علمائے کرام کی نئی پیڑھی سے تعلق رکھتے ہیں، وہ سوچنے والے ذہن، محسوس کرنے والے دل اور محنت کرنے والے ہاتھوں کے مالک ہیں۔ زمانۂ طالب علمی کا ایک بڑا حصہ قلندرانہ شان کے ساتھ بسر کیا اور اس عالم درویشی میں صرف قلم کی دولت کے حریص رہے، جو دینے والے نے انہیں خوب خوب عطا کیا۔

''مکاتیب رضا'' کے بعد ان کی تازہ تالیف ''مشاہیر کے خطوط'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ غالبؔ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ خط سے نصف ملاقات ہو جاتی ہے۔ غالب کی منطق کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور مرسلہ اور موصولہ دونوں طرح کے خطوط پیش نظر ہوں، تو نصف ملاقات مکمل ملاقات میں بدل سکتی ہے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی نے اپنے مشہور زمانہ سلام میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اپنے نانا جان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کا ذکر ''خط توام'' کی تلمیح کا سہارا لے کر بڑے ہی فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔ ''خط توام'' راز داری برتنے میں آسانی پیدا کرنے والا وہ خط ہوتا تھا، جس میں ایک صفحے پر ایک عبارت ہوتی تھی

حضرت مفتی محمد اشرف رضا قادری

قاضی ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر، ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔الحمد للہ رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ وبارک و سلم۔

فاضل جلیل ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی دام بالکرم ہماری جماعت میں منفرد اسلوب نگارش کے قابل قدر محقق ہیں۔ امام اہل سنت، سرکار اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا احمد رضا حنفی قادری بریلوی قدس سرہ العزیز ودیگر اکابر اہل سنت سے انہیں عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ ان کے علمی وقلمی نوادرات کی تتبع و تلاش میں ہندو پاک کے قریہ و دیہات، بلکہ ان کی گلی کوچہ تک پہنچ جانا، ان کی سیماب صفت فطرت کا خاصہ ہے۔

امام اہل سنت کے تعلق سے ان کی دو وقیع و جامع اور قابل تحسین تالیف 'کلیات مکاتیب رضا' اور 'خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا' ارباب علم دانش سے خراج تحسین وصول کررہی ہے۔ جبکہ ان کے تمام دوسرے سبھی تحقیقی وفکری گلدستے وعلمی شہ پارے ابھی منتظر طباعت ہیں۔ خدایا! مولانا کے دل میں مٹی و پانی کو اکسیر و کیمیا بنانے کے اصول الہام فرما اور اس میں کمال عطا فرما۔ آمین آمین یاارحم الراحمین یاخیر

الناصرین بحرمة حبیبك و محبوبك حاكم البرایاوقاسم العطایا علیه و علیٰ آله و صحبه وازواجه امهات المومنین و اهلبیته و عترته و عشیرته وانصاره واصهاره واصوله و فروعه واتباعه واحبائه وابویه وابنیه الكریمین محی الدین عبد القادر الجیلی ومعین الدین حسن السنجری وعلینا معهم أحلی الصلوات واملح التسلیمات والذ التحیات وأعزالمجدات وازكی البركات وانمی الشرفات الف الف مرة فی كل لمحة ولحظة الی یوم الدین۔

عبیدالمصطفیٰ محمد اشرف رضا صدیقی قادری

مفتی وقاضی ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر، ممبئی۔۸

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ

سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہو

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

عرصہ دراز کے تعطل اور جمود کے بعد پندرہ بیس سال پہلے اہل سنت وجماعت نے تعلیمی، تصنیفی، تنظیمی اور اشاعتی میدانوں میں کروٹ لی اور نئی بیداری کا آغاز کیا، اللہ تعالیٰ کی عنایت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ عنایت سے ہر طرف بہار کا سماں پیدا ہو گیا ،اگرچہ ایک دانشور کے مطابق ابھی ایک فیصد کام ہوا ہے اور ہمہ جہت، مسلسل جدوجہد اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر تو اتنا کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے کہ پاک وہند کے علماء ومشائخ میں سے کسی پر اتنا کام نہیں ہوا، دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں ان پر ایم۔اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں دنیا کی سب سے قدیم اور سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی، جامعہ ازہر شریف میں دو فضلاء نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر مقالے لکھ کر ایم فل کی سند حاصل کی ہے۔

۱ علامہ مشتاق احمد شاہ، فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف، ان کے مقالے کا عنوان تھا: **الامام احمد رضا البریلوی واثرہ الفقہ الحنفی**

۲ علامہ ممتاز احمد سدیدی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ان کے مقالے کا

عنوان تھا: الشیخ احمد رضا خان شاعراً عربیاً

یہ عربی مقالہ ۲۰۷ر صفحات پر مشتمل ہے اور "مکتبہ قادریہ" لاہور کی طرف سے چھپ چکا ہے۔

حال ہی میں فاضل نوجوان ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بہار یونیورسٹی، مظفر پور، سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، جس پر وہ صد ہزار مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ان کے مقالہ کا موضوع تھا:

"امام احمد رضا کی مکتوب نگاری"

یہ مقالہ ۵۰۰ر سو صفحات پر مشتمل ہے اور ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی پروفیسر صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی کی نگرانی میں لکھا گیا اور ۳۰ ردسمبر ۲۰۰۲ء کو یونیورسٹی میں جمع کرا دیا گیا اور مولانا غلام جابر شمس مصباحی کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی گئی یاد رہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری بیٹھے بٹھائے پلیٹ میں سجا کر پیش نہیں کر دی جاتی بلکہ اس کے لئے تو فرہاد کی طرح پہاڑوں کو کھودنا پڑتا ہے، ہاتھ اور پاؤں لہولہان ہو جاتے ہیں، وقت اور پیسہ پانی کی طرح صرف کیا جاتا ہے، قدم قدم پر بریکر راستہ روکتے ہیں لیکن محققین پر تو جنون سوار ہو چکا ہوتا ہے، وہ کسی تحسین ونفریں کی پروا کئے بغیر آگے بڑھتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید سے کامیاب ہوتے ہیں۔ آیئے مولانا غلام جابر شمس مصباحی کی "داستان کوہ کنی" سنتے ہیں وہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اس سفر میں مجھے پیار بھی ملا ہے، پھٹکار اور دھتکار بھی۔ پھول بھی ملے ہیں اور کانٹے بھی۔ میرے جذبات کو لہولہان بھی کیا گیا ہے اور راہوں میں رکاوٹیں بھی کھڑی کی گئی ہیں۔ یہ داستان بڑی دلخراش اور دل شکن ہے۔ دوسروں کے یہاں چھوٹوں کی پزیرائی ہوتی ہے۔ قدردانی کی جاتی ہے۔ صلاحیت ولیاقت کا استقبال واحترام ہوتا ہے۔ جو ایک قدم چل

سکتا ہے اسے دوڑنے کا حوصلہ دیا جاتا ہے۔ یہاں دوڑنے والوں کی ٹانگیں کاٹی جاتی ہیں۔ اُڑنے والوں کے پر نوچے جاتے ہیں۔ چونکہ جو کچھ ہو رہا ہے صرف اپنی دلچسپی سے ہو رہا ہے اس لیے صبر کے سوا چارہ نہیں ہے''۔

اس جگہ مجھے دو باتیں کہنے کی اجازت دیجئے:

۱ علماء و مشائخ سے گزارش کرنا چاہتا ہوں، جن کے پاس علمی ذخائر موجود ہیں خاص طور پر جن کے پاس قلمی نوادرات ہیں وہ محققین کی سرپرستی کریں اور ضرورت کی چیزیں فوٹوسٹیٹ بنا کر دینے سے گریز نہ کریں، اسی طرح ارباب ثروت سے گزارش ہے کہ اپنا سرمایہ علمی کاموں اور علمی کام کرنے والوں پر صرف کریں، اہل سنت و جماعت میں صلاحیت اور قابلیت کی کمی نہیں ہے اگر انہیں آپ کی سرپرستی حاصل ہو تو ان کا کام کئی گنا بڑھ سکتا ہے۔ خاص طور پر رضا اکیڈمی، ممبئی کو مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس جیسے جواں سال اور جواں ہمت فضلاء کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

۲ مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس جیسے محققین سے گزارش ہے کہ نامساعد حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ حوصلہ شکن ماحول کو بلندیٔ پرواز کے لئے معاون اور سودمند سمجھنا چاہیے۔ بقول شاعر:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

(ڈاکٹر اقبال)

آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو پھول بھی ملے ہیں اور کانٹے بھی، راہِ تحقیق وجستجو میں صرف پھول تو ملا نہیں کرتے، یہ غنیمت جانئے کہ آپ کو کانٹوں کے ساتھ ساتھ

پھول بھی ملے، صرف کانٹوں سے پالا نہیں پڑا۔

آپ نے ہندوستان کے دور دراز مقامات کا سفر کیا، پاکستان تشریف لائے فیصل آباد میں ''جامعہ قادریہ'' کے ناظم اعلیٰ مولانا عطاء المصطفےٰ زید مجدہ اور ''جامعہ حضرت محدث اعظم'' کے مولانا باغ علی زید لطفہ نے آپ کا علمی تعاون کیا۔ اسی طرح ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے صدر، مولانا سید وجاہت رسول قادری اور سرپرست پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ نے ہر ممکن طریقے سے آپ کا علمی تعاون کیا، ہندوستان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہوں نے حتی الامکان آپ کے ساتھ تعاون کیا ہوگا۔

آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ جو مواد آپ کے پاس جمع ہوا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ آپ کا پی، ایچ، ڈی کا مقالہ تیار ہوا ہے بلکہ پندرہ دوسری کتابیں بھی تیار ہوگئی ہیں اور آپ نے ان کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے

۱ کلیات مکاتیب رضا۔ تین جلدیں (صرف خطوط کا متن)

۲ خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا۔ دو جلدیں

۳ شخصیات ومکتوبات۔ دو جلدیں (حیات ومکتوبات مع تبصرہ)

۴ حیاتِ رضا کی نئی جہتیں (بالکل نئے پہلو، نئے حقائق)

۵ مسئلہ اذان ثانی جمعہ: ایک تحقیقی مطالعہ

۶ ندوۃ العلماء: ایک تجزیاتی مطالعہ

۷ تین تاریخی بحثیں

۸ تقریظاتِ امام احمد رضا (مطبوع وغیر مطبوع مواد مع تبصرہ بر کتب مقرّظہ علیہا)

۹ اسفار امام احمد رضا

۱۰ مواعظِ امام احمد رضا (امام احمد رضا کے تقریری پروگرام کی تفصیلات مع موضوعات وتبصرہ)

۱۱ حکایات امام احمد رضا (امام احمد رضا کی زبان اور قلم سے بیان کردہ حکایتیں)

۱۲ تاج العلماء: حیات وخطوط (حضرت سید شاہ محمد میاں مارہروی کے حوالے سے)

۱۳ تاج الفحول: (حضرت مولانا شاہ عبد القادر بدایونی کے حوالے سے)

۱۴ قاضی عبد الوحید: (قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی کے حوالے سے)

۱۵ چشم و چراغ خاندان برکات: (امام احمد رضا کے حوالے سے)

آپ کو تو ہزار ہزار سجدۂ شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے، مگر آپ کو اتنا مواد فراہم کیا گیا کہ آپ کی پندرہ کتابیں تیار ہو گئیں اور ابھی مزید کئی کتابیں تیار ہوں گی، دراصل یہ "فیض رضا" ہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہ عنایت سے جب فیضِ رضا جوش پہ آتا ہے تو سب جل تھل کر دیتا ہے اور انسان کو اپنی تنگ دامنی کا احساس ہونے لگتا ہے، آپ کسی دوسرے موضوع پر تحقیق کر کے دیکھ لیں آپ کو اتنا بھرپور مواد مشکل ہی سے کسی موضوع پر ملے گا۔ سرِ دست ایک کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے: "خطوطِ مشاہیر بنام امام احمد رضا"، ان مکتوبات میں کیا ہے؟ یہ آپ کو ان کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح طور پر معلوم ہو سکے گا، لیکن یہ بات طے شدہ سمجھیں کہ علم و فضل کے کوہِ ہمالہ اور دینِ متین کے مجدد کے نام مکتوبات لکھنے والے زیادہ تر اکابر علماء ہی ہوں گے اور وہ دینی، علمی اور روحانی مسائل پر ہی گفتگو کریں گے ادبی اور شعر و سخن کے موضوعات پر بات چیت بھی ہو سکتی ہے، اتنا طے ہے کہ ہمیں مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ کئی سالوں کی جاں کاہ کوششوں اور ہزاروں میلوں کے

اسفار کے بعد یہ قیمتی ذخیرہ جمع کر کے لائے ہیں اور اربابِ ثروت اور شیدایان مسلک رضا کو چاہئے کہ وہ ان کی دیگر تصانیف کی اشاعت کا بھی اہتمام فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے والدین اور اہل وعیال کو بھی دین کی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے جن کی قربانیوں کی بدولت ڈاکٹر شمس ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے

۲۲ ؍ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

۱۸ ؍ نومبر ۲۰۰۳ء

(نوٹ: مجھے افسوس ہے کہ حضرت محسن اہل سنت علامہ شرف قادری نوراللہ مرقدہ اپنی لکھی ہوئی یہ تحریر چھپی ہوئی نہ دیکھ سکے۔ حضرت والا کو میرے علمی کاموں سے حد درجہ انس تھا اور اس خاکسار کو اپنے ولد نسبی کی طرح اپنی شفقت بزرگانہ، عنایت خسروانہ اور علمی رہنمائیوں سے نوازا کرتے تھے۔ ارادہ رکھتا ہوں حضرت کے ان دیرینہ تعلقات کو میں ایک مقالے کی شکل میں قلمبند کروں۔ خدا مجھے توفیق دے اور ان کی مرقد انور کو اپنی مغفرت تامہ سے ٹھانپے رکھے۔ آمین۔ شمس مصباحی)

پروفیسر سید طلحہ رضوی برقؔ، دانا پور، پٹنہ

مشہور ادیب غلام رسول مہرؔ لکھتے ہیں

"شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح، قطعی اور قابلِ اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار وخیالات اوران عواطف وامیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہئے جو شخصیت کے قلب ودماغ میں زندگی بھر موجزن رہے......تحریر ونگارش کے ذخیروں میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے جس کے متعلق وضیعت وتکلف کے اختلاط وآمیزش کی کم سے کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے، یعنی بزرگانِ علم وفضل اور اکابرِ حکمت ودانش کے خطوط ومکاتیب۔ ذخیرۂ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔"

(نقوش، لاہور مکاتیب نمبر نومبر ۱۹۵۷)

مکتوب نگاری ایک ہنر ایک فن ہے۔ ادب کی تمام تر صنفوں اور قسموں سے الگ متنوع، بے تکلف، بے ضابطہ مگر یہ بے ضابطگی بھی ایک قاعدے کے اندر اور برجستہ مکتوب نگاری ضرورۃً اور مقصدی بھی ہوتی ہے نیز تفننِ طبع کیلئے بھی۔ شعراء نے خط نویسی سے متعلق کیسے کیسے خیالات نظم کئے ہیں:

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

قاصد رسید ونامہ رسید و خیر رسید
در حیرتم کہ جاں بکدامی کنم نثار

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

غیر پھرتا ہے ترے خط کو لئے یوں کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلے

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
ستم زدہ ہوں تیرے ذوقِ خامہ فرسا کا

یہاں پر ان اشعار کا لکھنا بظاہر بے محل اور بے ربط نظر آتا ہے مگر غور کریں تو مکتوبات کی شقوں، قسموں اور ان کے وجود میں آنے کے محرکات کا پتہ چلتا ہے۔ مکتوب کی مختلف

قسمیں ہوسکتی ہیں، اور ہوتی ہیں، مثلاً نجی، دفتری، تجارتی، سیاسی، مذہبی، علمی واستفساری۔ ان سب میں مکتوب نگار کے احساسات، جذبات اور خیالات کی عکاسی وترجمانی ہوتی ہے۔ موثر، باوقار اور فصیح وبلیغ عبارتیں انہیں مکاتیب میں نظر آئینگی جن کا لکھنے والا تعلیم آشنا، ترتیب یافتہ، مہذب اور شائستہ ہو۔

نجی خطوط ذاتی وپرائیوٹ ہوتے ہیں، ان کا افشاواشاعت غلط ہے۔ دوسرے خطوط مقصدی بھی ہوتے ہیں، کارآمد بھی۔ وہ اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے علم وادب کا قیمتی حصہ بن جاتے ہیں۔ ایسے مکاتیب کی جمع وتدوین جن سے تاریخی وسوانحی، علمی وادبی، مذہبی وفقہی معلومات میں اضافہ ہو، جن کے لکھنے والوں کی علمی شخصیت مسلم، تاریخی اور دلچسپ ہو، یقیناً ایک قابلِ ستائش کام ہے۔ مثلاً غالب کے خطوط، مکاتیبِ سرسید، مکتوباتِ نیاز فتحپوری، خطوطِ سید سلیمان ندوی، مکاتیب عبدالماجد دریا آبادی، ادبی خطوط میں، نقوشِ زنداں، سجاد ظہیر کے، زیرِلب، صفیہ اختر کے، گویا دبستان کھل گیا، محمد علی ردولوی کے اور بہت مشہور کتاب ''خبارخاطر'' ابوالکلام آزاد کی حالانکہ اس کی انفرادیت یہ ہے کہ خود مکتوب نگار ہی گویا مکتوب الیہ ہے۔

ان تمام لوگوں کے مکاتیب اپنی اپنی خصوصیات کے حامل ہیں۔ نیاز کے خطوط ان کے افسانوی ورومانوی طرزِ نگارش کا پتہ دیتے ہیں، سلیمان ندوی کے مکاتیب ان کی نکتہ آفرینیوں اور عبدالماجد دریا آبادی کے خطوط ان کی ادیبانہ شان کے حامل ہیں

اسی طرح شبلی نعمانی، مہدی انادی اور خواجہ حسن نظامی اپنی اپنی انشاء اور تحریر کے لئے مشہور ہیں۔ ان کی انشاء ان کی شناخت ہے۔

مکتوبات عاشقانہ بھی ہوتے ہیں، فلسفیانہ بھی، عالمانہ بھی ادیبانہ بھی، دوستانہ بھی

کی سند عطا کی۔

فاضلِ جلیل ڈاکٹر غلام جابر شمسؔ نے اپنے مقالۂ تحقیقی میں امام احمد رضا کے مکتوباتِ گرامی پر کام کیا اور دادِ تحقیق دی مگر انھوں نے ایک دوسرا بڑا کارنامہ یہ انجام دیا ہے کہ وہ مکتوباتِ بے شمار جو حضرت فاضل بریلوی کے نام ہیں اور مکتوب نگار معاشرے کے وہ افراد ہیں جن کا تعلق عوام سے لے کر علماء، فضلاء اور دانشورانِ عہد بلکہ سیاست مداران قوم وملت سے ہے بڑی محنت سے جمع کردیے ہیں فاضل بریلوی کے لئے ان مختلف مکتوب نگاروں کا اندازِ عقیدت، نقطۂ نظر حتیٰ کہ زاویۂ اختلافات بھی دیدنی ہے۔ ان خطوط کا جمع کرنا، ترتیب دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ آفریں ہے ڈاکٹر غلام بر شمس کی ہمتِ مردانہ پر کہ انھوں نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ تمام مکاتیب حاصل کئے اور مدون کر کے اہلِ علم کے سامنے یہ تحفۂ گرانمایہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔ ان خطوط کی روشنی میں مکتوب الیہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر جو روشنی پڑتی ہے وہ اہم ہے۔ ان ایک ہزار سے کہیں زائد برجستہ و بے تکلف' مہذب وشائستہ خطوط میں مذہبی' سماجی' سیاسی اور عائلی مسائل پر استفسار واستفتاء ہے۔ ان میں کے بہت سارے خطوط مکتوب الیہ کے جوابات کافی ووافی کے ساتھ کتاب ''فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ طبع لاہور میں شامل ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ۶۵ سالہ زندگی کو دیکھئے اور ان کے علمی وادبی اور مذہبی جگر گداز کارناموں پر نگاہ ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح آپ نے اتنی مشغول ومصروف زندگی گزاری ہوگی اپنی حیات میں ہی شہرت ومقبولیت کے بامِ عروج پر پہنچ چکے تھے۔ اس کا اندازہ ان القابات سے ہوتا ہے جو اکثر مکتوب

نگاروں نے ان کے لئے استعمال کئے ہیں مثلاً مولانا عبدالسلام قادری جبل پوری اپنے مکتوب مورخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ میں لکھتے ہیں:

'بحضور پرنور اکرم سرکار اعظم' آقائے نعم' سطان العلماء المتصدرین' برہان الفضلا المتبحرین، محی الدین والملۃ الحاضرہ، مجدد مائۃ الحاظرہ اعلیٰ حضرت' امام مجتہد اہل سنت، بحر العلوم، کاشف السر المکتوم' قطب الایمان' غوث الزمان' قبلۂ جانم، کعبۂ ایمانم' مفیض الکلمات الربانیہ علی العالم' سیدنا وسندنا ومرشدنا' ملاؤنا وملجانا وسیلتنا برکتنا فی الدنیا والدین' آیۃ من آیات اللہ رب العالمین' مولانا العلامۃ الکبیر والبدر المنیر روحی فداہ دامت برکاتہم العالیہ''

ان کے ۲۴ ذیقعدہ کے خط میں جو القابات ہیں ان میں مذکورہ بالا سے درج ذیل زاید ہیں'' خاتمہ الائمۃ المحققین المدققین' قطب ربانی' غوث صمدانی حجۃ اللہ البالغہ علی العالمین، مولینا الشیخ الاستاذ۔'' اسے غلو عقیدت بھی کہہ سکتے ہیں جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہوتا ہے مگر مسلم الثبوت علماء ومشائخ' اساتذہ ودانشوران کے خطوط مثلاً

مولینا عبدالباری فرنگی محلی' سید شاہ علی احسن میاں صاحب مارہرہ مطہرہ، مولانا سید محمد علی مونگیری وغیرہ نے موصوف کو جن القابات سے مخاطب کیا ہے ان کی حیثیت ہی کچھ اور ہے قضیہ تاسیس ندوۃ العلماء لکھنؤ پر مولینا عبدالباری مولینا شبلی نعمانی' شاہ سلیمان پھلواروی وغیرہ کے خطوط خاصے اہم ہیں جنہیں پڑھ کے ذہن میں کئی سنجیدہ وسنگین سوالات سر ابھارتے ہیں۔ ظاہر ہے ان خطوط کے جوابات فاضل بریلوی نے اپنی عالمانہ حیثیت سے کافی ووافی دیئے ہوں گے۔ انھیں پڑھ کر ایک تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ کاش مکتوب الیہ کے جوابات بھی شامل ہوتے۔ [1]

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی

شاہی امام مسجد فتح پوری۔ دہلی

''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' فاضل بریلوی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں لکھے جانے والے خطوط کا ایسا مفید و معلوماتی مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے قاری کے دِل میں ان کی عظمتیں راسخ ہوتی چلی جاتی ہیں۔ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی کی نگرانی میں ''امام احمد رضا کی مکتوب نگاری'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں کو سراہتے ہوئے بہار یونیورسٹی نے انہیں پی۔ایچ۔ڈی کی باوقار ڈگری سے سرفراز فرمایا۔اس تحقیق کے دوران انہیں بہت سے تلخ تجربات بھی ہوئے، جن کا تذکرہ محسنِ اہل سنت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریر ''تعارف'' میں فرمایا ہے۔(ص ۴۳) فاضل محقق نے پاکستان کا سفر بھی کیا جہاں انہیں جامعہ قادریہ کے ناظم اعلیٰ مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب زید مجدہٗ، جامعہ حضرت محدث اعظم کے محترم مولانا باغ علی صاحب زید مجدہٗ، مولانا سید وجاہت رسول قادری صاحب زید مجدہٗ صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) اور ادارۂ تحقیقات کے سرپرست و ماہرِ رضویات علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مدظلہٗ سے ہر ممکن تعاون ملا۔ان کے علاوہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذۂ کرام اور ہندوستان کے علماء و مشائخ نے انہیں مفید مشوروں اور دعاؤں سے نوازا۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ریسرچ اسکالر اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مواد جمع کرتا ہے اور اسی علمی مواد کو مرتب کر کے وہ دو تین کتابیں تیار کر لیتا ہے۔ لیکن یہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی عبقری شخصیت کا فیضان ہے کہ فاضل محقق نے اسی مواد سے پندرہ کتابیں تیار کر لیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کلیات مکاتیب رضا (تین جلدیں) (۲) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا (دو جلدیں) (۳) شخصیات و مکتوبات (دو جلدیں) (۴) حیاتِ رضا کی نئی جہتیں (۵) مسئلہ اذان ثانی جمعہ (۶) ندوۃ العلماء۔ ایک تجزیاتی مطالعہ (۷) تین تاریخی بحثیں (۸) تقریظات امام احمد رضا (۹) مواعظ امام احمد رضا (۱۰) حکایات امام احمد رضا (۱۱) تاج العلماء۔ حیات و خطوط (۱۲) تاج الفحول (۱۳) قاضی عبدالوحید (۱۴) چشم و چراغ خاندان برکات (۱۵) اسفار امام احمد رضا (ص ۴۵، ۴۶)

محسنِ اہل سنت حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب پر مفصل تعارف تحریر فرمایا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید طلحہ برق رضوی (پٹنہ) نے تقریظ لکھ کر اس کتاب میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ محترم حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب مدظلہ کا جامع تأثر اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، تقدیم کے لیے محترم ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد مدظلہ (پٹنہ) نے کرم فرمائی کی ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء و دانشوروں نے فاضل محقق کی علمی کاوشوں کو خوب سراہا ہے جس سے ان کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اکتیس مآخذ سے انتخاب کر کے یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔ زیادہ تر خطوط "فتاوی رضویہ قدیم و جدید" اور "مکتوبات علماء و کلام اہل صفا" سے ماخوذ ہیں، ان خطوط کو پڑھ کر قاری اپنے آپ کو مشائخ کی نورانی بارگاہ میں محسوس کرتا ہے۔ اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ سماج کے ہر طبقہ کی نمائندگی ہو جائے چنانچہ مکتوب

نگاروں کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ جلیل القدر علما، فقہا، صوفیا، شیوخ، سائنسداں، سیاست داں، قانون داں اور دانشوروں کی فہرست میں کم خواندہ عام انسانوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ آغازِ کتاب میں علمائے عرب کے خطوط تبرکاً، تیمناً شامل کیے گئے ہیں جن سے اس مجموعہ کی نورانیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اکثر خطوط علمی نوعیت کے ہیں، بعض خطوط مفصل ہیں، تو بعض بہت مختصر مثلاً ص ۱۵۴ پر آٹھ صفحات کا ایک علمی خط ہے اور ص ۳۴ پر چار صفحات کا خط ہے۔ یہاں ایک مختصر ایک لائن کا خط ملاحظہ فرمائیں:

"مجموعہ فتاوی عبدالحی صاحب اہل سنت والجماعت کے مطابق ہے یا کچھ گڑبڑ ہے؟ اطلاع بخشی جائے۔" (ص ۲۳۲) عوامی معیار کے خط کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"بعد آداب گذارش خدمت شریف میں یہ ہے کہ میں نے آپ کا نام سنا ہے اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ مگر جب میرا کام آپ سے ہو جائے تو میں سمجھوں۔ پیر وہی ہے جو پیر ہرے، میرا پردہ آپ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ عمل بات کا جھگڑا ہے اور مولانا فضل الرحمان صاحب کے در کا خادِم ہوں، صرف بات چیت کرنا چاہتا ہوں، جن اور ملائکہ سے، پھر آپ سے بیعت بھی ہو جاؤں گا۔" (ص ۲۱۱)

مجموعی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ کتاب بہت مفید ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں کون لوگ خطوط لکھتے تھے۔ مکتوب نگاروں کا تعارف کیا ہے، کیا کیا القاب لکھے جاتے تھے، بڑوں کی خدمت میں خط لکھنے کا سلیقہ کیا ہونا چاہیے؟ کیا کیا مسائل زیرِ بحث آتے تھے، ندوۃ العلماء کی تحریک کیا تھی، اس کے بارے میں علمائے اہل سنت نے کیا اندیشے ظاہر کیے تھے اور کہاں تک وہ سچ ثابت ہوئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کتاب سے ان تمام باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک بات جو کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ایک تحقیق کے مطابق امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔ اس کتاب سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مصروفیات کے

باوجود ان کی خدمت میں جب لوگ کثرت سے خطوط لکھتے تھے تو وہ ان سب کو تسلی بخش جواب بھی دیتے تھے۔ یہ پہلو آج کے علماء کے لیے خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ دوسری بات جو قابل تعریف ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کے دل میں فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کا شوق اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ابھی تک تو یہ فتاویٰ صرف دارالافتاء کی زینت بنا ہوا ہے۔ صرف علماء و مفتیانِ کرام اس کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن اِن خطوط کو پڑھ کر عام آدمی بھی اپنے مطلوبہ روز پیش آنے والے مسائل کی واقفیت حاصل کر سکے گا۔ مثلاً ایک صاحب نے دو صفحہ کا تفصیلی خط حضرت کی خدمت میں لکھا جس میں انہوں نے ولیمہ کی دعوت یا عام دعوت کے بارے میں سوال کیا ہے کہ اگر ایسی دعوت میں گانا بجانا، لعب وغنا اور ملاہی کا اہتمام ہو یا دعوت فخر وتطاول کے جذبہ سے کی گئی ہو یا اس میں حبوبِ طعام کی بے قدری ہو تو ایسی دعوتوں میں شرکت کرنی چاہیے یا نہیں؟ (ص ۲۷۱)

یہ وہ مسائل ہیں جن سے ہر کس و ناکس دوچار ہے، جو بھی اس خط کو پڑھے گا وہ جواب ضرور پڑھنا چاہے گا۔ اس طرح فتاویٰ رضویہ تک اس کی رسائی آسان ہو جائے گی نیز اس کتاب کے مطالعہ سے فتاویٰ رضویہ سے استفادہ کرنے کی نئی راہیں کھلیں گی اور جوابات پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل محقق ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا اسلوب نثر نگاری سلیس اور دلکش ہے۔ عزت مآب جناب سید محمد اشرف قادری برکاتی انکم ٹیکس کمشنر دہلی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ "میں نے مؤلف کی دیگر کتابیں پڑھنے کی بھی سعادت حاصل کی ہے اور یہ پایا کہ اگر وہ چاہیں تو ان کی نثر ایک منفرد اور جداگانہ اسلوب اختیار کر سکتی ہے۔ ہمارے یہاں ٹھوس علمی کام کرنے والے اچھے نثر نگاروں کی بہت کمی ہے۔" واقعہ بھی یہی ہے کہ زیادہ تر علمائے اہل سنت تحریر و تقریر میں عربی و فارسی کے دقیق الفاظ کا استعمال زیادہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے عام آدمی کی رسائی اصل مفہوم تک مشکل ہو جاتی ہے۔ اہل سنت والجماعت میں علامہ محمد احمد صاحب

مصباحی، علامہ یاسین اختر صاحب مصباحی اور ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا اسلوب نثر نگاری جامع، سلیس اور دلکش ہوتا ہے۔ پروفیسر صاحب کی تحقیقات اور تصانیف نے تو ماشاء اللہ جامعہ از ہر جیسی متعصب یونیورسٹی میں بھی امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کے سکے بٹھادیے ہیں۔ آج وہاں کے اساتذہ ان کی شان میں قصیدے لکھ رہے ہیں اور کتابیں شائع کررہے ہیں۔ ایسے ہی سلیس ودلکش اسلوب کی نمایاں جھلک علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی تحریر میں صاف نظر آرہی ہے۔ اگر وہ محنت کریں گے تو ضرور کامیاب ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مستقبل میں وہ اہل سنت کے مایہ ناز قلم کار ثابت ہوں گے اور ریسرچ اسکالرز ان کی تصانیف سے بہت کچھ استفادہ کر کے ملت کی جلیل القدر خدمت انجام دیں گے۔ میرے خیال میں صرف مشاہیر کے منتخب خطوط کے ساتھ اگر ان کے جوابات بھی شامل کردیے جاتے تو اس کتاب کی افادیت زیادہ ہوسکتی تھی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ ایسا کوئی مجموعہ بھی منظر عام پر آئے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ شمس مصباحی سلمہ اللہ تعالیٰ کی عمر میں اور صحت میں برکتیں عطا فرمائے اور اس پیش کش پر انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ☆

محدث بریلوی قدس سرہ نے بھی اپنے مکتوبات کے ذریعہ ایک دینی و علمی انقلاب برپا کر کے مکتوب نگاری کی تاریخ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے، امام احمد رضا کے خطوط علمی و تحقیقی بھی ہیں اور تاریخی و ادبی بھی، یوں ہی آپ کے مکتوبات میں فکری تنقیدیں بھی ہیں اور پند و نصائح کے انمول موتی بھی۔ امام احمد رضا کے خطوط ان کی تصانیف و فتاویٰ اور معاصر رسائل و اخبارات میں منتشر ہیں، کچھ وہ بھی ہیں، جو ابھی تک منظر عام پر ہی نہیں لائے جا سکے۔ ضرورت تھی کہ آپ کے مکتوباتی سرمایے کو محفوظ و یکجا کیا جائے اور ان پر حواشی لگائے جائیں اور جدید طرزِ تحقیق کی بنیادوں پر انہیں مرتب کیا جائے، یہ کام جتنا اہم تھا، اتنی ہی اس سے غفلت برتی گئی۔ خدا خیر کرے اور اچھا رکھے فاضل نوجوان مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس کو جنھوں نے اس طرف توجہ دی اور ”امام احمد رضا کی مکتوب نگاری“ پر باضابطہ تحقیق ہی کر ڈالی، جس پر انہیں ”ڈاکٹریٹ“ کی ڈگری بھی تفویض ہوئی۔ اور اس مقالے کا ایک حصہ جو متنِ خطوطِ رضا پر مشتمل ہے ”کلیاتِ مکاتیبِ رضا“ کے نام سے دو جلدوں میں شائع بھی کر دیا۔ جب کہ تیسری جلد منتظر طبع ہے اور اصل مقالہ ”امام احمد رضا کی مکتوب نگاری“ بھی۔

اس سلسلے میں مولانا غلام جابر شمس مصباحی صاحب کو کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑی کچھ وہی جانتے ہیں، بہر حال انہوں نے بڑی محنتوں اور مشقتوں سے مکاتیب کو یکجا کیا اور پھر حسن ترتیب سے انہیں شائع بھی کیا، رضویات کے تعلق سے بلاشبہ یہ شمس صاحب کا ایک جاں کاہ اور قابل قدر کارنامہ ہے۔

”مکاتیب رضا“ کے بعد فاضل محقق نے ”حیاتِ رضا کی نئی جہتیں“ نامی کتاب ترتیب دے ڈالی، جس میں حیاتِ رضا سے متعلق بہت سی نئی باتیں جمع کر دی ہیں۔ یہ بھی موصوف کی ایک قابلِ تحسین کاوش ہے، اس کا اکثر مواد حیات اعلیٰ حضر[illegible] سوانح اعلیٰ

حضرت سے ہٹ کر ہے۔

اس کے بعد تیسرا اہم کام شمسؔ صاحب نے یہ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نام مشاہیر کے جو خطوط آئے تھے، انہیں جمع کر دیا ہے۔ یہ بھی بڑا اہم کارنامہ ہے، اس سے اعلیٰ حضرت کے معاصر نامہ نگاروں کے حالات وتاثرات اور تاریخی واقعات منضبط ہو گئے، ساتھ ہی یہ خطوط مشاہیر بھی محفوظ ہو کر تاریخ کا حصہ بن گئے، اس سلسلے میں موصوف کی کوشش سراہنے کے لائق ہے نو جوانی میں مولانا شمسؔ مصباحی صاحب نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، ان کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین میں ممتاز وفائق گردانے جانے کے لائق ہیں۔

اصل مسودہ تو دیکھنے میں نہیں آیا، صرف فہرست نامہ نگاروں اور پیش لفظ سے مولانا کی محنت کا اندازہ لگالیا اور یہ چند سطریں سپرد قلم کر دیں، امید کہ مولانا کی یہ کوشش بھی بارآور ہوگی اور جماعت اہل سنت کی طرف سے انہیں خوب خوب نوازا جائیگا اور اہل علم وادب بھی ضرور پزیرائی دیں گے۔

مفتی محمد ارشاد احمد ساحل سہسرامی

ریسرچ اسکالر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ برصغیر کی ممتاز ترین شخصیت ہیں۔ جنہیں قدرت نے اپنے دین متین کی خاص حمایت اور ہمہ گیر خدمت کے لئے پیدا فرمایا۔ آپ کی علمی عبقریت، طہارت باطن، جذبۂ حمایت حق، عشق رسالت مآب، وابستگی اسلام اور خشیت الٰہی سے ہر وہ شخص واقف ہے۔ جسے امام موصوف کے اوراق حیات کے مطالعے کا شرف حاصل ہے۔

مشائخ اسلام کا خاص وصف یہ ہوتا ہے کہ ان کی محفلوں کے حاضر باش ان کی مبارک صحبتوں سے خاص فیض لے کر اٹھتے ہیں اور غیر ارادی طور پر ان کے دربار سے ہدایت اور فیض کے چشمے رواں رہتے ہیں۔ یہ سلسلۂ فیض لسانی بھی ہوتا ہے اور کرداری بھی۔ مراسلت بھی فیض رسانی، ہدایت، تلقین اور نظریات کی ترسیل کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ رابطے جتنے وسیع ہوتے ہیں، انسان کا دائرہ فیض اسی قدر ہمہ گیر ہوتا ہے۔ امام اہل سنت کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ پوری دنیا بالخصوص برصغیر کے جملہ سنی علما اور مشائخ سے بڑے مستحکم اور گہرے رابطے تھے، چاہے وہ حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی، قادری ہوں یا چشتی، نقشبندی اور مجددی ہوں یا سہروردی اور ابوالعلائی۔ سبھی حضرات اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو دین و سنیت کا بے لوث خادم، اہل سنت کا عبقری امام، بارگاہ رسالت کا عاشق

جانباز اور دربار قادریت کا جاں نثار فدائی تسلیم کرتے تھے۔

اس عظیم اور ہمہ گیر رابطے کی سنہری دستاویز دو جہت سے منظر عام پر آچکی ہے۔ ''کلیات مکاتیب رضا'' (اول، دوم) جس میں اعلیٰ حضرت کے گراں قدر مرسلہ مکاتیب ہیں اور دوسرا ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' (۲ جلد) جس میں امام احمد رضا کے یہاں آئے ہوئے موصولہ خطوط و مکاتیب ہیں۔ان دونوں مجموعوں کی تدوین، جمع و ترتیب کا عظیم کارنامہ، اہل سنت کے جواں سال فاضل حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی زید مجدہ کی ذات گرامی سے منسلک ہے۔حضرت موصوف سے طالب علمی کے زمانے سے راقم کو شرف نیاز حاصل ہے۔آپ کی سادگی، طلب علم و اشاعت دین کے سلسلے میں جفاکشی اور اتباع سنت سے اساتذہ اور طلبہ سبھی متاثر تھے۔اور اب تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کی نئی سمتوں اور جہتوں کی پیش کش کے بعد اہل سنت کی علمی دنیا میں ایک منفرد شناخت بنا چکے ہیں۔

''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' اپنے دیدہ زیب گیٹ اپ اور ۲ ضخیم مجلدات میں سمٹی ہوئی گرانقدر تحریروں سے ہر ایک کا دل اپنی سمت کھینچتا ہے۔ ان میں شخصیاتی معاملات سے متعلق مکاتیب بھی ہیں اور اصلاحی طرز کے بھی، فقہی مسائل کی دریافت بھی ہے اور توجیہاتی مکاتیب بھی۔ تاریخی معاملات بھی ہیں اور عصری منظر نامے بھی۔ غرض یہ مجموعۂ مکاتیب معلومات کا ایک حسین گلدستہ ہے جس کی شادابی و جمالیاتی آب و تاب سے لطف اندوز ہونے کا موقع ہمیں ڈاکٹر صاحب موصوف نے عنایت کیا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں جملہ اہل سنت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی گرامی توفیقات سے سرفراز رکھے۔آمین!

ڈاکٹر امجد رضا امجد

چیئرمین القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ، بہار

زحالات سلف کن دیدۂ عبرت نظر پیدا
کند نقشِ کف پائے مسافر رہگذر پیدا

پیش نظر کتاب ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' ایک تاریخی اور دستاویزی کتاب ہے جس میں چودھویں صدی ہجری کے مذہبی حالات، نئے نئے فتنو کے ظہور کی کیفیتیں۔ ان کے سدِ باب کے لئے علماء اہلسنت کی متحدہ کوششیں بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی تمکنت' مشاہیر علماء ومشائخ کی نگاہ میں آپ کی وقعت وعظمت، نیز تحریک ندوہ کے سلسلے میں آپ کی تقریری، تحریری، انفرادی اور اجتماعی سعی پیم کی تاریخیں محفوظ ہیں

اس مجموعہ میں سیکڑوں رمکتوب نگاروں کے تقریباً چھ سو سے زائد خطوط ہیں جنہیں مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے:

۱ مکتوبات علماء وکلام اہلِ صفا

۲ مراسلت سنت وندوہ

۳ صحائفِ رضویہ وعرائضِ سلامیہ (قلمی)

۴ مفاوضات طیبہ

۵ فتویٰ رضویہ (مختلف جلدیں)

۶ حیات شاہ آل رسول احمدی مارہروی

اور اخبار ورسائل میں

۷ دبدبہ سکندری رامپور (مختلف شمارے)

۸ تحفۂ حنفیہ، پٹنہ (ماہنامہ مختلف شمارے)

۹ اہلسنت کی آواز مارہرہ مطہرہ (سالنامہ)

سے اخذ کیا ہے۔

ان مکتوب نگاروں میں سید شاہ ابوالحسین احمد نوری، سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ مارہروی، سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں مارہروی، سید شاہ احمد اشرف کچھوچھوی، مفتی احمد بخش تونسوی، مولانا اکرام الدین بخاری، شاہ حمد اللہ کمال الدین پاکستان، مولانا شاہ محمد حسین قادری مظفر پور، پروفیسر حاکم علی لاہور، مولانا حکیم خلیل اللہ خان، مولانا خلیل الرحمٰن پیلی بھیت، مولانا سید رضی الدین حیدر، مولانا شاہ محمد رکن الدین، شاہ سلامت اللہ رامپوری، مولانا سید سلیمان اشرف علی گڑھ، مولانا ظہور الحسین رامپور، تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبدالمقتدر بدایونی، مولانا سید شاہ عبدالصمد چشتی پھپھوند شریف، مولانا سید شاہ عبدالسلام جبل پوری، قاضی عبدالوحید فردوسی پٹنہ، مولانا عبدالسمیع میرٹھی، مولانا عمرالدین ہزاروی، شاہ محمد عمر قادری حیدرآباد، مولانا چودہری عبدالحمید سہارنپور، مولانا عبدالرحمٰن شافعی، مولانا غلام رسول قادری کراچی، مفتی غلام گیلانی پاکستان، مولانا سید کریم رضا بیتھوی، مولانا شاہ کرامت اللہ خاں دہلی، مولانا لطف اللہ رامپوری، شاہ محرم علی چشتی لاہور، قاضی ممتاز حسین پیلی بھیت، مفتی شاہ نذیر احمد رامپوری، مولانا سید نذیر الحسن

بدایونی‘ مولانا نعیم الدین مرادآبادی‘ مفتی وصی احمد محدث سورتی‘ مولانا حکیم محمد یوسف پٹنہ وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے خطوط سے اس مجموعہ کی وقعت بلند ہوگئی ہے۔ان میں سے اکثر کے تفصیلی حالات ’’تذکرۂ علماء اہلِ سنت‘‘ مؤلفہ مفتی محمود احمد رفاقتی اور ’’تذکرۂ علماء پاکستان‘‘ مؤلفہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری میں دیکھے جاسکتے ہیں

خطوط مشاہیر کے موضاعات:

اس مجموعہ میں جو مکاتیب شامل ہیں ان میں موضوع اور مواد کے اعتبار سے اگرچہ تنوع ہے مگر انہیں بآسانی

۱ تحریک ندوہ

۲ مسئلہ اذان ثانی

۳ متفرق علمی، فقہی اور شرعی سوالات

۴ ذاتی خطوط کے خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ذاتی خطوط کے ضمن میں مولانا شاہ عبدالسلام، جبل پوری کے خطوط آتے ہیں جن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو جبل پور مدعو کرنے کی کیفیت‘ حاضری کے ایام کی رونقیں‘ برہان ملت مولانا شاہ برہان الحق جبل پوری کی تعلیم وتربیت‘ فراغت‘ شادی‘ بچوں کی ولادت وعلالت اور انتقال کے احوال منقول ہوئے ہیں۔یہ کل تئیس ۲۳ خطوط ہیں جو ’’صحائف رضویہ‘‘ سے ماخوذ ہیں۔مولانا عبدالسلام جبل پوری بلند پایہ عالم تھے۔اعلیٰ حضرت سے سعادت تلمذ اور شرف خلافت حاصل تھا۔استاذ کی محبت رگ وپے میں بسی تھی جس کا اندازہ ان کے خطوط سے ہوتا ہے اپنے ایک خط ۱۵ر صفر ۱۳۴۰ھ میں امام احمد رضا کی علالت کی خبر سن کر اضطراب بھرے لہجے میں لکھتے ہیں:

حضور اقدس کی علالت اور غایت ضعف واضمحلال کا حال سن کر

طبیعت سخت بے چین اور از خود رفتہ ہے۔ بحول اللہ تعالیٰ و بقوتہ یہاں متعارضہ پریشانیوں سے رستگاری پاتے ہی حاضرِ آستانۂ قدس ہونے کا قصدِ مصمم ہے۔ نہایت برداشتہ خاطر اور بالکل تیار ہوں مولیٰ سبحانہ عزوجل اپنے اس مظہرِ برکاتِ فضل ورحمت، میرے آقائے نعمت کو اپنے حفظ وامان میں شفاءعاجل وکامل وصحت وعافیت تامہ دائمہ سلامت رکھے۔

(خطوط مشاہیر)

محبتِ رضا میں فنائیت کا یہ رنگ اس خط میں بھی نظر آتا ہے جس میں آپ نے امام احمد رضا کو جبل پور آنے کی دعوت دی ہے، آپ لکھتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ سفر طویل ہے اور صعوبت وکلفت سے خالی نہیں۔ مگر میرے کریم آقائے نعمت کے مبارک قدموں پر میں اپنی ہزار جان سے قربان انشاء اللہ میں اپنی آنکھوں کو، اپنی جان کو فرش راہ کردوں گا اور حتی الامکان ذرہ برابر تکلیف کا موقع نہ آنے دوں گا۔ سکنڈ کلاس پوری گاڑی ریزرو کرلی جائے گی۔ (خطوط مشاہیر)

متفرق علمی، شرعی اور فقہی سوالات:۔

علمی، شرعی اور فقہی خط کا تعلق ''فتاویٰ رضویہ'' سے ہے مرتب نے ایسے تمام فقہی سوالات کو خطوط میں شمار کیا ہے جس کی ہیئت بظاہر مکتوب کی ہے۔ ایسے خطوط کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اور ان کی شمولیت سے مجموعہ کا علمی وزن بڑھ گیا ہے۔ ان خطوط سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت مرجع خاص وعام تھی اور وہ اس عہد میں تمام شعبۂ حیات پر اثر انداز تھے۔ غیر منقسم ہندوستان کے اطراف ہی سے نہیں بلکہ دیگر دور دراز ملکوں سے بھی آپ کے یہاں علمی، فقہی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور عروضی سوالات

آتے اور حل ہوتے تھے۔ مختلف علمی، نزاعی مسئلہ میں تصفیہ کے لئے آپ کی رائے معلوم کی جاتی اور آپ کو حکم بنایا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ نے اپنے ایک خط محررہ ۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۴ھ میں لکھا ہے کہ مولانا احمد حسن کانپوری نے ایک ملاقات میں کہا:

> ''ایک اشد ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ جامع العلوم والوں نے ایک فتویٰ لکھا، مستفتی میرے پاس لایا۔ میں نے ان کے خلاف جواب لکھا۔ جامع العلوم والوں نے اس کو دیو بند بھیجا، انھوں نے اپنے ہم مذہب کے جواب کی تصدیق کی، مستفتی پھر میرے پاس آیا کہ میں کس کے قول پر عمل کروں۔ میں نے کہا کہ جو فیصلہ حکم کرے اس پر عمل کرو۔ حضرت مولانا (احمد رضا بریلوی) سے بڑھ کر حکم کون ہے؟''

مگر اس قسم کے فقہی سوالات پر مشتمل خطوط کو پڑھ کر قاری کی علمی تشنگی بڑھ جاتی ہے بلکہ بعض مقامات پر جہاں سائل نے اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے یہ تشنگی ذہنی خلش میں بدل جاتی ہے۔ مثلاً مولانا حکیم عبد الرحمٰن، ضلع رہتک، ہریانہ کے ایک خط کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''واضح رائے عالی ہو کہ ''بسط البنان'' کے رد میں آنجناب کے دو رسالہ ''ادخال السنان'' اور ''وقع السنان'' دیکھے جن کے مطالعے سے تمام شکوک رفع ہو گئے اور آپ کے اقصیٰ مراتب کی تحقیق سے دل خوش ہوا، اما ایک یہ شبہ باقی رہ گیا ہے۔ امید کہ اس معما کو عام فہم عبارت میں کارڈ ملصقہ پر حل فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ شبہ یہ ہے کہ چونکہ ''ادخال السنان'' کے تمام دلائل سے تو حضور سرور کائنات علیہ افضل التحیات کا عالمِ الغیب ہونا ''ماکان و ما یکون'' کا پیش از وفات ہی باحسن طریقہ ثابت ہو گیا، لیکن

''مشکوۃ شریف'' کے باب الشفاعت میں صحیحین کی حدیث میں یلھمنی محامد احمدہ بھا لا تحضرنی الاٰن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محامد متنٰی ہیں یعنی یہ محامد حضرت کو قیامت کے اس خاص وقت سے پیشتر نہیں عطا کئے گئے۔ کیوں کہ ترمذی شریف میں اسی باب میں لم یفتحه علیٰ احد قبلی فرمایا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح ''اشعتہ اللمعات'' میں اس طرح کی ہے ''ہم دراں وقت نورے خاص از قیامِ قرب معرفت دردل می افتد کہ علم ان محامد اثر آں باشد'' اور ترمذی کی حدیث کے اس جملہ لم یفتحه علی احد قبلی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نکشادہ الہام نکردہ برہیچ یکے پیش از من بلکہ برمن پیش ازیں وقت چناں کہ از حدیث سابق لائح می شود...... پس ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ محامد اسی وقت تعلیم ہوں گے اور یہ محامد بھی منجملہ ما یکون سے ہے۔ تو گویا ابھی تک اس کا علم حضور کو نہیں اور گویا بعض اشیاء کا علم نہ ہوا''

امام احمد رضا نے شبہارت کے اظہار پر ان کی حوصلہ افزائی کی اور لکھا مولیٰ تعالیٰ آپ کو برکات دے ایسی حق پسندی وحق جوئی نہایت قابلِ مسرت ہے'' پھر شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے لکھا: ماکان وما یکون جس کے ذرہ ذرہ کا احاطہ کلیہ قرآن عظیم واحادیث صحیحہ وارشاداتِ ائمہ سے آفتاب روشن کی طرح ثابت ہے، اس کے معنی ماکان فی اول یوم ویکون الی آخر الایام۔ یعنی روز اول آفرینش سے روز قیامت تک جو کچھ ہوا اور ہونے والا ہے ایک ایک ذرے کا علم تفصیلی حضور کو عطا ہوا۔ ذات وصفات حضرت عزت احاطہ وتناہی سے بری ہیں مومنین، اولیا، انبیاء اور

خود حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوات واکمل التسلیمات ابدالاباد تک اس کی معرفت میں ترقی فرمائیں گے ہر روز اس کے وہ محامد معلوم ہوں گے جو کل تک نہ معلوم تھے اور یہ سلسلہ ابد تک رہے گا کبھی ختم نہ ہوگا ......وہ حدیث متعلق بہ محامدہ علوم ذات وصفات میں ہے اور بے شک حق ہے (''فتاویٰ رضویہ'' مترجم ج ۱۵ رص ۲۷۶)

اس طرح کے سوالات پر مبنی خطوط کے جوابات اگر حاشیہ میں درج ہوتے تو بہت خوب ہوتا کہ اس طرح اعلیٰ حضرت کے قلم سے ''جوابی مکتوب'' کے جلوے بھی سامنے آجاتے اور ممکنہ شبہات کا ازالہ بھی ہو جاتا۔

مسئلہ اذان ثانی: مسئلہ اذان ثانی سے متعلق خطوط کی تعداد بہت تھوڑی ہے مگر ان سے ان تلخیوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو اس تعلق سے علماء بدایوں اور علماء بریلی کے درمیان پیدا ہوگئی تھیں۔ علماء بدایوں جمعہ کی اذان ثانی کو داخل مسجد مسنون سمجھتے تھے جبکہ علماء بریلی اسے امام کے محاذی مگر خارج مسجد مسنون سمجھتے تھے۔ یہ علمی مسئلہ رفتہ رفتہ متجاوز عن الحد ہو گیا اور بدایوں و بریلی کے مابین قائم اس محبت وعقیدت کا رشتہ کمزور پڑ گیا جو تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی اور اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی کے درمیان قائم تھا۔ حضرت شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی کا یہ خط اسی واقعہ جانکاہ سے متعلق ہے۔ آپ امام احمد رضا کو لکھتے ہیں:

افسوس صد افسوس! کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا ہے اور تقریباً ہزاروں آدمی اس وقت موجود ہیں جنہوں نے استاذی حضرت مولانا مولوی عبدالقادر قدس سرہ اور آپ کے مراسم اور محبت کے برتاؤ دیکھے ہیں۔ اور اب یہ حال ہوا کہ جس سے مسلمان دنیداروں کو روحی صدمہ

اور بد مذھبوں کو موقع شماتت اور خوشی کا مل گیا ہے اگرچہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا کچھ نہیں۔ مگر معاندین اور مخالفینِ مذہبِ حق کو چند دنوں یہ خوشی کا موقع مل گیا۔

مسئلہ: اذان ثانی میں علماء بدایوں کی بعض کتابیں مثلاً۔ جوان کے موقف کی تائید میں ہیں اپنی جگہ، لیکن سچ یہ ہے کہ اس موضوع پر علمائے بریلی کے موقف کی نمائندہ کتابیں کمیت وکیفیت میں اس سے کہیں زیادہ ہیں خصوصا امام احمد رضا کی۔

ان میں سے اکثر شائع ہو کر ملک اور بیرون ملک مختلف مقامات پر مرسل ہوئیں۔ اس مجموعہ میں اذان ثانی سے متعلق جو خطوط شامل ہیں وہ امام احمد رضا کے موقف کی تائید میں ہیں اوران میں کتابوں کی وصولی، ان کے مندرجات اور دلائل و براہین کی حقانیت۔ اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کی تحریک پر مبارکبادی اور اپنی حمایت واعانت کے وعدے کئے گئے ہیں۔ بعض خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ تحریک احیاء سنت کی یہ آواز ملک سے باہر تک پہنچی اور مفید ثابت ہوئی چنانچہ صاحبزادہ مولانا سید عبدالحق پشاوری نے اپنے ایک فارسی خط میں اپنے علاقہ پشاور اور افغانستان میں اس تحریک کے نمایاں ہونے والے اثرات کی تفصیل لکھتے ہوئے اس تحریک کی حمایت کرنے والے ۲۴ رعلماء کرام کے نام شمار کرائے ہیں۔ یہ مکمل خط اس مجموعہ میں محفوظ ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ اور خلاصہ پیش خدمت ہے:

میرے آقا! میں آپ پر قربان، آپ کی مرسلہ کتابیں اور سرفراز نامہ وصول پا کر بے پناہ مسرت حاصل ہوئی، میں بہ ہزار نیاز عرض گزار ہوں کہ بطفیل سرکار غوثیت مآب، ہمارے اضلاع میں جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد محاذی منبر ہونے کی سنت بوجوہ احسن قائم ہوگئی اور عوام وخواص وموافقین ومخالفین کے درمیان جب اس کا تذکرہ ہوا، سبھوں نے

اسے قبول کیا اور کہا بے شک احادیث مبارکہ وکتب فقہ کا مستفاد یہی ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے۔

وہ مشاہیر علماء جن کے علمی سمندر سے لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں، جن کے اقوال وافعال سے دلیل پکڑی جاتی ہے اور فقیر سے جن کو ظاہری وباطنی تعلق خاطر ہے اور جن کی عظمت کا شہرہ پورے افغانستان میں ہے، سبھوں نے اذان ثانی خارج من المسجد (محاذی منبر) ہی کو سنت تسلیم کیا ہے اور وہ ہر وقت اسی موقف کی تائید وتاکید کیا کرتے ہیں اور مخالفین کی سرکوبی میں ہر وقت مستعد ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ (خطوط مشاہیر......)

ان خطوط کی اشاعت سے مسئلہ اذان ثانی سے متعلق ملک وبیرون ملک کے علماء کے نظریات واضح ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی مقبولیت ملکی سرحدوں سے ماوراتھی اور علماء اہلسنت ومشائخ عظام اس دینی مسئلہ میں انکے حمایتی اور ہمنوا تھے۔

تحریک ندوہ:۔

چوتھی قسم ان خطوط کی ہے جو "ندوہ" سے متعلق ہیں اور ان کی اہمیت شخصی اور تاریخی ہر دو اعتبار سے مسلم ہے۔ ان خطوط کو پیش نظر رکھ کر "ندوۃ العلماء" کے تعلق سے ہندوستان کے مشاہیر علماء ومشائخ کے نظریات اور ان کی اصلاحی کوششوں کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے...... یہاں تفصیل تو نہیں پیش کی جاسکتی تاہم چند تاریخی اشارے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ ندوہ سے متعلق اس مجموعہ میں شامل خطوط کی معنویت واہمیت واضح ہو سکے...... "ندوۃ العلماء" کا قیام ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں مدرسہ "فیض عام" کانپور

کے جلسہ میں علماء اہلسنت کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ جن میں حضرت مولانا لطف اللہ علی گڈھی، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا شاہ سلیمان پھلواروی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ندوہ سے متعلق علماء اہلسنت کی تائید حاصل کرنے کے لئے مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا مشتاق علی کو ملک کے مشاہیر و کبار علماء ومشائخ سے رابطہ کی ذمہ داری سونپی گئی تاکہ ندوہ کے آئندہ اجلاس میں ان کی شرکت یقینی ہو سکے اور آگے کے لئے لائحہ عمل طے کیا جائے۔ لیکن غضب یہ ہوا کہ ان دونوں نے ندوہ کے اجلاس میں علماء ومشائخ اہلسنت کے علاوہ اہلحدیث کے عالم ابراھیم آروی، مولوی محمد حسین بٹالوی اور شیعی مجتہدین میں غلام حسنین کتوری کو بھی شریک کیا۔ ان مولویوں نے اہلسنت وجماعت کے معتقدات ونظریات کے خلاف تقریریں کیں کہ یہ سلسلہ ندوہ کے تمام اجلاس میں جاری رہا اور ان لوگوں کی شرکت وتقاریر کا شکریہ ادا کرتے رہے۔ بطور نمونہ متعدد روئداد سے خود یہ تقریری جملے ملاحظہ کریں۔

☆ ۱۔ اس وقت لازم ہے کہ جملہ کلمہ گو اہلِ قبلہ اپنے اپنے دعووں کو واپس لیں اور آپس کے مباحثہ کو ترک کر کے اتفاق پیدا کریں۔ مولوی عبداللہ انصاری۔

☆ ۲۔ عقائد اعمال میں ہر شخص اپنی سمجھ پر مکلّف ہے (رسالہ اتفاق، مولوی آروی)

☆ ۳۔ حضرت مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم خلیفہ بلا فصل ہیں
(روداد اول ص ۶۲) (آئینہ حق نما شیعی رسالہ)

☆ ۴۔ مقلد غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کا۔
(تقریر مولانا محمد علی مونگیری روداد دوم ص ۹)

☆ ۵۔ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کے عقائد میں بھی اس حد کا اختلاف ہے کہ ایک کے عقیدے کے مطابق دوسرے پر کفر کا الزام عائد ہوتا ہے ان کے عقائد کے رو سے ان کی

سامنے اپنی بات رکھی تو انہوں نے اپنی سادگی اور اخلاص کا حوالہ دے کر معذرت چاہی اور آئندہ خیال رکھنے کا وعدہ کیا...... امام احمد رضا نے اس اعتذار کو نا کافی سمجھتے ہوئے مطالبہ کیا کہ غیر مقلدین واہل تشعہ کے گمراہ کن بیانات کے جوابات اسی اسٹیج سے دئے جائیں تا کہ حقائق کا اظہار ہو اور اہلسنت مطمئن ہوسکیں۔ مگر مولانا مونگیری اس کے لئے راضی نہیں ہوئے نتیجہ کے طور پر علماء اہلسنت نے اس کا خاموش بائیکاٹ کیا بعد میں جب اس اجلاس کی رپوٹ شائع ہوئی تو امام احمد رضا کے خدشات کی تصدیق ہوگئی۔ اس رپورٹ میں وہ سارے قابل اعتراض بیانات موجود تھے جس کی وجہ سے علماء اہل سنت نے اجلاس کا خاموش بائیکاٹ کیا تھا۔

جیسا کہ اشارہ آچکا کہ ندوہ کے دوسرے اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۲/۱۳/۱۴/ اپریل ۱۸۹۵ء میں اصلاح کے وعدے کے باوجود ذمہ دارانِ ''ندوہ'' نے پھر غیر مقلدین، اہل تشعہ اور نیچری علماء کو شریک اجلاس کیا، انہیں رکنیت دی اور ان سے خلافِ مذہبِ اہلسنت تقریریں کرائیں اور اس کی روداد یں شائع کیں یہ وہ نازک مرحلہ تھا جس کے لئے مجد دِوقت کو باضابطہ متوجہ ہونا پڑا تا کہ بروقت اس خطرناک صورت حال پر قابو پایا جا سکے۔ چنانچہ اسی غرض سے اپنی مجددانہ ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے بریلی شریف میں مجلس علمائے اہلسنت قائم فرمائی اور اس کا صدر حافظ بخاری حضرت مولانا سید شاہ عبد الصمد صاحب پھپھوند شریف کو منتخب فرمایا اور ہندوستان کے جید علماء وکبار مشائخ کو اس مجلس سے جوڑ دیا۔ ''خطوط مشاہیر'' میں شامل مکتوبات اس سلسلہ میں حوالہ کے لئے کافی ہیں۔

مولانا محمد علی مونگیری ابتدائی چند سالوں تک ندوہ کے مختار کل رہے اس لئے علماء اہلسنت نے ندوہ کی اصلاح کے لئے ان سے ہی مراسلت کی جس کے نمونے اس مجموعہ

''خطوط مشاہیر'' میں موجود ہیں۔امام احمد رضا نے بھی اس سلسلہ میں مولانا محمد علی مونگیری سے مراسلت کی جس کا مجموعہ اسی دور ۱۸۹۵ء میں ''مراسلت سنت وندوہ'' کے نام سے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی ترتیب کے ساتھ مطبع نظامی بریلی سے شائع ہوا اور بقول ڈاکٹر غلام جابر شمس یہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کا اولین مجموعۂ مکاتیب ہے (کلیات مکاتیب رضا ج ۱، ص ۲۸)

مولانا محمد علی مونگیری کے نام امام احمد رضا نے ۴ر خطوط ارسال فرمائے۔ پہلا خط ندوہ کی بے اعتدالیوں سے متعلق ۷۰ر سوالوں پر مشتمل تھا جو'' سوالات حق نما برؤس ندوۃ العلماء" کے نام سے مولانا حسن رضا خاں بریلوی کی تقدیم کے ساتھ وکٹوریہ پریس بدایوں سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ بقیہ تین خطوط انہیں سوالات کے جوابات کی تاکید کے سلسلے میں لکھے گئے۔ ان چاروں خطوط میں امام احمد رضا نے مولانا مونگیری کو جس درد بھرے الفاظ اور نیاز مندانہ لب ولہجے میں مخاطب کیا ہے اس کو پڑھ کر قاری کی پلکیں بھیگ جاتی ہیں اور ان کے داعیانہ اوصاف پر نثار ہونے کے لئے دل مچل اٹھتا ہے آپ پہلے خط ۲۸ر شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ سوالات حق نما میں ''تنبیہ عام'' کی ذیلی سرخی کے تحت لکھتے ہیں:

> ''یہ برادرانہ خیر خواہانہ سوالات صرف اس بنا پر حاضر کئے جاتے ہیں کہ ندوہ اپنے آپ کو سنی المذہب فرماتا ہے وخدا ہمچنیں کند، جناب سید ناظم حفظہ اللہ تعالیٰ عما لا یلائم نے بعض خطوط میں بعض اہل علم کو تحریر فرمایا کہ ''بانیان ندوہ پکے حنفی ہیں اور تقریباً ۲۵/۳۰ ر برس سے مناظراتِ غیر مقلدین وغیرہ میں مشغول رہے ہیں'' یہی خیال وجہ ارسال سوال ہے کہ بھائیوں سے ہی شکوہ ہے اور انہیں کی لغزش کا صدمہ ہے بد مذہب سے کیا گلہ'' (کلیات مکاتیب رضا، دوم)

دوسرے خط ۲۹؍شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ میں سوالات حق نما کے جواب کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پھر لکھتے ہیں:

''یہ بعض خدام اجلہ علماء اہلسنت کے سوالات محض بنظر ایضاحِ حق حاضر ہوئے ہیں۔ اخوتِ اسلامی کا واسطہ دے کر نہایت الحاح گذارش کہ للہ خالص انصاف کی نگاہ سے غور فرمایا جائے۔ واقعی عرض ہے کہ ان میں کوئی غرضِ نفسانیت ملحوظ نہیں، صرف تحقیق حق منظور ہے۔ ولہٰذا باوصف خواہشِ احباب، ہنوز ان کی اشاعت نہ کی کہ اگر (ندوی) حضرات بتوفیق الٰہی جل وعلا خود ہی اصلاحِ مقاصد ودفع مفاسد فرمالیں تو خواہی نخواہی افشائے زلات کی کیا حاجت؟ (کلیات مکاتیب رضا، دوم)

اس مکتوب میں ''افشائے زلات'' کا ٹکڑا قابل توجہ ہے کہ اعلیٰحضرت اس وقت تک ان تمام باتوں کو یک گونہ لغزش ہی سمجھ رہے تھے اور ان کا خلوص یہ تھا کہ لغزش ڈھکی چھپی ہی رہ جائے اور اصلاح ہو جائے تو بہتر ہے۔

اسی خط میں آگے حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا اس وقت ہم فقراء کا آپ کی جناب میں یہی خیال ہے کہ بوجہ سلامتِ نفس بعض چالاک صاحبوں کی ظاہری باتوں سے دھوکہ ہوا ہے ورنہ عیاذاباللہ! آپ کو ہرگز مخالفت واضرار مذہب اہلسنت پر اصرار مقصود نہیں بعد تنبیہ انشاء اللہ بعض اکابر علما مثلاً (مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا محمد حسین الہ آبادی) کی طرح فوراً بطیب خاطر موافقتِ حق فرمائیں گے۔ مبارک وہ دن کہ ہمارے معزز عالم، آلِ پاک سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جدا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف مراجعت اور تلبیس متبدعین

وتدلیس منتظمین سے بالکلیہ مجانبت فرمائیں گے"۔

اس خط کے بعد مولانا محمد علی مونگیری نے ان ستر سوالات کا جواب نہ دے کر بیانِ صفائی پر مشتمل ایک خط روانہ کیا جس میں بدمذہبوں کی شرکت کو مصلحت سے تعبیر کیا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط محررہ ۳۰ رشعبان المعظم ۱۳۱۲ھ میں امام احمد رضا کو لکھتے ہیں:

"مولانا! جن متکلم فیہ لوگوں کو میں نے اس جلسہ میں شریک کرلیا ہے ان کو بمصالح میں نے شریک کیا ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ میں سُنی ہوں اور خدا کے فضل سے نیچریت سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان کے عقائد درکناران کی وضع سے نفرت ہے" (خطوطِ مشاہیر......)

اپنے دوسرے خط میں مولانا مونگیری نے ان مصلحتوں کی تفصیل پیش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"الحاصل مجھے تو بہت سی وجوہ سے یقین ہوگیا کہ تائید حق کی یہ صورت نہایت عمدہ ہے اور اتفاق صوری سے ادھر تو دشمنانِ دین کی نظروں میں ہیبت وعظمت ہوگی جس کی اس وقت نہایت ضرورت ہے اور فضیحت کن نزاعوں سے ھم نجات پائیں گے۔" (ایضا)

مگر اس مصلحت پسندی کو علماء اہلسنت نے دین کے لئے مضر اور نقصان دہ تصور کیا چنانچہ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ والرضوان اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھے مصلحت ان کی پسند نہیں آئی۔ کیونکہ آئندہ اس میں بڑا مفسد ہ نظر آیا کہ عوام کو حجت ہوجائے گی کہ سب مذاہب حقہ ہیں جو چاہو سو اختیار کرو...... اس فتنہ کا کچھ اندیشہ نہ کیا کہ اثر بادشاہ کا رعیت پر ضرور پڑتا ہے عقلیں سب کی ماری گئی ہیں" (ایضاً)

امام احمد رضا اپنے تیسرے خط محررہ ۵/رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ میں، مولانا

مونگیری کی مصلحت اندیشی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

''مولانا! آپ ان حضرات کی تشریک میں مصلحت بتاتے ہیں۔ ہاں آپ کا قصد مصلحت ہی ہو مگر ذرا نظر تو فرمایئے کہ ابھی کئے دن کئے رات؟ ابتدا ہی سے اس خلط مفاسد سے کیسی آفتیں پیدا نہ ہوئیں۔ روداد وغیرہ کی کاپیاں مذہبِ اہلسنت کے حق میں زہر سے بجھی چھریوں سے بھر گئیں۔ ادنی برکتِ شرکت کا یہ نمونہ ہے کہ وہ رافضیوں کا مجتہد (مولوی غلام حسنین کنتوری) آج تک اشتہار میں چھاپ رہا ہے کہ اس نے مجمع اہلسنت میں جناب امیر کے سر پر دستار خلافت بلا فصل کا باندھنا ثابت کر دیا اور سنیوں کا کوئی عالم جواب دہ نہ ہوا'' (کلیات مکاتیب رضا ج ا ص ۱۳۰، ۲۰۰۵ء)

اسی خط میں آگے علماء اہلسنت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فقیر کا اعتراض زنہار زنہار تعصب ونفسانیت پر مبنی نہیں، صرف دین حق کی حمایت اور اہلسنت کی خیر خواہی مقصود ہے۔ بفرض باطل یہ فقیر نالائق ننگ خلائق نفسانیات بھی کرتا ہے تو حضرت افضل العلماء، تاج الفحول محبّ رسول محمد عبد القادر بدایونی کو معاذ اللہ نفسانیت پر کیا حاصل تھا؟ فرض کریں کہ آپ ان کی صفات کلیہ سے آگاہ نہیں، تو کیا استاذ المدرسین بقیۃ الماہرین حضرت مولانا مولوی لطف اللہ صاحب کو بھی ندوہ سے تعصب ونفسانیت ہے؟ خدارا کسی ضدی عامی کو نہ سنئے اپنے سچے خیر خواہ کی بات پر کان رکھئے ...... چلئے یہ بھی مانا کہ سب کسی کے خیال میں نفسانیت پر ہو، مگر جو بات کہی گئی اسے غور فرما لیجئے اگر اس کے تسلیم میں دینی نفع اور انکار واصرار میں مذہب حق کی سخت بدخواہی ہو تو نفسانیت والے آپ کے بھلے کی ہی کہتے ہیں اس پر کیوں کم نگاہی ہو'' (کلیاتِ

مکاتیبِ رضا جلد اول ص ۱۳۲۔)

مگر اس کے باوجود مولانا مونگیری نے ان ستر سوالات کے جوابات نہیں دئے تو امام احمد رضا نے تیسرا اور آخری خط لکھا:

''مولانا! یہ طلب جواب میں تیسرا عریضہ ہے اور بلا اعذار تین پر انتہا ہے۔ اگر اس پر جواب عطا ہوز ہے نصیب، ورنہ صرف اسی قدر اطلاعاً تحریر فرمادیں کہ جواب دیں گے یا جواب فضول، یا اور عبارات اسی معنی کے تادیہ میں آپ کو مقبول، اس سے زائد جواب سے خارج'' (کلیاتِ مکاتیبِ رضا جلد اول ص ۱۴۱)

اتنی مودبانہ، عاجزانہ اور نیاز مندانہ گزارشوں کے باوجود مولانا محمد علی مونگیری نے نہ ان سوالات کے جوابات دئے اور نہ ہی ندوہ کی اصلاح کی۔ نتیجہ کے طور پر مولانا محمد علی مونگیری سے علماء اہلسنت ومشائخ عظام کا اعتماد اٹھ گیا۔ حافظ بخاری حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد پھپھوند شریف کا یہ خط اسی تناظر میں ہے، آپ امام احمد رضا کو لکھتے ہیں:

> ''مجھ کو خدا کی قسم اس وقت تک یہی امید تھی کہ ناظم صاحب سے چونکہ دیدہ ودانستہ ایسا فعل نہیں ہوا بلکہ غلط فہمی سے۔ تو وہ ضرور روداد مایۂ فساد کو بدلیں گے اور مقاصد کی بھی تشریح کچھ تغیر کے ساتھ کریں گے مگر حضرت (امام احمد رضا) کے سوالات کا جواب جس خشونت کے ساتھ انہوں نے دیا ہے اس سے میری امید منقطع ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ قصداً انہوں نے جال بچھایا ہے اور صرف وہابیہ نیچریہ کے ملانے کے واسطے یہ سارا فساد مچایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہم کو ہی غلبہ ہوگا'' خطوط مشاہیر......۔

''مولانا وصی احمد محدث سورتی اپنے ایک خط محررہ ۴؍صفر المظفر ۱۳۱۴ھ میں مولانا محمد علی مونگیری کی ایک غیر اخلاقی روش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ندوہ نے ایک کیفیت طبع کرائی ہے اور اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ کو جس میں بڑی بے تہذیبی کے شنیع کلمات لکھے ہیں، محمد احسن بہاری کی طرف منسوب کیا ہے حقیقت میں اس حصہ اول کے محرر میری رائے میں ناظم صاحب ہی معلوم ہوتے ہیں‘‘ (خطوطِ مشائخ بنام امام احمد رضا)

اصلاح ندوہ سے متعلق مونگیری صاحب کا ذہن صاف نہیں تھا ورنہ یہ معاملہ اتنا طول نہیں پکڑتا اور ندوۃ العلماء سے سنی علما اور عوام کو جو توقعات تھیں وہ ضرور پوری ہوتیں۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے اس خلا کو پاٹنے اور ندوہ کو اہلسنت وجماعت کے ضابطہ کا پابند بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی، علماء اہلسنت ومشائخ نے اصلاح کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا مگر مونگیری صاحب کی ضد نے صلح کلیت کی جڑیں مضبوط کر دیں اور عوام کو خانوں میں بانٹ دیا۔

بریلی شریف میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی اور مولانا محمد علی مونگیری کی ملاقات کے لئے چند مخلص احباب نے کوشش بھی کی مگر مونگیری نے عملاً اسکا موقع ہی نہیں آنے دیا حالانکہ انہوں نے اپنے پہلے خط محررہ ۳۰ رشعبان المعظم ۱۳۱۳ھ میں خود ہی لکھا تھا کہ ’’یہ امور تحریروں سے حاصل نہیں ہو سکتے اگر آپ اجازت دیں تو بریلی میں جلسہ کیا جائے اور جو امور قابل تصفیہ ہوں گے وہ زبانی ہم اور آپ بیٹھ کر صاف کر لیں گے‘‘ اس تحریر کے بعد وہ بریلی شریف گئے اور ضرور گئے مگر اس سفر کا حاصل کیا رہا اسے مولانا عتیق احمد کے لفظوں میں سنئے:

> ’’عرصہ تک اس بارے میں گفتگو ہوتی رہی کہ آپ (مولانا محمد علی مونگیری) مولانا احمد رضا خاں صاحب سے ملاقات فرما کر اختلاف کو رفع فرمائیے مگر طبیعت نے رجوع نہ کیا، دوسرے دن وقت حاضری سب سے

اول یہی فرمایا کہ ''اب میں مولوی سے ملنا چاہتا ہوں'' چنانچہ سواری منگا کر ناظم صاحب ممدوح کو مولوی صاحب کے مکان پر تشریف آوری کی تکلیف دی گئی مگر ناظم صاحب نے اس وقت اختلاف کے بارے میں گفتگو کو مناسب نہ جانا بلکہ اس کے لئے رات کے آٹھ بجے وعدہ تشریف آوری فرمایا لیکن تشریف نہ لائے جس کا آئندہ بھی کوئی موقع نہیں آیا؟ اور کام انجام ہوتے ہوتے رہ گیا''۔

ندوہ کے تعلق سے مشاہیر کے نظریات :۔

ندوہ کی بے اعتدالیوں پر مواخذہ کی جو تحریک امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان نے شروع کی تھی اس کے اثرات دور دور تک پھیلے اور پورے ہندوستان میں ندوہ مخالف بیداری کی لہر دوڑ گئی ۔ چنانچہ مجلس علمائے اہلسنت بریلی کے تحت کئی ذیلی تنظیمیں قائم ہوئیں مثلاً مجلسِ اہل سنت پٹنہ، مجلسِ اہلسنت امرتسر، مجلسِ اہلسنت بنارس، مجلسِ اہلسنت کلکتہ یہ ساری تنظیمیں اپنے اپنے علاقے میں ندوہ کے خلاف برسر پیکار رہیں جن کی رپورٹیں ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ کی مختلف فائلوں میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔ مجلس اہلسنت پٹنہ کی کارکردگی ان سب میں زیادہ ممتاز رہی ، جس کے محرک حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی تھے ۔ انہوں نے ندوہ کی بے اعتدالیوں کے خلاف جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی زیب سجادہ خانقاہِ معظم بہار شریف ،تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کی سرپرستی میں ماہنامہ ''تحفۂ حنفیہ'' جاری کیا ، مدرسہ حنفیہ کے نام سے پٹنہ میں عظیم الشان ادارہ قائم فرمایا اور اشاعتی کام کے لئے مطبع حنفیہ کی بنیاد رکھی جہاں سے حمایت دینِ متین اور مخالفت اعدائے دین

میں درجنوں کتابیں شائع ہوئیں۔

جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی علیہ الرحمہ والرضوان مجلس اہلسنت پٹنہ کے سرگرم صدر تھے۔ اور ندوہ سے سخت بیزار تھے۔ جس پر ان کے وہ خطوط شاہد ہیں جو قاضی عبد الوحید فردوسی کے نام لکھے گئے۔ اور وہ اشتہار بھی جسے انہوں نے ندوہ سے اپنی برأت کے اظہار کے لئے شائع فرمایا۔ اشتہار میں آپ لکھتے ہیں:

> میں اس کے بالکل خلاف ہوں، جب ندوہ کی بدولت اسلام ہی کو سلام ہے تو ہم اس سے اپنے کو علیحدہ ہی رکھنا پسند کرتے ہیں ہم اس جماعت کی دلفریب باتوں پر مائل ہوکر اپنا دین ومذہب اس ندوہ کے ہاتھ نہیں بیچ سکتے لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں اور ان کی در پردہ بدسلوکیوں پر اربابِ سنت وجماعت کو فرض ہے کہ اس سے بچیں اور اپنے آپ کو اس سے علیحدہ رکھیں'' (عروۃ الوثقیٰ)

۱۳۱۸ھ میں قاضی عبد الوحید فردوسی نے پٹنہ میں رد ندوہ کے موضوع پر سات روزہ تاریخ ساز اجلاس کا انعقاد کیا جس میں مشاہیر علماء اور اہل خانقاہ نے شرکت کی جن میں، یہ نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن مارہروی، مولانا شاہ اجمل الہ آبادی، تاج الفحول مولانا عبد القادر بدیوانی، حافظ بخاری مولانا سید شاہ عبد الصمد پھپھوند شریف، مولانا عبد المقتدر بدایوانی، مولانا عبد الغفار رامپوری، مولانا عبد الکافی الہ آبادی، مولانا محمد سعید صاحبزادہ زیب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف، مولانا بشارت کریم، گیا، مولانا عبد السلام جبلپوری، مولانا کریم رضا بیتھوی، مولانا شاہ محی الدین پھلواروی، مولانا شاہ محمد حسن صاحبزادہ شاہ اکبر دانہ پوری، مولانا شاہ وحید الدین فردوسی، مولانا سید فضل حسین فردوسی، مولانا شاہ عزیز الدین قمری متین گھاٹ پٹنہ، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری،

مولانا خلیل الرحمٰن خلیفہ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی وغیرہ۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں بہار کی معظم خانقاہوں کے مشائخ کرام نے نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کے انتظام وانصرام میں بھی حصہ لیا جیسے خواجہ سیدہ شاہ امجد حسین تکیہ شریف، سیدہ شاہ عبدالقادر خانقاہ اسلام پور، مولانا شاہ شہود الحق فخری اصدقی، مولانا شاہ نصیر الحق عظیم آباد، مولانا شاہ غلام شرف الدین عرف شاہ درگاہی فتوحہ وغیرہ

اس مجموعۂ مکاتیب میں خود قاضی عبدالوحید فردوسی کے بھی ۱۷ خطوط ہیں جس سے بہار میں ندوہ مخالف سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور امام احمد رضا کی تحریک سے قاضی صاحب کی جذباتی وابستگی کی تاریخ سامنے آجاتی ہے۔ یہ قاضی صاحب ہی کی محنت اور جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی علیہما الرحمہ کی سعی پیہم کا نتیجہ تھا کہ بہار کے تقریباً تمام خانقاہی حضرات ندوہ کے مخالف ہوگئے۔ اس سلسلہ میں تحقیق وتفصیل کے لئے قاضی صاحب کی ''مراۃ الندوہ''، ''تسوید الندوہ''، ''عروۃ الوثقی'' اور خود اس مجموعۂ مکاتیب ''خطوط مشاہیر'' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں بہار کی ایک بڑی خانقاہ، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے صاحب سجادہ مولانا سیدہ شاہ بدرالدین پھلواری کی ندوہ بیزاری کی ایک تحریر پیش کرکے آگے بڑھنا چاہتے ہیں، وہ اپنے ایک اعلامیہ میں لکھتے ہیں:

''وازیں وقت از ندوہ علماء کانپور کنارہ کردہ ام پس آئندہ تا اصلاح مفاسد، ایں گمنام را در فہرست اراکیں ندوہ ملاحظہ بخواہند فرمود، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر چہ شرکت ایں گوشہ نشیں محض برائے نام بود از ایں قدر نیز در گزشتم'' (مراۃ الندوہ ۲۷)

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ بھی ندوہ سے برگشتہ تھے اور اسے ''معاملات نفس'' پر محمول کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت احمد میاں گنج مرادآبادی ندوہ کی دعوت پر شرکت کے لئے شاہ صاحب سے اجازت لینے گئے تو آپ نے فرمایا

''ندوہ معاملاتِ نفس ہیں لہٰذا وہاں جانے کی ضرورت نہیں'': (خطوط مشاہیر، خط مولانا سید محمد رضا صاحب)

مفتی لطف اللہ رامپوری، امام احمد رضا کو ندوہ سے متعلق اپنے نظریات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چوں سال اول ندوہ بحالت ناواقفیت مکائد آں، فقیر بمکان کانپور رسید، فقط صورت وحال شبلی نائب شیخ نجد راد یدہ از شرکت آں مجتنب شدم و بجائے دیگر قیام پذیر شدم۔''

اس خط میں آگے ندوہ کے بڑھتے ہوئے طوفان پر حیرت اور امام احمد رضا کی کوششوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چہار طرف بدیدۂ حسرت وتاسف بدیدم کہ کدامی شخص حق بیں وحق پرورده و معین ومددگار نحیف میسر آید...... الحمد اللہ کہ قادر ذوالجلال آنجناب راماحی کفر وضلال پیدا فرمودہ فی قلوبھم مرض راشافی مطلق بدست سامی شفا بخشد'' (خطوط مشاہیر......)

مولانا عبدالحمید پانی پتی ندوہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس ندوہ کا صدمہ تو احقر کے دل پر بہت تھا لیکن قلتِ سامانِ عدم اطمینان سے چپ تھا، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس کے خادم بہت سے علماء کھڑا کر دئے، ندوہ کی وجہ سے بہت سے فساد پھیل گئے ہیں، اس نے بہت لوگوں کے عقائد کو خراب کر ڈالا ہے اس کے فتنوں کا سد باب ضروری ہے''۔ (خطوط مشاہیر......)

مولانا عبیداللہ الہ آبادی ندوہ سے متعلق امام احمد رضا کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا بحمدہ تعالیٰ آپ رئیس جماعت اہل السنہ ہیں اس قحط الرجال میں آپ کا قلم فیض رقم سیف سے بڑھ کر کام کر رہا ہے۔ اہل سنت پر آپ کا احسان ہے اور ایک جہاں کو فتنۂ عظیمہ سے بچانے کے لئے آپ سرگرم ہیں۔ ہر وقت آپ کا عبادت متعدیہ میں گزرتا ہے" (ایضا)

سید شاہ عبدالغفار قادری بنگلوری نے مدراس میں ندوہ مخالف مہم کا جائزہ لیتے ہوئے امام احمد رضا کو لکھا:

۸ر شعبان جمعہ مسجد مدراس میں بعد نماز جمعہ بندے نے جو فتویٰ لکھا ہے یعنی فتاویٰ علماء بنگلور، علماء مدراس کی جانب سے اعلانیہ پڑھا گیا اور پھر علمائے مدراس نے عموماً ندوہ کی تردید کی، حاضرین جو تین چار ہزار آدمی اہلسنت سے جمع تھے سب۔ نے ندوہ پر ملامت کی اور نواب مدارس پرنس آف ارکاٹ کی جانب سے کل مساجدِ اہلسنت میں ندوہ کے نائبین کا وعظ کرنے کی ممانعت ہوگئی عجیب بلا ہے کہ جہاں یہ بندے جاتے ہیں وہاں مکروفریب کرتے ہیں شیاطین الانس یہی ہیں"۔ (خطوط مشاہیر)

حضرت مولانا سید نذیر الحسن ایرانوی کے ۹ر خطوط اس مجموعہ میں شامل ہیں سب میں ندوہ کی شناعت اور اس کے بالمقابل مجلسِ علماءِ اہلسنت کی خدمات کا تذکرہ ہے وہ کلکتہ سے اپنے آخری خط میں لکھتے ہیں:

"اب کلکتہ میں میرا قیام صرف چار دن ہے۔ علماء کلکتہ کے دستخط ارسالِ خدمت ہیں۔ یہاں کے ہر کہ ومہ کو ندوہ سے پوری آگاہی ہوگئی ہے امید نہیں کہ اس طرف اس کا قدم آئے اور اگر آوے بھی تو ندامت وخرابی ہوگی۔ مجلسِ اہلسنت بریلی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ناواقفوں کو

واقف کر کے اچھی ہدایت کی ۱۵ ؍محرم ۱۳۱۵ھ کو جناب مولوی احمد علی صاحب نے ایک مجلس تائید مجلس اہلسنت بریلی قائم فرمائی ہے جس کے صدر انجمن حضرت مولانا شاہ صفی اللہ صاحب ہوئے اور منتظم مولوی الٰہی بخش صاحب مدرس اعلیٰ مبارکپور، بہت بڑے مجمع میں حضرت شاہ صاحب موصوف نے محض بغرض عوام بباعث جوش مذہبی ندوہ کی شناعات کا ردفرمایا اور مجلسِ اہلسنت کے قائم رہنے کی دعا فرمائی'' (خطوط مشاہیر)

مولانا سید شاہ محمد عمر قادری خانقاہ چشتی چمن، حیدر آباد نے ان الفاظ میں ندوہ سے اپنی عملی بیزاری ظاہر فرمائی:

''ندوۃ العلماء کے متعلق تائیدی مجلس یہاں ہوئی لیکن للہ الحمد فقیر نے اس مجلس کے مکائد سب پر ظاہر کر دئے۔ بہت کم آدمی آئے جس کی شکایت جریدہ روزگار مدراس میں چھپی'' (خطوط مشاہیر)

مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی امام احمد رضا کی طرف سے مرسلہ کتابیں ملاحظہ کے بعد لکھتے ہیں:

آپ کی طرف سے جو جس قدر تحریرات شائع ہوئیں اہل انصاف کے واسطے کافی ووافی ہیں۔ میرٹھ میں جو جلسہ ہوا اس میں احقر شریک نہیں ہوا اگر چہ مولوی محمد علی اور مولوی سلیمان کا دوسرا خط تاکیدی آیا مگر دل نے نہ چاہا کہ جاؤں۔ مولوی مناظر حسن صاحب تشریف لے گئے تھے۔ وہ بھی ناخوش آئے صدر صاحب نے ان کو بیان سے روک دیا، مولوی صاحب حلیم الطبع تھے، بردباری کو کام فرمایا ورنہ اکثر شہر ان کا معتقد تھا صورت بہتر نہ ہوئی'' (خطوط مشاہیر)

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ندوہ کے حامیوں میں تھے مگر ندوہ سے ان کی بھی مراد

کیا تھی، ان کے الفاظ ہیں:

میں بلا تقیہ وتوریہ پکار پکار کر کہوں گا کہ ندوۃ العلماء کے الف لام سے مراد یہی علماء اہلسنت ہونا چاہئے نہ روافض وخوارج ونیچیر یہ، وہابیہ خذلھم اللہ' ۱۴؍شوال ۱۳۱۳ھ

اس لئے وہ امام احمد رضا کو لکھتے ہیں:

مخدوما! میں تو آپ صاحبوں کا ھم خیال ہوں۔ کابراعن کابر۔ پھر آج ندوہ کی وجہ سے ایسا کیوں کروں۔ اگر آپ مجھ سے رنجیدہ ہیں تو میں تو آپ سے نہیں آزردہ ہوں اور جناب کی بھی یہ رنجیدگی بنظرِ اصلاح ہے نہ بنظرِ فساد۔......

مولانا! میں ننگِ خاندان ہوں مگر نسبت میری کسی بارگاہ میں ضروری ہے' کچھ تو پر تو ادھر کا پڑنا چاہیے مولانا! میں نے صدہا کتابیں وہابیہ کی تردید میں لکھی ہیں اور اکثر چھپ کر شائع ہوئیں''

پھر ندوہ کی اصلاح کی طرف توجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب میں امیدوار ہوں کہ ندوہ کی اصلاح بآشتی ہونی چاہے اور اس میں کوشش فرمائیے میں بھی ہر طرح سے حاضر ہوں اور اگر اصلاح نہ ہوئی تو میری شرکت بھی معلوم ۔میں نے جناب مولوی سید محمد علی سے عرض بھی کیا تھا کہ آئندہ سال سے مجھے رکنِ انتظامی سے خارج کردیجئے۔ میں سمجھتا ہوں وہ زمانہ آ گیا'' (خطوط مشاہیر)

اس طرح کے اقوال ونظریات اس مجموعہ میں شامل ان تمام مکتوبات میں دیکھے جاسکتے ہیں جو ندوہ سے متعلق ہیں۔ اصلاح ندوہ کی اس پرزور اور منظّم کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ حقائق پورے طور پر آئینہ ہوگئے اور سنی علماء نے ندوہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ چنانچہ حضرت مولانا وصی احمد

محدث سورتی نے اپنے خط محررہ ۱۱ر شعبان ۱۳۱۳ھ میں لکھا ہے:

''اصل حال یہ ہے کہ ناظم صاحب برائے نام ہیں قابواور ہی لوگوں کا ہے۔ اراکین موجودین میں کوئی خوش عقیدہ نہیں جو خوش عقیدہ تھے مانند مولانا شاہ محمد حسین الہٰ آبادی وغیرہ یہ لوگ ندوہ کی حرکتوں سے متنفر ہوکر اب کی سال علیحدہ ہوگئے ہیں اب باقی ماندہ اراکین میں سب سے اول درجہ کے دخیل شبلی معتزلی ہیں اور دوسرے درجہ کے مولوی خلیل الرحمٰن سہارنپوری'' (خطوط مشاہیر)

علماء اہلسنت کی علیحدگی سے ندوہ کا زور کم پڑ گیا مگر الحاد و بے دینی کی یہ وبا زیادہ دنوں تک دبی نہ رہ سکی، چونکہ بقول حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ''ندوہ معاملاتِ نفس ہیں'' اس لئے نفس کے پرستار سرابھارنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے اور بالآخر عارف باللہ جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی کا یہ فرمان سچ ثابت ہوکر رہا (ہم جانتے ہیں کہ ندوہ میں ایک ایسی قوت موثرہ ہے اور ہوگی کہ لوگوں کو گمراہ کرکے چھوڑے گی) (عروۃ الوثقیٰ، ص ۵)

ندوہ کی اصلاح اور تنقید و تجزیہ کے حوالہ سے اس تمہید میں جو کتابیں منظرِ عام پر آئیں وہ ندوہ کی حقیقت جاننے کا بنیادی ماخذ ہیں مگر افسوس ہے کہ اب وہ کتابیں صرف تذکرہ کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں پھر سے عام کیا جائے تاکہ نئی پود کے افراد جو اپنے خاندانی اسلاف کے عقائد ونظریات اور کردار عمل سے ناآشنا ہیں ان کے مطالعہ سے انہیں اپنے احتساب کا موقع ملے اور وہ پھر ماضی کی طرف لوٹ آئیں ''خطوطِ مشاہیر'' میں ایسی بہت سی کتابوں کا تذکرہ موجود ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

''سوالات حق نما برؤس ندوۃ العلماء، مرتب حضرت مولانا حسن رضا بریلوی ''عزوہ لہدمِ سماک الندوہ''، مولانا یقین الدین ''سرگذشت وماجرائے ندوہ'' مولانا

عبدالحی ، مولانا محمد حسین ''سد اللصوص''، ''نذیر الندوہ''،'' سطوہ لرد هفوات ارباب الندوہ''،'' فتویٰ علماء اہلسنت''،'' مراسلت سنت وندوۃ'' مولانا حسن رضا بریلوی ''ندوہ کا ٹھیک ٹھیک فوٹو گراف'' حکیم مومن سجاد ''فتاویٰ القدوہ لکشف دفین الندوہ''،'' فتاویٰ السنہ،'' آہ مظلوم دافع''،'' اہل نفاق''،'' قطع الحجہ''،'' شکوہ دوستاں''،'' رغم الجہلہ'' سید احمد علی قادری ''تسوید الندوہ'' قاضی عبدالوحید فردوسی ''اشتہار خمسہ''،'' اشتہار پانزدہ رکنی''۔

ان کے علاوہ مرتب خطوط مشاہیر ڈاکٹر غلام جابر کی لائبریری میں اس موضوع پر لکھی گئیں چند اور کتابوں کا سراغ ملتا ہے جیسے۔

''مزق شرارت ندوہ'' مولانا غلام شبر صاحب ''صمصامِ حسن بردابر فتن'' حسن بریلوی۔ ''اظہار مکایدِ اہل ندوہ'' مولانا ارشاد حسین ''تہدید الندوہ'' شاہ محمد حسین۔ ''جدوہ لرجوم احزاب دارالندوہ''،'' فک فتنہ از بہار پٹنہ'' حکیم مومن سجاد ۔''حشوہ تنبیہ ارباب الندوہ'' مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی ''دربارِ حق وہدایت'' قاضی عبدالوحید۔ ''عروۃ الثقی'' قاضی عبدالوحید فردوسی۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری نے حیات اعلیٰحضرت جلد دوم میں ردندوہ کے موضوع پر امام احمد رضا کے ۱۷ر رسائل شمار کرائے ہیں ان میں وہ رسائل بھی شامل ہیں جو دوسرے مولفین کے نام سے اوپر مذکور ہوئے۔ حضرت ملک العلماء چونکہ امام احمد رضا کی مجلسوں کے جلیس اوران کی اصلاحی وعلمی تحریکات میں شریک رہے ہیں اس لئے بظاہران کے بیان پر کوئی سوال قائم کئے بغیر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا کے بعض رسائل دوسروں کے نام سے شائع ہوئے۔ ذیل میں حضرت ملک العلماء کی ذکر کردہ فہرست دی جارہی ہے جس سے ایسی کتابوں کی شناخت کی جا سکتی ہے یہ کتابیں بھی محقق و مؤلف خطوطِ مشاہیر کے کتب خانہ میں موجود ہیں ان میں سے بیشتر کی فوٹو کاپیاں بنوا کر

موصوف نے ازراہ علم نوازی مجھے دی ہیں خدا ان کے ذوقِ علم پروری کو سلامت رکھے۔

''فتاوی القدوہ لکشف دفین الندوہ''، ''فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین''، ''ترجمۃ الفتوی وجہ ہدم البلویٰ''، ''خلص فوائد فتویٰ''، ''سرگزشت وماجرائے ندوہ''، ''اشتہار رحمۃ''، ''غزوہ لہدم سماک الندوہ''، ''ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ''، ''بارشِ بہاری بر صدف بہاری''، ''سیوف العتوہ علیٰ زمائم الندوہ''، ''قصیدہ آمال الابرار لام الاشرار''، ''سکین ونورہ بر کائل پریشان ندوہ''، ''صمصام القیوم علیٰ تاج الندوہ عبد القیوم''، ''الاسئلۃ الفاضلۃ علی الطوائف الباطلہ''۔

امام احمد رضا اپنے مکتوب نگاروں کے درمیان:

خطوط مشاہیر...... کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے امام احمد رضا کی ملک گیر مقبولیت اور مکتوب نگاروں کے درمیان ان کی عزت و عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ ان کے عہد میں جو بلندیٔ شہرت اور علمی مرکزیت ان کو میسر آئی وہ اور کسی کو نہیں مل سکی۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنی فقیہانہ بصیرت، عالمانہ شان اور مخلصانہ جدوجہد سے علم، مذہب، فن اور سماج سب کو متاثر کیا، اسلام مخالف تمام قوتوں کے آگے سینہ سپر رہے اور الحاد و بے دینی کے طوفانِ بلاخیز میں بھی ایمان کی شمع اور عشق رسول کے چراغ کو جلائے رکھا یہی وجہ ہے کہ ہمعصر علماء و مشائخ ان کو اعتماد کی نگاہوں سے دیکھتے اور ان پر اپنی محبت نچھاور کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حافظ بخاری حضرت مولانا عبد الصمد پھپھوند شریف کے ایک خط کا یہ حصہ ملاحظہ کریں:

> اس زمانہ میں بفضلہٖ تعالیٰ جناب والا ایک رکن اعظم مذہب اہلسنت اور علمائے اہلسنت کے ہیں۔ ہم کو تو بہت کچھ امید آپ کی ذات بابرکات سے ہے اور نفس الامر یہ ہے کہ آپ کو میری اور کسی کی عون

وعنایت کی حاجت کیا ہے۔حق سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ صرف
تن تنہا خبائث وہابیہ نیچر یہ روافض کی سرکوبی کے واسطے کافی ہیں۔حق سبحانہ
تعالیٰ آپ کوصحیح وسالم رکھے آمین (خطوط مشاہیر)

پیر خانہ (مارہرہ شریف) میں بھی آپ کی وہی قدر منزلت تھی اور علمائے عصر کی طرح مشائخ عظام بھی آپ کو محبت وعقیدت اور اعتماد کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔مارہرہ شریف کے ایک بزرگ حضرت شاہ اولادرسول مانامیاں علیہ الرحمہ کے خط کا یہ جملہ ''الحمد للہ یہاں سب مولانا احمد رضا کے ماننے والے ہیں'' (خطوط ہیر......) اس پر شاہد ہے۔اور قطب المشائخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ والرضوان کا ''چشم وچراغ خاندان برکاتیہ'' کے لقب سے آپ کو یاد کرنا، آپ کے باعظمت، محترم اور قابل اعتماد ہونے کی سند ہے چنانچہ شاہ صاحب اپنے خط محررہ ۲۲ محرم ۱۳۱۳ھ میں لکھتے ہیں:

چشم وچراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب دام عمرھم
بعد دعا فقرہ مقبولیت محررہ القاب سطر بالا واضح ہو کہ یہ خطاب
حضرت صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو دیا تھا اب سوائے آپ کے حامی کا
راس خاندان عالی شان کا خلفاء میں کوئی نہ رہا لہٰذا میں نے یہ خطاب آپ کو
بایماء غیبی پہنچادیا، بطوع ورغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا'' (خطوط مشاہیر)

امام احمد رضا کے مکتوب نگاروں میں جیسا کہ پہلے مذکورہ ھوا بڑے بڑے علماء ومشائخ ہیں۔انہوں نے اپنے مکتوب الیہ کو جس نگاہ سے دیکھا ہے وہ ان کے خط میں لکھے گئے القابات ومندرجات سے ظاہر ہے۔خطوطِ مشاہیر کا یہ رخ اگرچہ ایک مستقل عنوان کا متقاضی ہے مگر تفصیل سے بچتے ہوئے ذیل میں بعض خطوط کے القابات کی مختصر فہرست پیش کی جارہی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ مکتوب نگاروں کے درمیان امام احمد رضا کا مقام

ومرتبہ کیا تھا:

مولانا سید محمد آصف رضوی :۔ خط ۱ حامی السنہ ماحی البدعہ خط ۲ حبیب محبوب اللہ۔ خط ۳ قبلۂ کونین وکعبۂ دارین

مولانا سید شاہ ابراھیم قادری بغداد شریف :۔ العالم الفاضل، البحر المتقاطر خط ۱

حضرت سید شاہ اسمٰعیل شاہ جی میاں مارہرہ شریف :۔ فخر الافاضل، صدر الاماثل، افضل العلماء۔ خط ۱۔ مجمع الفضائل والفواضل مدقق دقائق شریعت، محقق حقائق طریقت ۔ خط ۲

تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہرہ شریف :۔ حامی سنت قاطع بدعت ماحی فتن۔ جامع کمالات، منبع برکات

مفتی احمد بخش تونسوی پاکستان :۔ سیدی، سندی، اعتضادی وعلیہ اعتمادی، البحر الحبر ، العلامتہ الفہامہ، الالمعی الاوذعی، مجدد الماۃ الحاضرہ۔ ملک العلماء، شمس الفضلا، متقدائے اہل ایماں، پیشوائے اہل ایقاں، ثقتی ورجائی۔

مولانا قاضی سید احمد میاں راجستھان: قدوۃ العلماء، زبدۃ الفقہاء۔

مولانا اسرار احمد صاحب دہلوی :۔ افضل العلماء، اکمل الکملاء، آیت من آیات اللہ، برکتہ من برکتہ اللہ، مجدد دین، نائب سید المرسلین۔

پروفیسر حاکم علی اسلامیہ کالج لاہور :۔ آقائے نامدار، موید ملت طاہرہ، مولانا وبالفضل اولانا۔ یاسیدی اعلیٰحضرت۔

مولانا عبد السلام ھمدانی امرتسر :۔ بحضور فیض گنجور، سراپاں رحمت یزداں، رئیس العلما والفضلاء۔

مولانا عتیق احمد پیلی بھیت :۔ آفتابِ آسمانِ شریعت، ماہتاب درخشاں طریقت، نور بخش قلوبِ مومنین، روشن فرمائے دنیا ودین، حاکم محکم ایمان، ماتحت حبیب الرحمٰن،

فضیلت پناہ، حقیقت آگاہ، امام العلماء۔

مولانا عبدالغفور مدراس:۔ امام العلماء والمحققن، مقدام الفضلا والمدققین۔

حافظ عبداللطیف بدایوں:۔ محمود الاقران، نعمان الزمان۔

تاج الفحول حضرت شاہ عبدالقادر بدایوں:۔ مولانا الاجل الاکمل الاکرم

مولانا سید شاہ عبدالصمد پھپھوند شریف:۔ معین الاسلام والمسلمین، قامع اساس المحدین

مولانا عبدالسلام جبل پوری:۔ عالی حضرت، معالی منقبت، اعلم العلماء المتبحرین، افضل العلماء، شیخ الاسلام والمسلمین، مجتہد زمانہ، فرید اوانہ، صاحب حجتِ قاہرہ، موید ملت زاہرہ، مجدد زمانہ حاضرہ، بحرالعلوم، کاشف السر المکتوم سیدنا وسندنا ومولانا ومرشدنا والذخرۃ لیومنا وغدنا، وسیلتنا، برکتنا فی الدنیا والدین، آیۃ من آیۃ اللہ رب العلمین، نعمۃ اللہ علی المسلمین، تاج المحققین، سراج المفتین، ذوالمقامات الفاخرہ والکمالات الزاھرۃ الباہرہ، صدر الشریعہ، اعلیحضرت، آقائے نعمت، ولعلامتہ الاجل، الاجل الاکمل، حلال عقدۂ لاینحل، متقدائے اہلسنت، قبلہ وکعبہ، سیدی وسندی وثقتی ومرشدی وکنزی وذخری لیومی وغدی مظہر سر الہداتیہ والیقین، موید الشریعۃ المحمدیہ، مجدد معالم السنتہ السنیہ، روض الانوار والاسرار، قبلتنا فی الکونین وسیلتنا فی الدارین، سرکار افخم، آقائے نعم، قبلہ حاجات ما، کعبۂ ایمان ما برہان الفضلاء والمدققین، خیر الاحقین بالمہرہ، المجتہدین السابقین، مکرم کرام العرب والعجم، العلامتہ المعتمد المستند، قطب المکان، غوث الزمان...... اعلیحضرت امام اہلسنت، قبلہ جانم، کعبہ ایمانم، مفیض الکلمات الربانیہ علی العالم حجۃ اللہ البالغہ علی العلمین۔

مولانا شاہ غلام رسول قادری صدر جمعیۃ الاحناف کراچی:۔ جناب تقدس مآب، مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن اشفاق، سراپا اخلاق نبوی، مظہر اسرار مصطفوی، سلطان العلماء

اہلسنت ، اعلیٰحضرت ، امام الشریعۃ والطریقت ، مجدد مآۃ حاضرہ۔

مولانا شاہ غلام گیلانی شمس آباد صوبہ سرحد:۔ القاب سے مثنیٰ ، بلکہ القاب جن کی چوکھٹ پہ پھیکے پڑے ہیں...... غوث الانام ، مجمع العلم والحلم والاحتشام۔

مولانا سید شاہ کریم رضا بیتھوی:۔ تابع شریعت غرا ، منقاد ملتِ بیضا ، جامع فضائل صوریہ ومعنویہ۔ قدوۃ العلماء والاعلام ، عمدۃ الفضلاء الکرام۔

قاضی عبدالوحید فردوسی پٹنہ:۔ ناصر ملت مصطفویہ ، حامی مذہب حنفیہ۔ عالم اہلسنت ، دافع وماحی رسوم شرک وبدعت ، ناصر الاسلام والمسلمین حامیِ شرع متین ، اعلیٰ حضرت جناب مولانا ومخدومنا ، قبلہ وکعبہ فخرِ علماء دوراں ، محسود زمانیاں ، ملک العلماء ، بحر العلوم ، محی السنہ ، ممیت البدعہ ، محسودِ اقراں ، فاضل لبیب ، کامل اریب ، فخر العلماء ، صدر الکبراء ، مولانا ومقتدانا ، سیدی معتمدی۔ مخدومی ومولائی۔

مولانا سید شاہ عبدالغفار قادری بنگلور:۔ جامع منقول ومعقول ، حاوی فروع واصول ، جامع شریعت وطریقت ، واقفِ حقیقت ومعرفت۔

مولانا سید محمد علی مونگیری:۔ مجمع الکمالات والفضائل ، ذوالکمات العلیہ۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی:۔ امام الدہر وہمام العصر ، عالم ربانی ، فاضل حقانی ، بحر العلوم۔ امام المتکلمین وہمام الفقہاء والمحدثین ، خیر اللحقہ بالمہرۃ السابقین ، مولانا بالفضل اولانا۔ فقیہ الدہر ، محدثِ عصر 'مقتدانا' سید العلماء وسند الفضلا مجدد دہرنا ، مجدد عصرنا ، ہادی خواص وعوام ، اعلم العلماء افہم الفضلا ، فقیہ بے تمثیل ومحدث بے عدیل۔ مجدد مائۃ حاضرہ ، صاحب حجۃ قاہرہ ، امام اہل سنت۔

چودھویں صدی ہجری میں لکھے گئے ان خطوط کے اسلوب ، ہیئت ومواد نیز مکتوب نگاروں کی شخصیت پر لکھنے کی گنجائش باقی ہے جسے یہاں تنگیٔ صفحات کے سبب موقوف کیا

جا رہا ہے۔ یوں بھی اہل علم وادب اس کام کو زیادہ احسن طریقے سے انجام دے سکیں گے۔ یہ فقیر ہیچمدان اس کا متحمل نہیں۔ خلاصۂ کلام کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر کتاب ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' محض مجموعۂ خطوط نہیں بلکہ اس صدی کے علماء کے عقائد ونظریات اور ان کے فکر وعمل پر مشتمل ایک قیمتی دستاویز ہے جس کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ: (۱) چودھویں صدی ہجری سے ہی ملک کے مشاہیر علماء ومشائخ اہل تشعہ کے ساتھ نومولود فرقہ وہابیہ کو گمراہ وبدعقیدہ سمجھتے رہے ہیں۔

(۲) ندوۃ العلماء کے بانی علماء اہلسنت تھے مگر عاقبت نااندیش دوستوں کی غلط پالیسی اور شبلی نعمانی کی دخل اندازی نے علماء اہلسنت کو اس سے برگشتہ کر دیا۔

(۳) ندوہ کی اصلاح اور بصورت مایوسی اس کی مخالفت میں علماء اہلسنت کے ساتھ مشائخ عظام بھی پیش پیش رہے۔ تاریخ کا یہ گوشہ ان حضرات کے لئے دعوتِ فکر ہے۔ جو آج مزاج خانقاہیت کو صلح کلیت کا رنگ دے رہے ہیں۔

(۴) امام احمد رضا اپنے ہمعصر علماء ومشائخ کے معتمد علیہ تھے اس لئے تحریک ندوہ اور ردعقائد باطلہ میں دونوں جماعت نے ان کی ہمنوائی وپشت پناہی کی۔

(۵) امام احمد رضا اپنے عہد کے ممتاز عالم اور مرجع العلماء، فقہا تھے۔ جن سے علم کا ہر گوشہ منور ہوا اور عوام وخواص سب نے ان سے علمی استفادہ کیا۔ مرتب کتاب جناب ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی ملت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے موضوع سے ہماری شناسائی کرائی جسے بنیاد بنا کر جادۂ اعتدال سے بھٹکنے والے افراد کو سمیٹا جا سکتا ہے۔ مرتب موصوف کی اس نوع کی دوسری کاوش ہے جو اہلِ علم وفن سے دادِ تحسین کی طالب ہے۔

ڈاکٹر غلام جابر کو قدرت نے جستجو کا مادہ، طلبِ مقصود کا جذبہ، تحصیلِ مفقود کی ہمت اور ایثار وعشق سے لبریز دل عطا کیا ہے اس لئے وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ گوشہ

رضویات کی تحقیق میں مصروف عمل ہیں۔ان کی پہلی کاوش ''کلیاتِ مکاتیبِ رضا'' نے اربابِ فکرو تحقیق بالخصوص رضویاتی ادب کے محققین کو متاثر کیا تھا اب یہ دوسری کاوش منظر عام پر آرہی ہے اور چونکہ اس کا ہر مکتوب ؎

مانزدیکہ عروس جواں سال بر غزل
آراستہ بہ زیور حسن معانی است

کا مصداق ہے۔اس لئے یقین ہے کہ یہ کتاب بھی اربابِ ذوق سے پذیرائی کی سند حاصل کرے گی۔

محمد امجد رضا امجدؔ
صدر: القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج، پٹنہ، بہار
09835423434

پرواز خیال

☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

سرپرست

امام ربانی مجدد الف ثانی فاؤنڈیشن۔ کراچی

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

☆

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
صدر شعبہ اردو بہار یونیورسٹی مظفر پور

☆

ماں!

آہ! کتنی من موہنی

ان کا انگ انگ ...... گلاب کی پنکھڑیاں ...... نس نس ...... شہد کی تازہ نہریں

نفس نفس ...... مشک وعنبر کی شیشیاں ...... زلفیں ...... ساون کی گھٹائیں

پیشانی ...... قوس قزح Rainbow ...... پلکیں ...... ممتا کی چھت و چھاؤں

دونوں آنکھیں ...... پیار کے دو مٹکے ...... دونوں لب ...... باب کعبہ کے دونوں پٹ

زبان ...... مصری کی ڈلی ...... منہ ...... زم زم کا کنواں

دونوں ہاتھ ...... کعبہ دل کے دوستون ...... ناخن ...... پہلی تاریخ کا ہلال

اور قدموں کے نیچے انگڑائی لیتی ہوئی جنت

غرض ماں کا پیکر ...... قدرت کی انوکھی تخلیق

پھول سے زیادہ نازک ...... خوشبو سے زیادہ لطیف

مہ وانجم سے زیادہ جمیل ...... کہکشاں سے زیادہ حسن

ماں کا مرتبہ ...... ہمالیہ سے زیادہ اونچا ...... ماں کی عظمت ...... قطب مینار سے زیادہ بلند

ماں کی خوشی ...... جنت کی ضمانت ...... ماں کی ناراضگی ...... جہنم کی رسید

قرآن نے کہا!

انہیں ...... 'اف' نہ کہو! ...... 'اوہ' نہ کہو! ...... 'انہوں' نہ کہو!

جوانو!

ماں کو دل میں بساؤ ...... پلکوں پہ سجاؤ

(پرواز خیال، مطبوعہ، لاہور، ص:۵۲)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی عربی، فارسی اور اردو علوم وفنون کے عالم وفاضل ہیں...... عمر چونتیس سال ہے مگر کام ماشاء اللہ عمر سے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سی ڈگریاں ہیں مگر غرور علم سے پاک ہیں...... بہار یونیورسٹی سے ڈاکٹریت کے لئے امام احمد رضا محدث بریلوی کی مکتوب نگاری پر تحقیقی مقالہ پیش کیا بس پھر لکھتے چلے گئے...... اور ایک دو نہیں اس کام کے صدقے سترہ کتابیں لکھ ڈالیں، جن میں سے بعض کی دو۔دو، اور تین تین جلدیں ہیں...... دیندار خاندان کے چشم وچراغ ہیں...... ان کی زندگی عمل سے عبارت ہے...... وہ عہد جدید کے جوانوں کے لئے ایک چمکتی دمکتی مثال ہیں...... کامیابیوں نے قدم چومے...... بحیثیت طالب علم بھی کامیاب رہے اور بحیثیت استاد بھی...... اور بحیثیت محقق ودانشور بھی کامیاب رہے...... دنیا سے بیزار و بے نیاز...... حق کے طلب گار...... لگن کے پکے...... ارادے کے پختہ...... سیاست سے دور...... صداقت شعار...... سادہ وبے تکلف...... غریب وغم خوار...... دردمند و درد ساز......

ڈاکٹر غلام جابر مصباحی نے زندگی کو دولت وثروت کے حوالے سے نہ دیکھا...... جو اس حوالے سے دیکھتے وہ زندگی کو دولت وثروت کے حوالے سے نہ دیکھا...... جو اس حوالے سے دیکھتے ہیں وہ زندگی سے ناآشنا رہتے ہیں...... اتنی عظیم زندگی اور ٹھیکریوں کی نذر کردی جائے؟...... جانے والا چلا گیا...... سب کچھ رہ گیا...... ساتھ کچھ نہ لے گیا...... کچھ لوگ تن کو دیکھتے ہیں۔ کچھ لوگ من کو دیکھتے ہیں جو من کو دیکھتے ہیں وہ

جہاں کو دیکھتے ہیں اور جو جہاں کو دیکھتے ہیں۔ان کی دید کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

وہ بھی ہیں جو ساتھ لے جاتے ہیں۔وہ بھی ہیں جو اپنی ساری کمائی گنواتے نہیں۔وہ زندگی کی قدر کرنا جانتے ہیں۔جس نے زندگی رب کریم کی بندگی اور حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں گزاری اس نے زندگی کی قدر پہچانی...... بامراد ہے،وہ جس نے زندگی کی قدر پہچانی ...... نامراد ہے، وہ جس نے زندگی کی ناقدری کی...... ساون کی راتیں ...... پرسوز راتیں ...... ساون کے دن ...... پرکیف دن...... دل میں ہلچل مچی ہے...... دردوسوز کا عالم غمزدوں سے پوچھئے ...... کیف وسرور کا عالم عاشقوں سے پوچھئے ...... غلام جابر مصباحی نے ساون کے شب وروز میں خیالوں کی فضاؤں میں پرواز کی ہے...... کائنات کو دیکھا ہے...... کائنات کو پرکھا ہے ...... خلوت میں رہتے ہوئے بھی جلوتوں کی سیر کی ہے...... ان کی زندگی خلوت درانجمن ہے ...... ان کا خیال ہوش دردم ہے...... فکر پر بھی گھٹائیں چھاتی ہیں...... پھوار پڑتی ہے...... بارش ہوتی ہے...... کبھی بوندا باندی...... کبھی موسلادھار...... کبھی خیالوں کے سمندر میں طوفان آتے ہیں...... کبھی جوار بھاٹا...... کبھی پے در پے لہریں...... رات کی تاریکی میں روشنی دمکتی ہوئی ...... تلواروں کی طرح تڑپتی ہوئی...... مچلتی ہوئی...... دیکھ دیکھ کر جی باغ باغ ہوتا ہے...... روح وجد میں آتی ہے...... عجب پر بہار منظر ہوتا ہے...... یہاں عجب فضائیں ہیں...... جہاں بے بال وپر بھی اڑا کرتے ہیں...... جس طرح ٹکسال میں سکے گھڑ گھڑ کے نکالے جاتے ہیں اسی طرح خیالوں کی دنیا میں الفاظ وحروف گھڑ گھڑ کے خود بخود نکلے چلے آتے ہیں...... کوئی تکلف نہیں ...... جیسے کوئی بول رہا ہو...... جیسے کوئی لکھوا رہا ہو......

ڈاکٹر غلام جابر مصباحی نے انہی پرکیف فضاؤں میں ایک نادر کتاب لکھ ڈالی...... ''پرواز خیال'' ...... اس کتاب کا انتساب والدین کے نام کیا...... جن کو سب بھول جاتے ہیں...... اور نذر بیوی بچوں کے نام کی۔جن کے ذکر سے لوگ شرماتے ہیں...... پھر القائی اور الہامی فکر پارے...... سوتوں کو جگانے والے۔زندگی بنانے والے

......کتاب کا ایک عنوان نہیں...... یہ کتاب کوئی مقالہ نہیں......کوئی کتاب نہیں......کبھی الفاظ بھی مقالہ بن جاتے ہیں......کبھی کبھی جملے بھی کتاب بن جایا کرتے ہیں...... ''پرواز خیال'' کو مقالات کا مجموعہ کہہ لیجئے یا کتابوں کا ڈھیر کہہ لیجئے......مگر کتابیں نظر نہیں آتیں......سب کچھ ڈھیر میں چھپا ہے......تلاش کرنے والے جب تلاش کرتے ہیں، تو اس میں سب کچھ پاتے ہیں...... یہاں شریعت وطریقت بھی ہے...... عبادات واخلاقیات اور معاملات بھی ہیں......تبلیغ وارشاد بھی ہے......ترغیب وترہیب بھی ہے ......دانائی اور حکمت بھی ہے......سوچ کا نچوڑ اور تجربوں کا حاصل بھی ہے...... نصیحت وفصیحت بھی ہے...... ماتم یک شہر آرزو بھی ہے...... یہاں دنیا وآخرت بھی ہے......تاریخ وادب بھی ہے۔سیرت وسوانح بھی ہے......نسائیات وجمالیات بھی ہے،......نفسیات وعمرانیات اور سیاسیات بھی ہے......تنقید وتخیل بھی ہے......تمثیل وتشبیہ واستعارہ بھی ہے ...... مدرح وہجو بھی ہے...... خاکہ نگاری ومنظر نگاری اور شخصیت نگاری بھی ہے...... فکر انگیزیاں وسحر طرازیاں اور جادو نگاریاں بھی ہیں......سوالِ بے جواب بھی ہے ۔جواب بے سوال بھی......محسوسات ومشاہدات اور تجربات بھی ہیں......آپ بیتی وجگ بیتی بھی ہے......رذائل وفضائل بھی ہیں......سفر وحضر بھی ......سمندر وصدف بھی، قطرہ ودریا بھی ۔تفکر وتدبر بھی ۔حادثات وسانحات بھی ہیں۔زندگی کے نشیب وفراز بھی ۔خلوت وجلوت اور آرزوئیں تمنائیں......سبھی کچھ ہے......دیکھنے والے دیکھ دیکھ کر جئیں گے پڑھنے والے پڑھ پڑھ کر جئیں گے......ان شاء اللہ تعالیٰ

احقر محمد مسعود عفی عنہ

۲۱ رر مضان المبارک ۱۴۲۵ھ

۲/۱۷۔اے سی، پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

پروازِ خیال پر اِک طائرانہ نظر

پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروق احمد صدیقی

سادگی، بے ریائی، خوش روئی، خوش مزاجی، خوش کلامی، خوش اخلاقی، عاجزی، انکساری، فتادگی، نفاست، لطافت، حلاوت، دینی حمیت و حرارت اور عالمانہ وقار و تمکنت کے اجزاء و عناصر سے جو پیکر جمیل تیار ہوا ہے۔ اسی کا نام غلام جابر شمس ہے۔ میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کا ظاہر زیادہ منور ہے یا باطن، کیا متوازن شخصیت پائی ہے۔ انہوں نے اہل سنت کے نژادنو میں جن لوگوں کو بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور سمجھا ہے۔ میں نے ان میں غلام جابر شمس علامہ اقبال کے درجہ ذیل شعر کے مرکزی خیال کی طرح ہیں:

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے یوں تو علوم و ادبیات کے مختلف شعبہ جات میں تخلیقیت کے جوہر دکھلائے ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر وہ تحقیق کی دنیا کے آدمی ہیں۔ یہی ان کا فطری مزاج ہے اور مذاق بھی، اسی میں وہ شب و روز مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک درجن سے زیادہ تحقیقی مسودات بالکل فائنل شکل میں ان کی المار ی میں بند ہے اور کسی مناسب وقت پر اشاعت و طباعت کے منتظر ہیں۔ اسی سے تحقیقی کاموں میں ان کی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ جو اقبال نے کہا ہے۔

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن اسے کبھی تنہا بھی چھوڑ دے

چنانچہ اقبال کے سعادت مند معنوی شاگرد ہونے کے ناطے جب جب انہوں نے پاسبان عقل کو تھوڑی مہلت دیدی ہے کہ جاؤ چائے وغیرہ پی کر آ جاؤ، اس درمیان جو تحقیقی کاموں سے فرصت ملی ہے، تو گرد و پیش کے حالات اور دیگر تہذیبی و معاشرت مسائل نے بھی اپنا اپنا استحقاق ان پر جمایا ہے۔ میرے خیال میں پیش نظر مجموعہ "پرواز خیال" کے مضامین و مشتملات انہیں اوقات و لمحات کی حسین پیداوار ہیں۔ اس سے ان میں فکری سطح پر بڑا متنوع اور لوقلمونی ملتی ہے، بعض مسائل میں پر انہوں نے غور و فکر سے کام لیا ہے اور بعض بالکل الہامی اور ارتقائی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ یہاں مصنف زندگی کا نقاد بھی ہے اور مبصر بھی، ایسا نقاد اور مبصر جو زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت، خوشرنگ اور خوش آہنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ ادب کا اپنا مقصد زندگی کی تعمیر تشکیل، تزئین اور تطہیر ہے۔

پرواز خیال کی تحریریں نہ تحقیق ہیں، نہ تنقید، نہ افسانہ، نہ ڈرامہ، نہ ناول، نہ رپوتاژ، نہ سنجیدہ مقالہ۔ مگر یہ انشائیہ کے قریب ضرور ہیں، کیونکہ انشائیہ ذہنی ترنگ کو کہتے ہیں۔ ایک انشائیہ نگار شش جہات کی سیر کرتا ہے۔ کاہ سے لے کر کہکشاں تک اور ذرہ سے لے کر مہر درخشاں تک اس کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ وہ سب سے آنکھیں چار کرتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے۔ میرے خیال میں پیش نظر مجموعہ کے مشمولات کو اس پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے بھی کہ ان تحریروں میں نہ منطقیانہ مباحث ہیں۔ نہ فلسفیانہ موشگافیاں ہیں۔ نہ منشور پند ناصح اور نہ خطیبانہ گھن گرج، بس روزمرہ کی زندگی اور اس کے مسائل و معاملات سے متعلق چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کو بڑے سیدھے سادے اور ہلکے پھلکے انداز و اسلوب میں کاغذی پیرہن عطا کر دیا گیا ہے۔ زباں بے حد شگفتہ و شاداب ہے اور پیرائیہ اتنا لطیف و پاکیزہ کہ محسوس ہوتا ہے کہ گلشن کشمیر کے خوشگوار اور مشکبار جھونکے ذہن و دل کو کیف و مستی سے ہمکنار کر رہے ہیں۔

پرواز خیال میں باون عنوانات قائم کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت بڑی

زندگی آسوز اور زندگی آمیز باتیں کہی گئی ہیں۔ان سب کا مفصل جائزہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔میں صرف دو تین مثالیں پیش کروں گا۔تا کہ آپ نمونے دیکھ کر ڈھیر انداز د کرسکیں۔'ترقی یا ترقی معکوس' کے عنوان سے یہ عبارت ملی ہے۔

''مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی چٹائی پر سوتے، بیٹھتے ،تو جسم ناز پر نشان پڑ جاتے ۔آج ! تم قالین پر چلتے ہو، جوتے چپل ،بوٹ پہن کر ،دفتروں ،چیمبروں ، آفسوں میں، غیر دینی تقریبوں میں اور عالی شان محلوں، پر تکلف بنگلوں میں،غور کرو!

تو کیا یہ اسراف،فضول خرچی نہیں، کیا یہ ترقی ہے؟ یا ترقی معکوس ''؟؟ص:۲۱

''خیر کی دعوت دینے والے حرص میں مبتلا ہیں ۔لباس ان کے اجلے ہیں، صورت بھولی ہیں اور چہرہ مقدس میں ڈوبا ہوا۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔ آواز تو دیتے ہیں، محبت کی ،اخلاص کی ،تقرب الی اللہ کی، عمل جہاد کی اور جب وقت آن پڑتا ہے،تو وہ منہ چھپا لیتے ہیں، ریت میں شتر مرغ کی طرح۔

الٰہی !۔۔۔ یہ ہیں تیرے پاسبان حرم۔(شتر مرغ کی طرح:ص:۲۵)

تم نے! ہاں !تم نے !! لکیریں کھینچ دیں، دیواریں اٹھا دیں ،خیمے کھڑے کردیئے، زبان کی ،زمین کی ،جغرافیہ کی ،مسلک کی ،مشرب کی ،مسلمانوں کو خانوں میں باٹنے کا تمہیں کس نے دیا ہے یہ اختیار؟ اسلام نے؟ قرآن نے؟؟ احادیث نے؟؟

(جماعت جاہلین یا جنت الحمقاء ص:۵۱)

ان اقتباسات پر تبصرہ طول مبحث کا باعث ہوگا۔باشعور قارئین مصنف کے پرخلوص جذبات واحساسات،دل سوزی ودردمندی اور اضطراب والتہاب کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔میں ڈاکٹر غلام جابر شمس کو ایسی خوبصورت اور فکر انگیز تحریر پر صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ علمی وادبی حلقوں میں اس کتاب کا پرجوش خیر مقدم ہو۔